خواب گزیدہ

خواب سے تعبیر تک.....اِک اَن چھوئی، اَن کہی ''محبت'' کی کہانی

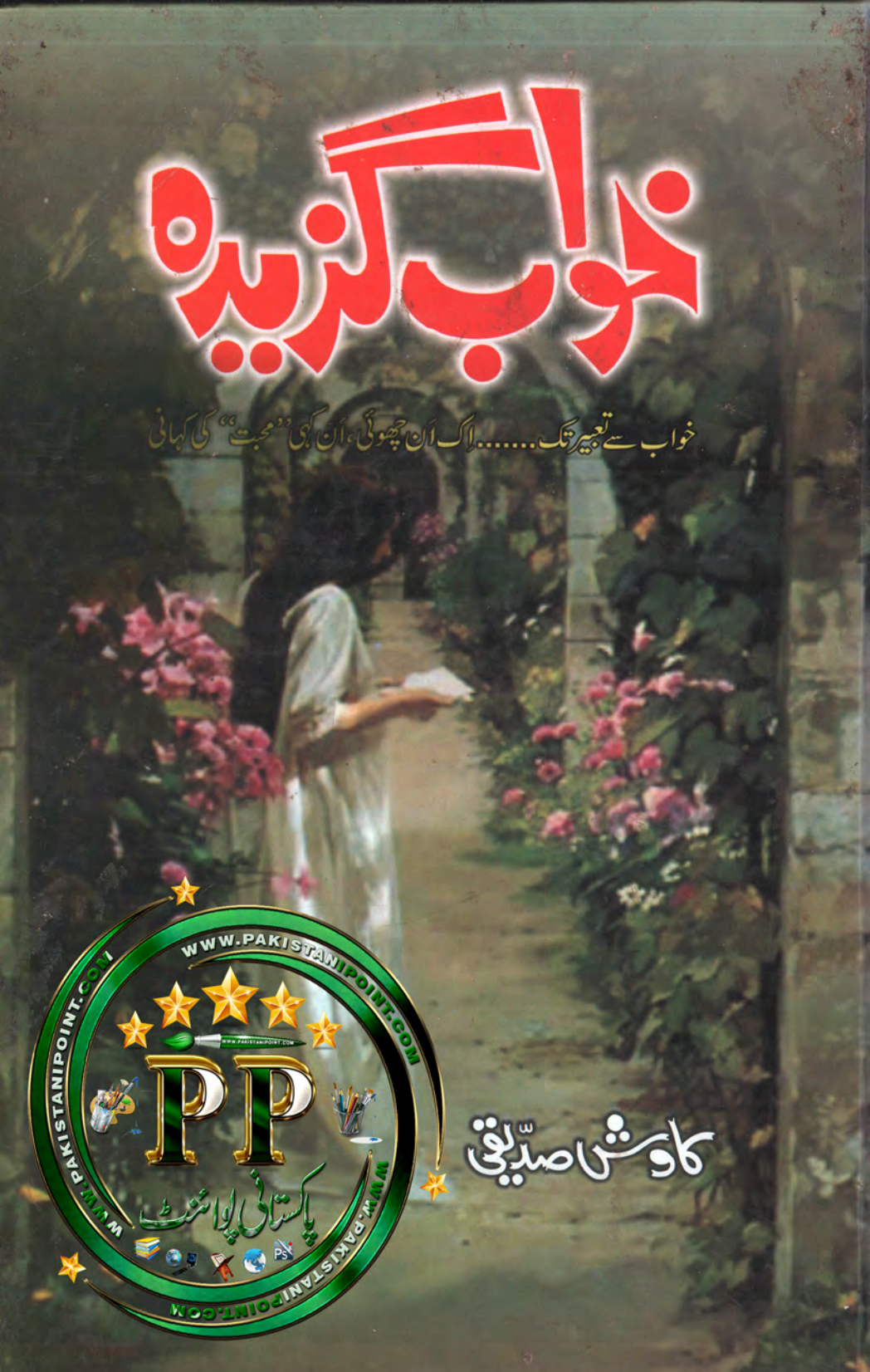

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PP
پاکستانی پوائنٹ

کاوش صدیقی

خواب گزیدہ

روزنامہ جنگ (سنڈے میگزین) میں شائع ہونے والا مقبول ترین ناول

کاوش صدیقی

وقار عظیم
پاکستان پوائنٹ
ڈاٹ کام

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 042-37232336, 042-37352332

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	.....	خواب گزیدہ
مصنف	.....	کاوش صدیقی
ناشر	.....	گل فراز احمد علم وعرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	.....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	.....	زاہد ملک
سن اشاعت	.....	اگست 2012ء
قیمت	.....	-/500 روپے

..... ملنے کے پتے .....

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

کشمیر بک ڈپو

تلہ گنگ روڈ، چکوال

رائل بک کمپنی

فضل داد پلازہ، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

شمع بک ایجنسی

بھوانہ بازار، فیصل آباد

سعید بک بنک

جناح سپر، اسلام آباد

بہترین کتاب چھپوانے کے لئے رابطہ کریں:۔ 0300-9450911

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

انتساب!

اُس محبت کے نام

جو ہمارے دلوں میں خواہش بن کر

خواب کی صورت

زندہ رہتی ہے

کاوش صدیقی

پاکستانی ڈائجسٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

فہرست

	عنوان	صفحہ نمبر
1	دکھ سکھ کے رازدار	9
2	بھلا دورنج کی باتوں میں کیا ہے	19
3	مجھے سچ مچ اس سے پیار ہوگیا ہے	29
4	بے نیاز ہے وہ اپنے آپ سے	39
5	یہ خون کہاں سے آیا	49
6	ہمارے خاندان کی ساری کمائی	58
7	تھانوں میں تفتیش تو راتوں کو ہوتی ہو	67
8	یہ ہنوز ایک راز تھا	77
9	بعض لوگوں سے اجازت لینا اچھا لگتا ہے	85
10	بس ایک پولیس مقابلے کی دیر ہے	93
11	میں اپنی خواہش سے دست بردار ہوجاتی ہوں	102
12	ہر انداز میں ایک جادو ایک طلسم ہوتا ہے	111
13	محبت سے بڑھ کر کیا تحفہ ہوسکتا ہے	121
14	دل کی لگی چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی	130
15	ورنہ پھر بھی تو شادی کرنا ہی پڑے گی	139
16	دراصل ہم کو اپنا آپ اچھا لگتا ہے	148
17	ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے	156
18	قسمت میں تڑپ کر، جل کر مرنا لکھا ہوتا ہے	165
19	خوبصورت عورت کی طاقت کا کہنا ہی کیا	174
20	اَن چھوئی محبت	183

دکھ سکھ کے راز دار

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

ریشمی آنچل سرسراتا ہوا میرے چہرے سے پھسل رہا تھا۔ یوں جیسے کومل کومل سی انگلیاں میرے چہرے سے بڑی نرمی، بڑی آہستگی سے ماتھے سے آنکھوں سے، گالوں سے دھیمے دھیمے اتر رہی ہوں۔ انتہائی نرم و گداز زندگی آمیز حرارت جو بدن کو تازگی کا، ندرت کا احساس دے۔

''تم جا رہی ہو۔۔۔؟''

''جانا تو ہے۔ جمعرات کی شب ڈھل رہی ہے۔ صبح صادق کا نور طلوع ہو رہا ہے۔ اب تو جانا ہی ہے۔!''

''پھر کب آؤ گی۔؟'' میرا سوال کسی ننھے بچے کی لالچ کی طرح ہُمکا۔

''جب بھی جاتی ہوں یہی سوال پوچھتے ہو، ابھی تک عادت نہیں ہوئی تمہیں۔!'' وہ ہنسی۔ اس کی ہنسی کی کھنک میں نے سماعت کے ہر دریچے میں محسوس کی۔

''آئندہ شب جمعرات تک صدیوں کا سفر طے کرنا ہوگا۔'' میں نے دھیمے سے کہا۔ اور اس کا نرم، ملائم گلابی ہاتھ تھاما۔

''انتظار بھی زندگی کی علامت ہے۔ جذبات کا اظہار اسی سے تو عبارت ہے۔!'' وہ مسکرائی اور میرے گالوں کو نرمی سے چھواء۔

''ہاں۔۔!'' میں نے ایک گہری سی سانس لی۔ ''میرا انتظار تو چند سالوں میں ختم ہو جائے گا، فقط شوق باقی رہ جائے گا۔!''

''کیا مطلب۔۔۔؟'' وہ حیرت سے بولی، اور میرے ہونٹوں پر اپنی نرم گلابی انگلی رکھی۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت سے چوڑیوں کی کھنک فضا میں ابھری۔ ''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔!''

''عمر کا فرق۔۔۔!'' میں نے یاسیت سے کہا۔ ''جب سے تم ملی ہو، بعض اوقات عمر کا معاملہ مجھے بہت پریشان کرتا ہے۔ میری نیندیں یا تو تمہارے فراق میں بے چین ہوتی ہیں یا پھر اس خوف سے۔۔!''

''جن چیزوں پر، جن واقعات پر، جن معاملات پر ہمارا بس چل ہی نہیں سکتا۔ ان پر سوچنے سے کیا حاصل۔؟'' اس نے مجھے تسلی دی۔

''لیکن میں اپنے خوف سے پیچھا کیسے چھڑاؤں۔؟'' میں نے کہا۔

''ہمیشہ ہی اس موقع پر مجھے بھی دکھی کرتے ہو اور خود کو بھی یاسیت میں مبتلا کر دیتے ہو۔!'' اس کی بے پناہ شفاف گہری کالی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ سیاہ دراز خمدار پلکیں جلدی جلدی جھپکنے لگیں۔ ''ہر مرتبہ ایسی بات کیوں کرتے ہو۔ میں بہت بے چین رہتی ہوں۔ مگر اس سے زیادہ کی مجھے اجازت نہیں۔ میرا بس چلے تو میں ہر سانس تمہارے ساتھ لوں مگر کیا کروں۔؟'' وہ چپ ہوگئی۔

میں بھی چپ رہا۔

میں جانتا تھا اس مگر کے بعد کا ماجرا۔ ہر بار سب کچھ دوھرایا جاتا تھا شب و روز کے تسلسل کی مانند۔

اس نے اپنی ہتھیلیوں کے پیالے میں میرا چہرہ بھرا۔ اور اپنے ہونٹوں سے میرے ماتھے کو بوسہ دیا۔ اس کی نازک کلائیوں میں پڑی چوڑیوں کی کھنکھاہٹ آمیز موسیقی فضا میں گونجنے لگی۔ نیلگوں روشنی پر سیاہی چھانے لگی۔ میرا سر بھاری ہونے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ ایک ناقابل بیان حرارت آمیز نشے نے سر سے پاؤں تک کا سفر شروع کر دیا۔ میں جیسے بادلوں میں گھومنے لگا۔ پھر میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے بے خبری کی تاریک جھیل میں اتر گیا۔

☆☆☆

میں صبح اٹھا تو بے حد ہشاش بشاش تھا۔ پتا نہیں کیوں طبیعت اس قدر خوش تھی کہ مجھے خود بھی احساس ہو رہا تھا کہ کچھ کچھ بدلا ہوا، اچھا اچھا سا ہے۔ مجھے جب بھی یہ خواب دکھائی دیتا تھا۔ اس کی صبح میرے لئے بہت دلکش، بہت خوبصورت، بہت پرمسرت ہوتی تھی۔ یوں جیسے میں نے نجانے کیا، کیا پالیا ہے۔ مجھے اپنا سارا خواب ایک ایک جزئیات سمیت یاد رہتا تھا۔ مگر نجانے کیا ہوتا تھا کہ جب بھی کوئی مجھ سے پوچھتا کیا بات ہے۔ کیوں خوش ہو۔ کیا مل گیا راتوں رات تو بالکل جیسے اچانک میرا ذہن کسی سادہ تختی کی مانند ہو جاتا تھا۔ مجھے نا کچھ یاد رہتا تھا نا کچھ بول پاتا تھا۔ بس یک ٹک اس کی شکل دیکھتا رہتا تھا۔

آج بھی یہی ہو رہا تھا۔

میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ نصرت اندر داخل ہوئی۔ ''اُٹھ گئے راجہ جی۔!'' نصرت میری بڑی بہن تھی۔ پانچ سال بڑی مجھے بہت پیار کرتی تھی۔ ہر معاملے میں میری طرف داری کرنا اس کی عادت تھی۔

''ہونہہ۔!'' میں نے کہا۔ اور کمبل اپنے بدن سے لپیٹ لیا۔ موسم ابھی بھی سرد تھا۔

''چائے لا رہی ہوں۔ منہ ہاتھ دھولو۔!'' نصرت نے بڑے پیار سے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ اور مجھے غور سے دیکھا۔ ''میرا بھیا بڑا پیارا لگ رہا ہے۔!'' اس نے جھک کر میرا ماتھا چوم لیا۔ ''خوش خوش لگ رہے ہو۔!''

''ہاں پتہ نہیں کیوں سب اچھا لگ رہا ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔

''اللہ کرے ہمیشہ خوش رہے میرا بھیا۔!'' اس نے بڑے پیار سے دعا دی۔ ''ہر خوشی ہر غم اندر کے موسم سے ہے۔ اللہ کرے تمہارے اندر سارے موسم شاد رہیں۔!''

میں نے نصرت کے چہرے کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر میرے لئے بے پناہ پیار، محبت تھی۔اس کی آنکھوں میں بہت روشنی تھی۔ وہ روشنی جو خالص پیار سے بندے کے اندر داخل ہوتی ہے مکروفریب کے دھوئیں سے پاک۔

''نصرت آج تمہارا چیک آجائے گا۔!'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''کیا مطلب۔؟'' نصرت بُری طرح چونکی۔''تمہیں کیا پتا۔؟''

''پتا نہیں۔!'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔''میرے دل میں خیال آیا میں نے تمہیں بتا دیا۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔!'' وہ بولی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

نصرت میری بہن مجھ سے پانچ سال بڑی، پانچ سال قبل اس کی شادی ہوئی تھی۔ ریاض بھائی بڑے اچھے تھے۔لیکن ایک دن ان کی کمپنی کا بوائلر پھٹ گیا۔اس وقت وہ انسپیکشن پر اندر ہی تھے۔ بوائلر روم میں مقامِ حادثہ پر ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ان کے ساتھ دیگر پانچ افراد بھی اس خونی حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ اس وقت نصرت بچے کی ماں بننے والی تھی۔شادی کو سات ماہ ہی ہوئے تھے۔سسرال والوں نے اس کو منحوس قرار دے کر میکے واپس بھیج دیا تھا۔ اس حادثے کے بعد واجبات کے لئے انشورنس والے، کمپنی والے چکر پہ چکر لگوا رہے تھے۔ مگر تمام دستاویزات پوری ہونے کے باوجود چیک نہیں دے رہے تھے۔ مجھے نصرت نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ بس بھیا اب میں چکر نہیں لگاؤں گی قسمت میں ہوگا تو مل جائے گا۔نہیں تو میں اپنی بچی کو اپنی محنت سے ہی لکھا پڑھا لونگی۔اس سارے معاملے کو کئی سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔اب تو اس رقم کا ہمیں انتظار ہی نہ رہا تھا۔

لیکن پتا نہیں کیوں آج میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ نصرت آج تمہارا چیک آجائے گا۔

میں اٹھا اور منہ ہاتھ دھونے واش روم میں چلا گیا۔ میں واش روم سے باہر نکلا تو ننھی پنکی میرے بستر پر چڑھی کھیل رہی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرانے لگی۔''ماموں جی۔۔۔ماموں جی۔۔۔!''اس نے بستر پر کھڑے ہو کر بانہیں میری طرف پھیلا دیں۔ میں نے لپک کر اس کو گود میں اٹھا لیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

''ماموں جی میں نے انڈا کھانا ہے۔!'' اس نے میرے کان میں سرگوشی کی اور میرے کان پر کاٹ لیا۔

''یہ کیا شرارت ہے۔؟'' میں نے ہلکے سے اس کا کان کھینچا۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسی، پورا گھر اس کے قہقہے سے بھر گیا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔اماں صحن میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اخبار تخت پر رکھا عینک اتاری اور بولیں۔

''آج کے اخبار میں بڑی اچھی جاب کی آفر آئی ہے تم ضرور اپلائی کرو۔!''

''جی اماں۔۔۔!'' میں نے انہیں سلام کرنے کے بعد جواب دیا۔ اتنے میں نصرت ناشتہ لے آئی ہم لوگ ناشتہ کرنے لگے۔ پنکی بدستور میری گود میں چڑھی ہوئی تھی۔

''آجاؤ میرے پاس، ماموں کو ٹھیک سے ناشتہ کرنے دو۔!'' نصرت نے پنکی کو بلایا۔

''میں نہیں آتی مجھے یہاں اچھا ہے۔!'' وہ معصومیت سے بولی۔

''کیا اچھا ہے۔؟'' اماں نے مسکرا کے اپنی لاڈلی نواسی کو دیکھا۔

''ماموں سے خشبو آئی اچھی اچھی۔۔!'' اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''بُری بات خوشبو کو نہیں ٹوکتے۔!'' اماں نے کہا اور نصرت کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ نصرت نے اُٹھ کر بڑی تیزی سے پنکی کو اپنی طرف کھینچا وہ رونے لگی۔

میں نے حیرت سے نصرت کو دیکھا۔ ''تم نے اس کو کیوں لے لیا زبردستی۔؟''

''تم ناشتا کر رہے تھے نا بھیا۔!'' نصرت نے جلدی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا دروازے پر گھنٹی بجنے لگی۔

''میں دیکھتی ہوں۔!'' نصرت پنکی کو گود میں لئے لئے بیرونی دروازے کی طرف چلی گئی، چند ہی لمحوں میں اس کی آواز آئی۔ ''بھیا ذرا یہاں آنا۔!''

میں تیزی سے اٹھ کر دروازے پر پہنچا۔ نصرت ایک کوریئر والے سے ایک لفافہ وصول کر رہی تھی۔ لفافہ دیکر اس نے نصرت سے دستخط کروائے اور میرا نام بھی پوچھ کر بطور گواہ ایک صفحے پر لکھا اور اس پر میرے دستخط اور انگوٹھا لگوا کر خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

''کون تھا یہ۔؟'' اماں بھی ہمارے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کوریئر والا تھا۔ شائد ریاض بھائی کی کمپنی سے کوئی خط آیا ہے۔!''

''اتنے برسوں بعد۔!'' اماں نے کہا۔ ''شائد کوئی نئی بات یا کوئی نیا کاغذ مانگا ہوگا۔!''

''دیکھتی ہوں اماں۔!'' نصرت نے کہا اور تخت پر بیٹھ کر لفافہ کھولنے لگی۔

پنکی موقع غنیمت جان کر پھر میری گود میں چڑھ آئی۔ اماں منتظر نگاہوں سے نصرت کو دیکھنے لگیں۔ جو بڑے انہماک سے لفافہ کھولنے میں مصروف تھی۔ اس نے بڑی احتیاط سے لفافہ کھولا۔ اندر آٹھ دس کاغذات تھے اور مزید ایک لفافہ تھا۔ نصرت نے کاغذات ایک طرف رکھتے ہوئے وہ لفافہ کھولا تو اس میں جو کاغذ نکلا اس کو دیکھ کر نصرت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''خدا خیر کرے کیا نکل آیا۔؟'' اماں پریشان ہو گئیں۔

''یہ۔۔یہ۔۔!'' نصرت کی آواز کپکپا رہی تھی۔ ''یہ دیکھیں۔۔۔!'' اس نے کاغذ اماں کی طرف بڑھایا۔

اماں نے کاغذ لیکر مجھے دے دیا۔

وہ چیک تھا۔ نصرت ریاض کے نام۔ چودہ لاکھ روپے کا۔۔۔!

''اللہ تیرا شکر ہے۔!'' اماں نے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

''ارسل تمہیں کیسے معلوم تھا۔؟'' نصرت نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ نصرت کا سوال ایسا تھا کہ اماں بھی میری طرف متوجہ ہو گئیں۔

''ارسل کو معلوم تھا۔؟'' اماں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں اماں۔۔!'' نصرت نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''ارسل نے صبح ہی تو کہا تھا بلکہ شائد گھنٹہ بھر پہلے نصرت آج

تمہارا چیک آجائے گا۔!''

اماں اور نصرت کی نگاہوں میں میرے لئے بہت عجیب کیفیت تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا توجیہ پیش کروں۔!

''ہاں بتاؤ۔۔ بھیا۔؟'' نصرت نے کہا۔''تمہیں کیسے پتا چلا۔؟''

دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔ میں نے جواب دیا۔''میں نے رات میں خواب میں دیکھا کہ کمپنی والے نصرت کو چیک دے رہے ہیں اس لئے میں نے کہہ دیا۔''

''اچھا۔۔۔!'' اماں نے کہا اور میری طرف دیکھ کر خاموش ہوگئیں پھر تھوڑی دیر بعد نصرت سے بولیں۔

''نصرت یہ چیک جا کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرادو بلکہ اس کو فکس کرادو یہ پنکی کی شادی کے لئے رکھ دو یہ پنکی کی امانت ہے!''

''لیکن اماں دیگر اخراجات بھی تو ہیں۔۔!''

''بیٹا۔۔!'' اماں نے کہا۔''تم ہمیں بھاری نہیں ہو اگر یہ رقم نہ بھی آتی تو بھی تم ہماری ذمہ داری تھیں۔ اب اگر ایک اضافی رقم آ ہی گئی ہے تو اس کو پنکی کے لئے رکھ دو۔ اللہ کے فضل سے تمہیں کس چیز کی کمی ہے اور پھر لڑکیاں تو ککڑیاں ہوتی ہیں دنوں میں بڑھ جاتی ہیں۔ اللہ اس کا نصیب اچھا کرے۔ میں جارہی ہوں ذرا نفل پڑھ لوں شکرانے کے، بلکہ تم بھی پڑھو۔!'' اماں نے لمحوں میں سارا مسئلہ ٹھکانے لگا دیا۔

اماں کوئی فیصلہ کر لیتی تھیں تو ہم لوگ پھر کچھ نہیں بولتے تھے۔

میں اپنے کمرے سے کپڑے بدل کر باہر نکلا اور نصرت کے کمرے میں داخل ہوا، تو وہ جاء نماز پر بیٹھی رو رہی تھی۔ سسکیوں سے اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔ پنکی خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت حساس بچی تھی۔ شرارتی، نٹ کھٹ اور چیزوں کے بدلاؤ کو بہت جلد محسوس کرنے والی۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی میری طرف دوڑی۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔''ماما کیوں روتی ہیں۔؟'' اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

نصرت نے کمرے میں آہٹ محسوس کرتے ہی اور پنکی کا سوال سن کر اپنے آپ کو بڑی تیزی سے سنبھال لیا اور دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آنسوؤں کو چھپانے سے کیا حاصل۔؟'' میں نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر کہا۔''یہ تو تمہارا اپنا گھر ہے۔ پھر کیوں اپنے احساسات کو چھپاتی ہو جب رونا آئے تو رو لیا کرو۔ اگر آنسو اندر گرنے لگیں تو تیزاب کی طرح سارا اندر جلا دیتے ہیں۔''

''کبھی کبھی تم بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگتے ہو۔!'' وہ مسکرائی۔

''اچھا یہ بڑی بات ہے۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔''اس میں بڑا پن کہاں ہے۔ یہ تو ایک عام سی بات ہے۔''

''تم لکھاری بن جاؤ۔!'' نصرت نے مجھے مشورہ دیا۔''اتنا اچھا سوچتے ہو۔اتنا اچھا بولتے ہو، بس ان خیالات کو ایک تحریر کی صورت بیان کردیا کرو۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔''تم بہن ہونا۔۔اس لئے تم کو میری باتیں اچھی لگتی ہیں۔ باہر سب اس قسم کی باتوں کو بیکاری، نامرادی، ناکامی کا غبار کہتے ہیں۔''

''بکتے ہیں۔۔!'' نصرت نے تیزی سے کہا۔''بس تم میری مانو۔اور لکھا کرو۔''

''فی الحال تو تم میری مانو اور تیار ہوجاؤ۔!'' میں نے کہا اور پنکی کو گود میں لیکر باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں تیار ہو کر نصرت بھی آ گئی۔ پنکی کو اماں کے پاس بٹھا کر، اس کی پسند کا کارٹون چینل لگا کر ہم دونوں باہر آ گئے۔ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہم بنک روانہ ہوگئے۔ بنک زیادہ دور نہیں تھا۔ دس منٹوں میں ہی پہنچ گئے۔ نصرت نے چیک جمع کرایا اور پوچھا۔؟

''کتنے دن میں چیک کیش ہوجائے گا۔؟''

''ابھی ہوجائے گا۔!'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب۔؟'' نصرت نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ نے شائد غور نہیں کیا، چیک ہمارے ہی بنک کا ہے۔ایک ہی بنک کا چیک آن لائن ہونے کی وجہ سے چند ہی منٹوں میں کریڈٹ ہوجاتا ہے۔ یہ لیجئے پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو گئے۔!'' کیشئر نے خوش دلی سے کہا۔اور چیک کی وصولی سلپ بھی نصرت کو تھما دی۔

نصرت آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ میں اس کے ساتھ ہی تھا میں نے ساری باتیں سنی تھیں۔ چیک جمع کرنا۔ کریڈٹ ہونا۔ باؤنس ہونا یہ سب عام سی باتیں تھیں۔ دنیا جدید ہو رہی تھی لیکن بعض باتیں اپنے اندر بہت سے پیچ وخم رکھتی ہیں۔

''بھیا۔۔۔'' نصرت نے کچھ نہ کہا۔ ان لفظوں میں بے بسی، نارسائی، کرب، فاصلہ، تلخی اور خوشی سب کا امتزاج درآیا تھا۔

اس کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔

یہ چند منٹ گزشتہ کئی برسوں کی جدوجہد کا ثمر تھے۔

نجانے ہمارے ہاں کب لوگوں کو آسانیاں ان کی ضرورت کے وقت پہنچانے کا عمل شروع ہوگا۔

''چلیں۔۔!'' میں نے پوچھا۔نصرت نے گردن ہلائی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ہم دونوں بنک سے باہر آ گئے۔ میں نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی نصرت میرے پیچھے بیٹھتے ہوئے بولی۔''شام کو کیا کر رہے ہو۔؟''

''تم کہو۔۔'' میں نے پوچھا۔''تمہیں کہیں جانا ہے۔۔!''

''ہاں۔۔۔!'' نصرت نے کہا۔''شام کو کھیر پکا کر درگاہ میں بانٹنی ہے۔ میں نے منت مانی ہوئی تھی۔'' نصرت نے بڑی عقیدت سے کہا۔

''جب تم تیار ہو جاؤ تو مجھے بلا لینا۔!'' میں نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ اور گھر کی طرف رخ کیا۔

گھر پہنچ کر نصرت نے اماں کو بتایا کہ پیسے تو فوراً ہی اکاؤنٹ میں آ گئے۔ اور وہ شام کو درگاہ جا کر کھیر تقسیم کرے گی۔

''اللہ کا شکر ہے۔۔۔!'' اماں نے ساری صورت حال جان کر کہا۔ ''جیسے جی چاہے کرو، چلتی تو میں بھی مگر میری ٹانگوں میں درد ہے۔ جوڑ پھر سُوج گئے ہیں شائد۔۔!'' اماں نے کہا۔ اماں جوڑوں کی مریضہ تھیں۔ اور سردیاں ہمیشہ یہ ان کے پیروں میں خصوصاً گھٹنوں میں تکلیف کا باعث بن جاتی تھیں۔

''اماں۔۔۔!'' میں نے انہیں اچانک مخاطب کیا۔ ''آپ کلونجی کو لہسن کے تیل میں جلا کر اس کی مالش کریں۔ چند دنوں میں درد، دور ہو جائے گا۔''

''کیا۔۔۔۔؟'' اماں نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہیں کس نے بتایا یہ نسخہ۔؟''

''پتا نہیں۔۔۔!'' میں نے کندھے اُچکائے۔ ''آپ نے کہا تو اچانک ہی میرے ذہن میں آ گیا۔ میں نے آپ کو بتا دیا۔'' میں نے انہیں جواب دیا۔ اور پنکی کو گود میں لیکر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اماں دیکھتی رہ گئیں۔

''اماں۔۔!'' نصرت نے انہیں مخاطب کیا۔ ''آج صبح ہی مجھے ارسل نے کہا تھا نصرت چیک آج آ جائے گا۔ اب اچانک اس نے یہ نسخہ بتایا ہے تو ضرور ہی اس سے فائدہ ہو گا۔!''

''مگر اس کو کیسے پتا چل گیا۔؟'' اماں نے حیرت سے کہا۔

''اماں آپ ہی تو کہتی ہیں کہ اچھی باتوں کو، اچھی خوشبو کو ٹوکا نہیں کرتے۔ پھر یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے جو ہر بات میں پریشان ہونے لگتی ہیں۔!'' نصرت نے ناز بھرا شکوہ کیا۔

''یہ بات نہیں بیٹا۔!'' اماں نے رسان سے جواب دیا۔ ''جوان جہان لڑکا ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں کوئی ایسا ویسا معاملہ نہ ہو جائے۔!''

''کیسا معاملہ۔؟'' نصرت نے بڑے تجسس سے پوچھا۔

''تم بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔'' اماں نے زچ ہو کر کہا۔ ''چلو جلدی سے کھیر کی تیاری کرو بارہ بج رہے ہیں۔!''

''اچھا اماں۔!'' نصرت نے جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اماں اس کو کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

میں واش روم سے باہر نکلا تو موبائل زور و شور سے بج رہا تھا میں نے اسکرین پر دیکھا اشعر کا نمبر روشن تھا۔

''ہیلو۔۔السلام علیکم۔۔!''

''وعلیکم سلام۔!'' دوسری طرف سے اشعر نے جواب دیا۔ ''کدھر تھے تم اتنی دیر سے فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے۔؟''

''او یار۔ ذرا واش روم میں تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے جو اتنے بے تاب ہوئے

جارہے ہو۔!''

''یار تم جلدی سے گھر آجاؤ۔ بڑا اہم مسئلہ ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن کچھ بتاؤ تو سہی۔'' میں نے پوچھا۔

''بس ساری باتیں اکٹھا ہی ہوں گی۔ تم بس فوراً پہنچو۔!'' اشعر نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

میں موٹر سائیکل کی چابی اٹھا کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اماں نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔ ''کہاں جارہے ہو۔؟''

''اشعر کا فون آیا تھا۔ اس نے فوراً ہی بلایا ہے۔!'' میں نے بتایا۔ اماں نے سر ہلا کر مجھے جانے کی اجازت دی، میں باہر آ گیا۔

☆☆☆

اشعر میرے بچپن کا دوست تھا۔ کچھ سال پہلے ہی وہ اس محلے کو چھوڑ کر شہر کی ایک معروف بستی میں شفٹ ہو گئے تھے۔ حالات اچھے ہوتے ہیں تو انسان سب سے پہلے اپنی جائے پیدائش ترک کرتا ہے۔ شہروں کے اس نئے اصول نے تمام حسب نسب، تمام شجرے، مکانوں کے الاٹمنٹ اور ٹرانسفر کے کاغذات میں گم کر دیئے ہیں۔ پرانی دوستیاں اس نقل مکانی کے چکر میں اپنا حسن تو کیا اپنا وجود ہی کھو بیٹھتی ہیں۔ نئے مکان، نئے لوگ، نئے رشتے، نئے معاملات زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں۔

میں اشعر کے گھر پہنچا تو وہ بے چینی سے کار پورچ میں ہی ٹہل رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ بولا۔ ''اتنی دیر کر دی تم نے آنے میں۔؟''

''بندۂ خدا تمہارے فون کے بعد صرف چالیس منٹ میں تمہارے پاس ہوں، پھر بھی تمہیں دیری کا شکوہ ہے۔؟''

'اچھا اچھا اب زیادہ احسان مت جتاؤ۔ چلو اندر چلو۔۔۔!'' وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے بولا۔

چند ہی لمحوں میں ہم اشعر کے کمرے میں تھے۔ اشعر نے اپنی لکڑی کی الماری کھولی اور اس میں سے ایک پیکٹ نکال کے سامنے رکھا۔

''یہ دیکھو آج کی ڈاک میں آیا ہے۔!'' اس کا لہجہ ہیجانی ہو گیا۔

''یہ تو تمہارے نام ہے پھر مجھے کیوں دکھا رہے ہو۔ اس میں کیا ہے۔؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہی تو کہہ رہا ہوں کہ دیکھو بھیجنے والے کا نام۔۔!'' اس نے نام پر خاصا زور دیکر کہا۔

''یہ تو شاہانہ نے بھیجا ہے۔'' میں نے نام پڑھا۔ ''مبارک ہو تمہاری محبت رنگ لے آئی۔!''

''لیکن یہ ہوا کیسے۔؟'' اشعر نے مجھے گھورا۔

''مجھے کیا پتا، فون کر کے شکریہ بھی ادا کر دو اور پوچھ بھی لو۔!'' میں نے جواب دیا۔

''شکریہ تو میں پہلے تیرا ادا کروں گا خوشبودار۔!'' وہ اٹھا اور اچانک مجھ سے لپٹ گیا اور مجھے پیار کرنے لگا۔ ''تو کتنا کمینہ کتنا پیارا دوست ہے۔!''

اشعر جب بہت موڈ میں ہوتا، بہت خوش ہوتا تو ایسے ہی ردِعمل کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے میرا نام خوشبودار رکھا ہوا تھا۔ بقول اس کے اسے میرے اندر ایک بہت مدھر، بہت بھینی بھینی سی دل آویز خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

ہم بچپن کے دوست تھے۔ دکھ سکھ کے رازدار۔ اشعر بہت خوبصورت تھا۔ لڑکیاں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ یونیورسٹی میں تو اس سے دوستی کے لئے ایک مرتبہ کئی لڑکیوں میں لڑائی بھی ہوگئی تھی۔ جب سے میڈیا عام ہوا ہے۔ ویلنٹائن ڈے منایا جانے لگا ہے۔ لڑکے لڑکیاں اپنے، اپنے احساس کا اظہار کرنے میں گریز کو ترک کرنے لگے ہیں۔

اشعر کو حسبِ معمول چار چھ مہینے کے بعد کسی بھی لڑکی سے زور وشور سے سچی محبت ہو جاتی تھی۔ اور پھر اسی طوفانی رفتار سے وہ لڑکی ماضی کا حصہ بن جاتی تھی۔

مگر اس مرتبہ ایک لڑکی شاہانہ نے اس کو زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ شاہانہ انتہائی بڑے افسر کی بیٹی تھی۔ جس کا اثر و رسوخ عام و خاص سب کو معلوم تھا۔ مگر جس قدر اس کا بیک گراؤنڈ طاقت ور تھا، اسی قدر اس کی شکل وصورت معمولی تھی۔ اتنی معمولی سی، واجبی سی شکل والی لڑکی نے انتہائی خوبصورت اشعر کو بے وقعت کر کے رکھ دیا تھا۔

اشعر اور میں ساتھ ساتھ ہی تھے جب پہلی بار شاہانہ ہم سے ملی تھی۔ ہم لوگ ایک شاپنگ سنٹر میں کپڑے لے رہے تھے کہ اچانک تیزی سے ہٹتے ہوئے اشعر ایک لڑکی سے ٹکرا گیا۔

''دیکھ کر نہیں چلتے۔!'' کسی کی سخت آواز پر میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اشعر کو ایک لڑکی گھور رہی تھی۔

''سوری۔۔۔!'' اشعر نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

''یہ بڑی بڑی آنکھیں ہیں یا بٹن۔ یا پھر بیٹری ڈاؤن گاڑی کی ہیڈ لائٹس جو دکھائی نہیں دیتا۔!''

''محترمہ آپ زیادتی کر رہی ہیں۔!'' اشعر نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''آپ اتنی تیزی سے آ رہی تھیں اس لئے ٹکر ہوگئی میں نے معذرت بھی کی لیکن آپ کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا۔!''

''بس بس رہنے دیں یہ بے تکی وضاحتیں، چار پیسے جیب میں کیا آتے ہیں لڑکے بھی بیوٹی پارلر سے فیشل کر کے پھیکے شلجم بنے لڑکیوں کو متاثر کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ بیوٹی پارلر نکال دو تو ان کے چہرے مسٹر بین کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتے۔!''

اس نے بڑے نخوت سے کہا اور اونچی ایڑیوں کی ٹھک ٹھک کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اشعر نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ کئی لوگ جو اس جھگڑے کی وجہ سے شاپنگ سنٹر کی لابی میں جمع ہوگئے تھے۔ بڑے تمسخرانہ انداز میں اشعر کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''آؤ چلیں۔۔۔!'' میں نے اشعر کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچا اور آگے نکل آیا۔

''آؤ چلیں پھیکے شلجم کو نمکین بنائیں۔!'' کسی نے بڑے مزاحیہ انداز میں پھبتی کسی۔ مجھے اور اشعر کو غصے کے باوجود ہنسی آ گئی۔

''ہم تو چلے پردیس۔ ہم مسٹر بین ہو گئے۔!'' کسی اور کا فقرہ ہمارے کانوں میں پڑا۔ اشعر غصے میں پلٹنے والا ہی تھا کہ میں نے اس کو سختی سے روک دیا۔

''رک جاؤ اور ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی مار دونگا۔!''

اچانک ایک اے۔ ایس۔ آئی نے نجانے کس طرف سے نکل کر ہمارے اوپر پستول تان لیا۔ اس کے عقب میں چار پانچ پولیس والے گنیں تانے پوری سفاکی سے ہمیں گھور رہے تھے۔

☆☆☆

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

بھلا دورنج کی باتوں میں کیا ہے

''تم کون ہو۔؟'' اشعر نے حیرت سے پوچھا۔''اور کیوں ہم پر پستول، گنیں تانے کھڑے ہو۔!''

''سوری سر۔!'' اچانک ان کے پیچھے سے ایک عینک والا آدمی نکلا۔''ہم معذرت چاہتے ہیں۔دراصل ہم اپنے پروڈکشن ہاؤس کے لئے ایک سین شوٹ کررہے تھے۔!''

''او۔۔!'' اشعر نے ہاتھ نیچے کرلئے۔

''ابے گدھے یہ فلور نہیں اوپر والا فلور ہے تمہیں نظر نہیں آتا۔ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہنگامہ کھڑا کردیتا۔!''

عینک والے نے انہیں سخت سست سنانا شروع کردیں۔ وہ گردن موڑ کر اوپری فلور کی طرف بڑھ گئے۔عینک والے نے ایک دفعہ پھر معذرت کی اور ان کے پیچھے پیچھے مڑ گیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔!'' اشعر کو پھر غصہ چڑھنے لگا۔

''چلو چھوڑو یار نیچے چلتے ہیں۔!'' میں نے اسے سیڑھیوں کی طرف کھینچا۔

باہر گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے اس کا سرخ وسفید چہرہ لال بھبوکا ہورہا تھا۔''سمجھتی کیا ہے وہ اپنے آپ کو۔!'' وہ مٹھیاں بھینچ کر غصے سے بولا۔

''چلو غصہ تھوک دو، اتنا زیادہ کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں کرتے۔!'' میں نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''کمال ہے اس نے مجھے پھیکا شلجم کہا۔مسٹر بین کہا۔کیا یہ میری خوبصورتی بیوٹی پارلر کی مرہونِ منت ہے۔!'' وہ کسی طور ٹھنڈا نہیں ہورہا تھا۔ مجھے فوراً ایک خیال سوجھا۔میں نے کہا۔''کہیں ایسا تو نہیں وہ تم سے جل گئی ہو۔تمہاری اتنی دل کش، جاذب نظر شخصیت ہی ایسی ہے کہ بعض اوقات دوسروں کو حسد میں مبتلا کردیتی ہے۔''

''بکومت۔!'' اس نے بھنا کر کہا۔''میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ وہاں سوائے جھنجھلاہٹ، غصے اور تمسخر کے سوا کچھ نہیں تھا۔!''

''ماشاءاللہ۔!'' میں نے داد دی۔''اس لمحاتی سچوایشن میں بھی آپ جناب نے اس کی آنکھوں کا تاثر تک پڑھ لیا۔اور کیا کیا نظر آیا اس ذات شریف میں۔؟''

''بکومت۔۔!'' وہ پہلی مرتبہ ہنسا۔''چڑیل کی بچی نے سارا موڈ غارت کردیا۔!''

''چلو تمہارا غصہ تو ٹھنڈا ہوا۔!'' میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ دو تین مرتبہ کسی شاپنگ سنٹر، کسی نمائش میں شاہانہ سے اسی قسم کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، ہر ملاقات میں اس نے یہی تاثر دیا کہ وہ اشعر کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتی۔ اس کے نزدیک اشعر کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے اس رویئے کی وجہ سے اشعر اس کی طرف مائل ہوتا رہا۔ میں نے اسے کئی مرتبہ سمجھایا کہ وہ اس کو اتنا سنجیدگی سے نہ لے، ورنہ یہ معاملہ دل کا روگ بن جائے گا۔ اور وہ فتح کرنے کے چکر میں خود مفتوح کی حیثیت سے اس کے سامنے دامن دل پھیلائے گا۔

''دیکھنا ایک دن وہ ضرور میرے آگے جھک جائے گی۔!''

''تم جو بھی نمبر اس کا ڈھونڈتے ہو وہ سم ہی چینج کر لیتی ہے۔ وہ تمہیں تھکا رہی ہے۔!''

''تمہاری بات بجا ہے۔'' اشعر نے بے چارگی سے کہا۔ ''لیکن اب میں کیا کروں۔ مجھے بھی وہ اچھی لگنے لگی ہے۔!''

''میں سمجھتا ہوں تمہاری کیفیت۔!'' میں نے جواب دیا۔

''یار میں کیا کروں۔؟'' اس نے بے بسی سے کہا۔

مجھے اس کی بے چارگی پر بہت دکھ ہوا۔ پتا نہیں کیا ہوا۔ اچانک میرے منہ سے نکلا۔ ''اشعر دیکھ لینا وہ تمہیں سالگرہ پر ضرور کوئی نہ کوئی رابطہ کر کے حیران کر دے گی۔!''

''کیا۔۔؟'' مارے حیرت کے اشعر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے کے نقوش عجیب سے ہو گئے۔ بعض اوقات حیرت بھی ہمارے خوبصورت خدوخال کو کیا سے کیا کر دیتی ہے۔

''تم۔۔تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''پتا نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور کوئی رابطہ کرے گی۔!''

اور وہی ہوا، اس کا تحفہ سامنے رکھا تھا اور اشعر بے پناہ پرجوش ہو رہا تھا۔

کیا بھیجا ہے اس میں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔!'' اشعر نے کہا۔ ''میں نے تمہارے بغیر اسے کھولنا مناسب نہیں سمجھا، تم نے ہی تو کہا تھا اور پھر ویسا ہی ہوا اس لئے تمہارے ساتھ کے بغیر میں اسے کیسے کھول سکتا ہوں۔؟''

مجھے اشعر پر بے حد پیار آیا۔ میں نے اور اشعر نے مل کر تحفہ کا پیکٹ کھولا، اندر ایک بے حد خوبصورت برتھ ڈے کارڈ تھا۔ جس میں بے حد خوبصورت تحریر میں لکھا ہوا تھا۔ ''بھلا دو رنج کی باتوں میں کیا ہے؟۔۔ادھر دیکھو میری آنکھوں میں کیا ہے۔''

''واہ سبحان اللہ۔ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ لو بھئی اشعر بالآخر اس طرف سے بھی ابتداء ہو ہی گئی۔'' پیکٹ میں ایک بہت خوبصورت قیمتی ٹائی معہ ٹائی پن، اور بہت قیمتی پرفیوم کی شیشی تھی۔

''لو جی تحفۂ محبت خوشبو۔۔۔! اب تو آ گیا دل بیقرار کو قرار۔!'' میں نے اشعر کو جھنجھوڑا جو بے حد غیر یقینی

کیفیت میں مبتلا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔!'' وہ بڑبڑایا۔

''یقین کرلو، ذرا غور سے دیکھو شعر کے نیچے شاہانہ نے نا صرف اپنا نام لکھا ہے بلکہ فون نمبر بھی موجود ہے۔ تا کہ وصولی کی رسید بجائے ڈاکیہ زبانی ملے۔ بات کرلو۔!'' میں نے کہا۔

''یار ڈر لگتا ہے۔!'' وہ بولا۔ ''کہیں کچھ جلی کٹی نہ سنا دے اس سے تو میں ڈرنے ہی لگا ہوں۔!'' میں نے پہلی بار اشعر کو اس کیفیت میں دیکھا۔ ورنہ لڑکیاں، تحفے، تحائف، ڈیٹس یہ سب اس کے لئے معمول کا حصہ تھے۔ مگر نجانے شاہانہ نے کیا جادو چلایا تھا۔ کہ اشعر ہر لمحے اسی کے خیال میں گم رہنے لگا تھا۔ شائد محبت اس مرتبہ اس پر سچ مچ نزول کر رہی تھی۔

اچانک میرے موبائل پر بیل ہونے لگی۔ میں نے اسکرین دیکھی۔ فون گھر سے تھا۔ ''ہیلو۔۔!'' میں نے کہا۔

''کہاں ہو۔؟'' دوسری طرف سے نصرت کی آواز آئی۔ ''درگاہ کے لئے تیار بیٹھی ہوں تمہارا کچھ پتا نہیں۔!''

''میں ابھی آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا اور فون بند کردیا۔

''خیریت۔۔؟'' اشعر نے میری طرف دیکھا۔ ''کہاں جانا ہے۔؟''

''یار وہ نصرت نے درگاہ کے لئے کھیر بنائی ہے۔ وہ تقسیم کرنا ہے اس لئے جانا ضروری ہے۔'' میں نے اسے جواب دیا اور اس کا جواب سنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم ان تحفوں سے لطف اندوز ہو ان سے باتیں کرو، اپنی سالگرہ مناؤ۔ مجھے اجازت دو۔!'' میں نے اسے خدا حافظ کہا اور باہر نکل آیا۔

☆☆☆

میں تھوڑی دیر میں گھر پہنچ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ اماں بھی چلنے کو تیار تھیں۔ ''اماں آپ بھی چل رہی ہیں۔!'' مجھے خوشی ہوئی۔

''ہاں۔۔!'' اماں نے جواب دیا۔ ''تمہارا نسخہ نصرت نے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں بنا کر میری بڑی مالش کی۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میری ٹانگیں بہت ہلکی ہلکی سی ہوگئی ہیں۔!'' اماں کا لہجہ بے حد خوشگوار تھا۔

میں نے موٹر سائیکل گیراج میں کھڑی کی اور کرولا نکالی۔ گاڑی کا ماڈل دو ہزار چھ کا تھا مگر اس کی کنڈیشن بہت اچھی تھی۔ اماں اور نصرت کھیر کا پتیلا ایک کپڑے میں باندھ کر بیچ میں رکھ کر بیٹھ گئیں۔ پنکی میرے ساتھ آگے بیٹھ گئی۔ وہ ہمیشہ میرے ساتھ آگے ہی بیٹھتی تھی اور دروازے کے شیشے سے نگاہیں ٹکائے ٹریفک دیکھتی رہتی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہم لوگ درگاہ پہنچ گئے۔ جمعرات کی وجہ سے رش بہت زیادہ تھا۔ مزار کے ایک طرف علیحدہ حصہ بنا تھا۔ جہاں خواتین ہی جا کر فاتحہ پڑھ سکتی تھیں۔ فاتحہ پڑھ کر نصرت نے کھیر بانٹنی شروع کردی اور چند ہی منٹوں میں اچھا خاصا پتیلا خالی ہوگیا۔ پنکی بڑی خوش تھی اور کبوتروں کو دیکھ کر ان سے باتیں کر رہی تھی۔

میں سر پر رومال باندھے فاتحہ پڑھ کر الٹے قدموں مزار کے پاس سے نکلنے لگا۔ تب ہی کسی نے اچانک میرا ہاتھ تھام لیا۔

''کدھر چلے جی۔؟'' میں نے چونک کر دیکھا وہ ناز پیاری تھا۔

''گھر جا رہا ہوں۔۔امی ادھر ہیں۔!'' میں نے نرمی سے ہاتھ چھڑایا۔

''کاہے کو ہم سے ہاتھ چھڑاتے ہو۔؟'' اس نے مسکرا کے کہا۔''ہم تو ناز ہیں، پیاری ہیں، لوگ تو ہم پر مرتے ہیں اور آپ ہیں کہ ہم سے بھاگتے ہیں۔!'' اس کا لہجہ بے حد والہانہ تھا۔

''کیا بے تکی باتیں کر رہے ہو۔!'' میں نے اس کے لہجے سے گھڑبڑاتے ہوئے کہا۔ سامنے پنکی کو ساتھ لئے امی اور نصرت آ رہی تھیں۔

''وہ۔۔وہ امی آ رہی ہیں۔!'' میں نے گھبرا کے کہا۔

''ساری دُنیا کو بتا دیتے ہو۔۔!'' ناز پیاری نے اٹھلا کے کہا۔''بس ہمیں نہیں بتاتے۔!''

''کیا نہیں بتاتے۔۔؟'' دفعتاً جیسے میرے سارے بدن سے پسینہ چھوٹنے لگا۔

''نصرت کو چیک بتا دیتے ہو، اماں کو علاج بتا دیتے ہو، اشعر کو معشوق کی خبر دے دیتے ہو، خوشبودار۔!'' ناز پیاری نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

مارے گھبراہٹ اور حیرت نے سر سے پاؤں تک مجھے عرق عرق کر دیا۔

''جب تم پسینہ، پسینہ ہوتے ہو تو تم سے عجیب سی خوشبو پھوٹتی ہے اور میں بے بس ہو جاتی ہوں۔!'' ناز پیاری نے گہری سانس لی۔

مجھے لگا کہ جیسے بھیڑ میں ہم تنہا ہو گئے ہوں۔

''دل چاہتا ہے کہ تم پر مر جاؤں، مگر تم تو کسی اور کا حصہ ہو، کسی اور مقسوم۔'' اس کے انداز میں، لہجے میں بہت زیادہ بے بسی تھی۔''میں تو چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی۔!''

''کیا کہہ رہی ہو۔؟'' میری ہتھیلیاں پسینے سے بھر گئیں۔

''تم نہیں جانتے۔تمہیں کچھ نہیں پتا ظالم۔ستمگر۔مرے معصوم قاتل۔!'' ناز پیاری نے بڑے جذب سے کہا۔

''سنو۔۔!'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔''اب کی بار حواس قابو میں رکھنا۔اب یاد رکھنا کوشش کرنا کہ تمہیں سب یاد رہے، کوئی نشانی مانگ لینا۔۔!''

''کس سے نشانی مانگ لوں۔۔۔!'' میں بے حد اُلجھ گیا۔

''ماموں جی۔!'' کسی نے میرے ہاتھ کو کھینچا۔ جیسے اچانک ہی میں اپنے آپ میں واپس آ گیا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ناز پیاری مزار کی طرف رخ کئے بڑے انہماک سے فاتحہ پڑھ رہی تھا۔اماں اور نصرت مجھے دور کھڑی دیکھ رہی تھیں اور پنکی میرا ہاتھ کھینچ رہی تھی۔

☆☆☆

میں پنکی کا ہاتھ تھامے اماں اور نصرت کے پاس آ گیا۔اماں نے حسب معمول کچھ پیسے مزار شریف کے گلے میں ڈالے اور ہم واپسی کے لئے درگاہ کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ پارکنگ درگاہ شریف کی بیس منٹ میں واقع تھی۔

میں گاڑی لینے نیچے چلا گیا۔تھوڑی دیر میں جب میں گاڑی لیکر واپس آیا۔اماں اور نصرت کو بٹھا کر پنکی کی سیٹ بیلٹ کسنے کے بعد گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے میں نے عقبی آئینے میں دیکھا تو ناز پیاری کھڑا ہماری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔عقبی آئینے میں اس کی کالی آنکھیں دوری کے باوجود صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے چپک گئی ہوں۔ اچانک کئی ہارن زور دار آوازوں سے چیخے۔ میں نے چونک کر بریک لگائے جس سے سب ہل کر رہ گئے۔

''الٰہی خیر۔۔۔بیٹا کیا ہوا۔!'' اماں نے دونوں ہاتھ سے سیٹ کی اگلی پشت تھامتے ہوئے بڑی تشویش سے پوچھا۔

''کچھ نہیں اماں۔۔۔بس اچانک سامنے رکشا آ گیا تھا۔!'' میں نے فوراً ہی بات بنائی۔ اور گاڑی کو دائیں جانب موڑ کر مرکزی سڑک پر آ گیا۔

''احتیاط کیا کرو بیٹا بعض اوقات ایکسی ڈنٹ دوسروں کی غلطی سے بھی ہوتے ہیں۔!'' اماں نے دھیمے سے کہا۔

''جب تک آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں کچھ نہیں ہوگا آپ کے بیٹے کو۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''بیٹا ماں تو سراپا دعا ہوتی ہے اس کا پل پل اولاد کے لئے حرفِ دعا ہوتا ہے۔!''

''پنکی کیا کھاؤ گی آئسکریم یا جوس۔؟'' میں نے پوچھا۔

''جوس پئیں گے ہم سب۔!'' پنکی سے پہلے نصرت نے کہا۔''آئسکریم سے گلا خراب ہوجائے گا پھر پنکی اسکول میں پوئمز کیسے سنائے گی۔''

''ہاں ماما ٹھیک بولی۔!'' پنکی نے کہا اس کا بات کرنا کا اپنا ہی انداز تھا۔''مجھے تو اسکول میں پرائیز لینا ہے۔'' اس نے ماں کی تائید کی۔

میں نے ایک جوس کارنر پر گاڑی روکی اور سب کے لئے جوس منگوالیا۔باتوں باتوں میں جوس ختم ہوگیا پیسے دیکر ہم نے گھر کا رخ کیا گاڑی گیراج میں لگا کر ہم لوگ اندر آ گئے۔

''اماں کھانا لگاؤں۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''ابھی مجھے بھوک نہیں جوس پیا ہے، کھانے کا دل نہیں چاہ رہا ہے۔'' اماں نے جواب دیا۔

نصرت نے میری طرف دیکھا میں نے بھی انکار کردیا۔ پنکی میری گود میں سوگئی تھی میں نے اسے نصرت کے کمرے میں لٹایا۔اور خود اپنے کمرے میں آ گیا۔

آج خاصا مصروف دن گزرا تھا۔میں کپڑے بدل کر لیٹ گیا اور بے مقصد چھت کو تکنے لگا۔ پھر مجھے درگاہ شریف کی ناز پیاری یاد آیا۔ناز پیاری برسوں سے درگاہ شریف سے وابستہ تھا دراصل وہ بہت خوبصورت لڑکا تھی، کوئی کہتا تھا کہ اس کے کچھ نفسیاتی مسائل تھے۔کسی کا خیال تھا کہ ہیجڑا ہونے کی وجہ سے والدین نے اسے ہیجڑوں کو دیدیا تھا جس کی وجہ سے ان لوگوں نے ہی اس کی پرورش کی۔کسی کا خیال تھا کہ محبوب نے دھوکا دیا تھا گھر سے تو بھگا لایا

تھا مگر پھر بزدلی کی وجہ سے ساتھ نبھا نہ پایا۔ اور یوں ناز پیاری کسی نہ کسی طرح درگاہ سے وابستہ ہو گیا۔ مگر اس کے اندر معروف ہیجڑوں والی کوئی حرکت، کوئی عادت، کوئی خرابی نہیں تھی۔ بہت پڑھی لکھی تعلیم یافتہ، نستعلیق قسم کی گفتگو کرتی تھی۔ لوگ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس سے اپنے لئے دعائیں کروانا سعادت خیال کرتے تھے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ مگر میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ ہمیشہ مجھے ہی اہمیت دیتی ہے۔ میں جب بھی درگاہ شریف فاتحہ کے لئے گیا ناز پیاری مجھ سے ضرور ٹکراتی تھی۔

کبھی کبھی تو وہ مجھے دور ہی دور سے دیکھتی رہتی، کبھی قریب آ کے یوں گفتگو کرتی کہ جیسے میرے جنم جنم سے آگاہ ہو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ درگاہ شریف پر ایک بڑا پہنچا ہوا فقیر آیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ میں گم صم اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک وہاں ناز پیاری آ پہنچی۔ ''تم کیا کر رہے ہو یہاں۔؟'' اس نے مجھے مخاطب کیا جیسے میں اس کا کوئی کھویا ہوا رشتے دار ہوں۔

''چلو بچہ جاؤ۔!'' فقیر نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھورا۔

''مجھ پر تمہاری ان آنکھوں کا جادو نہ چلنے کا۔!'' ناز پیاری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''بڑے بڑے ان آنکھوں کے دیوانے ہیں۔!'' فقیر نے ناز پیاری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ''تم کیا چیز ہو بچے۔!''

''ہم۔۔!'' ناز پیاری نے کہا۔ ''ہم یہ ہیں کہ اب تم یہاں بیٹھے رہو گے اور ہم لے جا رہے ہیں اس کو۔!'' ناز پیاری نے کہا اور میرا ہاتھ تھام کر جھٹکا دیا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میں کسی ٹرانس سے ایک دم باہر آ گیا ہوں۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے درگاہ شریف کے بیرونی دروازے تک لائی اور بولی۔ ''یہاں سے سیدھے گھر جانا۔ تمہاری وجہ سے مجھے پتا نہیں کہاں سے آنا پڑا۔''

''کہاں سے آنا پڑا۔؟'' میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا بتاؤں ہزاروں ہی قصے ہیں۔!'' وہ ہنسی اور مجھے نیچے جانے کا اشارہ کر کے پلٹ کر زائرین کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

عجیب سی تھی یا عجیب سا تھا ناز پیاری۔ خود اس کا ہی کہنا تھا کہ اس کو ناز پیاری کہا جائے۔ وہ پیا کی سہاگن ہے۔ پیا سے مراد اس کی صاحب مزار تھے۔ جن کی کشش نے اس کو جکڑ لیا تھا۔

میں نے سر کے نیچے سے ہاتھ نکال کر بازو کو موڑ کر آنکھوں پر رکھ لیا۔ خوشبو سے مشام جاں معطر ہو گئی۔ میرے وجود میں بڑی انوکھی، بڑی نرالی سی خوشبو پھوٹتی تھی۔ جب بھی مجھے ہلکا سا پسینہ آتا تھا یا جب میں بہت خوش ہوتا تھا۔ یہ خوشبو اتنی دھیمی، اتنی لطیف اور ایسی دلکش ہوتی تھی کہ جیسے خود مجھے نشہ سا آ جاتا تھا۔ میں اپنی ہی خوشبو سے مسحور ہو جاتا تھا۔

میرے وجود میں یہ خوشبو کیسے در آئی۔ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اماں بتاتی تھیں۔ ''جب تم میرے پیٹ میں تھے تو مجھے معدے میں شدید جلن ہوتی تھی اور بہت زیادہ گرمی بھی لگتی تھی۔ بلڈ پریشر ہائی رہتا تھا۔ ان دنوں میں انگریزی دوا نہیں کھائی جاتی تھیں۔ تاکہ نومولود پر کوئی اثر نہ پڑے۔ پھر ایک حکیم صاحب کے مشورے سے شربتِ صندل، خمیرہ

عنبری جواہر دار کھاتی تھی۔ انہی دنوں میں بیٹے کے لئے اسم الٰہی ''یاباقی یالطیف'' کثرت سے پڑھتی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا تو تم اتنے جاذب نظر تھے کہ جو دیکھتا تھا تم پر بے ساختہ پیار نچھاور کرنے لگتا تھا۔

تمہارے ابا نے جب تمہارے کان میں اقامت اور اذان کہی تو بولے۔''تم نے اتنا صندل کا شربت پیا ہے کہ تمہارا لڑکا بھی صندل کی خوشبو لئے اس دنیا میں آیا ہے۔ سچ پوچھو تو خود مجھے بھی صندل کی خوشبو بہت بھاتی تھی۔ صندل کی اگربتی۔ صندل کا برادہ، صندل کی تسبیح، صندل کی رحل، صندل کی پیسے رکھنی والی چھوٹی صندوقچی، صندل کا زیوارت کا ڈبہ، صندل کا عطر۔ غرضیکہ میری خوشبو کی دنیا صندل سے عبارت تھی۔ اور پھر تم آئے تو تمہارے وجود میں قدرتی صندل کی مہک رچی بسی تھی۔ مجھے تو یہ خوشبو اس لئے زیادہ محسوس نہیں ہوتی کہ میں صندل کی مہک کی عادی تھی۔ لیکن بعض دوسرے لوگ اس کو جلد یا بدیر محسوس کر لیتے تھے۔ جس پر میں ہمیشہ بہانہ بنا دیتی تھی کہ میں نے تمہیں پاوڈر لگایا ہے وہ صندل والا ہے۔ پھر ایک مرتبہ جب میں تمہیں درگاہ شریف لیکر گئی تھی تو مجھے ایک بزرگ ملے تھے وہاں انہوں نے تمہیں دیکھ کر کہا تھا کہ اس کی حفاظت کرنا، اکیلا نہ چھوڑنا، باقی کچھ انہوں نے میرے اصرار کے باوجود نہیں بتایا۔

اس طرح تم آہستہ آہستہ بڑے ہو گئے۔ اس دوران بہت سے واقعات پیش آئے۔ لیکن ایک خاص بات ضرور یہ ہوئی کہ تمہاری پیدائش کے بعد روپے پیسے کی کبھی کوئی تنگی نہیں ہوئی۔ تمہارے والد کے کاروبار میں خوب ترقی ہوئی۔ اس مکان کو دوبارہ برابر کا مکان خرید کر اس کو ساتھ ملا کر بنایا۔ پھر تمہارے والد کے انتقال کے بعد بھی کاروبار کی نگرانی تمہارے ماموں کرتے رہے۔ بڑی ایمان داری سے انہوں نے ہمارا ساتھ دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہر نعمت سے سرفراز کیا۔

مجھے اماں کی باتیں یاد آتی رہیں۔ انہوں نے یہ ساری باتیں مجھے ایک نشست میں نہیں بتائی تھیں۔ وقتاً فوقتاً بتاتی رہی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ میرے ذہن میں مربوط شکل میں محفوظ ہوتی رہیں۔ میں ماضی کی دھند میں گم ہوتا ہوا نیند کی وادی میں نجانے کب اتر گیا۔

☆☆☆

صبح میں خاصی دیر سے جاگا۔ ابھی میں اماں کے پاس بیٹھ کر چائے پی رہا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی ساتھ ہی کسی نے بیل بھی بجائی۔ الٰہی کون بے صبرا ہے۔؟'' اماں نے مسکرا کے کہا۔''جاؤ دیکھ بیٹا۔!''

میں نے دروازہ کھولا تو منیر صاحب معہ اپنی بیگم کے کھڑے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک پرتپاک مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

''آپ۔۔۔!'' مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ منیر صاحب نصرت کے سسر تھے اور آج تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد انہوں نے آنے کی زحمت کی تھی۔''آیئے اندر آجایئے۔!'' میں نے دروازے سے ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ دونوں میاں بیوی اندر داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں شاپرز تھے۔

اماں نے انہیں اندر آتا دیکھ لیا۔''آئیں بھائی صاحب۔!'' اماں نے کہا۔

منیر صاحب اور ان کی بیگم اماں سے بہت گرم جوشی سے ملے، ان کی بیگم نے رسمی دُعا سلام کے بعد کہا۔''کیا

بات ہے ہماری بیٹی نظر نہیں آ رہی۔؟''

''کس بیٹی کو پوچھ رہی ہیں۔نواسی کو یا نواسی کی ماں کو۔؟'' اماں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

''نواسی تو کوئی غیر نہیں ہمارا خون ہے باجی۔!'' نصرت کی ساس حلیمہ بیگم نے کہا۔''اور نصرت بھی ہمیں پیاری ہے آخر کو وہ پنکی کی ماں ہے۔!''

''پنکی کی ماں تو وہ بعد میں بنی، پہلے میری بیٹی اور پھر آپ کی بہو بنی، پہلے رشتے نظرانداز کر دیئے جائیں تو دوسرے رشتے خود بخود کمزور پڑ جاتے ہیں۔!'' اماں نے نہایت اطمینان سے کہا۔

''ارے باجی میں آپ کی طرح پڑھی لکھی نہیں جو آپ کو لاجواب کر سکوں۔ ہم تو پیلے اسکول علی بھائی ابراہیم کے پڑھے ہیں۔!'' انہوں نے قدرے کھسیا کے کہا۔

''تعلق قائم کرنا اور نبھانے کا تعلق خاندانی روایات اور معاملہ فہمی سے ہوتا ہے۔تعلیم تو بس اس سمجھنے سمجھانے کو نکھار دیتی ہے۔!'' اماں کے لہجے کی حلاوت برقرار تھی۔

اسی وقت نصرت پنکی کو لئے کمرے سے باہر آئی۔اس نے حیرت سے اپنے ساس سسر کو دیکھا۔اور سلام کرنے کے لئے قریب آئی۔

''اسلام علیکم۔!''

''وعلیکم اسلام۔۔ماشاء اللہ کتنی بڑی ہوگئی ہے میری بچی۔۔۔!'' حلیمہ بیگم نے نصرت کو سلام کا جواب دیکر قطعی نظرانداز کر دیا، اور بانہیں پھیلا کر پنکی گود میں اٹھا لیا اور اس کا منہ چومنے کی کوشش کرنے لگیں۔پنکی اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہیں تھی۔اس کی ساڑھے تین سالہ زندگی میں دادا، دادی سے یہ دوسری ملاقات تھی۔جس میں اس کا شعور انہیں یاد رکھنے سے قطعی قاصر تھا۔وہ رشتے میں تو دادا، دادی تھے مگر حقیقت میں اجنبی۔

''لو بھئی ہماری بیٹی تو ہمیں پہچانتی ہی نہیں۔کبھی ہمارا ذکر بھی نہ کیا ہوگا آپ لوگوں نے۔!'' حلیمہ بیگم نے قدرے بیزاری سے کہا۔

پنکی روتی ہوئی اماں کی گود میں سما گئی۔اماں نے اسے پچکارا۔وہ چند ہی لمحوں میں چپ ہوگئی۔

اسی وقت دروازے پر کھٹکھٹاہٹ ہوئی اور پڑوس کی ریحانہ باجی اپنی بچی کی انگلی تھامے اندر داخل ہوئیں۔''چلو بھئی پنکی اسکول چلیں۔۔۔!''

پنکی فوراً ہی اماں کی گود سے نکلی اور ان کی بیٹی ماہم کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس کا بیگ دیکھنے لگی۔اتنی دیر میں نصرت بھی پنکی کا بیگ اور لنچ بکس لے آئی۔ریحانہ باجی پنکی اور ماہم کو لیکر باہر چلی گئیں۔دونوں بچیاں ایک معروف انگریزی اسکول میں نرسری میں زیر تعلیم تھیں۔ریحانہ باجی پنکی کو اپنی بچی کے ساتھ خود لاتی اور لے جاتی تھیں۔

''نصرت بیٹا کچھ چائے وغیرہ لاؤ۔۔۔!'' اماں نے نصرت سے کہا۔وہ جی کہہ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

''تو پڑھنے لگی ہے ہماری پنکی۔۔!'' حلیمہ بیگم نے کہا۔

''جی ہاں پڑھ رہی ہے۔!''

''ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔!'' انہوں نے شکوہ کیا۔

''آپ لوگوں نے رابطہ ہی نہیں رکھا۔ ہم نے تو بہت کوشش کی۔!'' اماں نے کہا۔

''چلئے چھوڑیئے۔'' انہوں نے کہا۔ ''ماضی کو کریدنے سے کیا فائدہ۔ ہمیں تو آج اور آئندہ کی فکر کرنا چاہیے۔'' حلیمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم نصرت اور پنکی کو اپنے گھر لے جائیں۔ ان کے ابو کا کہنا ہے کہ اوپر کے پورشن کو نصرت کے لئے مکمل کروا کے نصرت کو وہاں شفٹ کردیں۔ اور۔۔۔!'' وہ کہتے کہتے رک گئیں۔ اور اپنے شوہر منیر کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ جیسے کہہ رہی ہوں کہ تم بھی تو کچھ کہو۔

''ہاں یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔!'' منیر صاحب نے کھنکھار کے کہنا شروع کیا۔ ''ہم نے سوچا ہے کہ اوپر کا پورشن بنوا کر اس میں نصرت کو شفٹ کردیں اور اگر آپ پسند کریں تو ہم اس رشتے داری میں اضافہ بھی کرسکتے ہیں۔''

اماں نے ان کی بات غور سے سنی۔ اور جواب دیا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اوپر کا پورشن بنوانے میں کتنا عرصہ لگ جائے گا۔؟''

''میرا خیال ہے دو، تین ماہ تو لگ جائیں گے۔!''

''تو ٹھیک ہے جب آپ کا پورشن مکمل ہوجائے تو پھر آپ نصرت کو لے جایئے گا۔ اگر آپ اپنی بہو کو اپنے گھر لیجانا ہی چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!''

''دیکھا میں نا کہتی تھی کہ باجی ضرور ہماری بات مان لیں گی۔!'' حلیمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بڑے فاتحانہ انداز میں میاں کی طرف دیکھا۔ مگر منیر صاحب کا چہرہ سپاٹ تھا۔ غالباً وہ اماں کا جواب سن کر صورتِ حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔

اتنے میں نصرت چائے اور کچھ دیگر لوازمات لئے چائے کی ٹرالی لیکر آ گئی۔

انہوں نے دو شاپرز نصرت کی طرف بڑھائے۔ ''اس میں پنکی کے لئے کچھ کھلونے، کپڑے اور چاکلیٹس ہیں۔!''

نصرت نے اماں کی طرف دیکھا۔

اماں نے کہا۔ ''ارے بہن اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ پنکی کے لئے آپ کی محبت ہی کافی ہے۔''

''بہن محبت تو ہماری ہے مگر محبت کا اظہار بھی تو چاہیے۔!'' حلیمہ بیگم نے کہا۔ اور نصرت سے مخاطب ہو کر بولیں۔ ''چلو نصرت تیاری کرلو تمہاری اماں نے تمہیں جانے کی اجازت دے دی ہے۔ جو سامان لینا ہے وہ لے لو۔!''

نصرت نے حلیمہ بیگم کی بات سن کر اماں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ اماں ہنس پڑیں اور بولیں۔ ''بہن پہلے آپ چائے وغیرہ تو پیجئے۔''

''وہ تو میں پی لونگی۔!'' انہوں نے نصرت کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔ اور دوسرے ہاتھ سے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اٹھالی۔

نصرت نے سسر کو بھی چائے دی اور وہاں سے اٹھ گئی۔ شاپرز کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

انہوں نے جلدی جلدی بڑی بڑی چسکیاں لیکر چائے کا کپ خالی کیا۔ ڈرائی فروٹ کا بڑا سا پھنکا مارا۔اور منہ چلاتے ہوئے بولیں۔''آجاؤ بھئی نصرت چلیں دیر ہورہی ہے۔!''

''لیکن ابھی کیسے جاسکتی ہے نصرت۔؟''اماں نے ان سے پوچھا۔

''کیا مطلب۔؟'' حلیمہ بیگم کا لہجہ تیکھا ہوگیا۔''ابھی تو آپ نے کہا ہے کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!''

''ہاں۔۔مگر پہلے پورشن مکمل ہوجائے،اس میں تو ابھی تین ماہ پڑے ہیں۔!''

''بہن اب شرطیں لگا کر بات نہ خراب کریں۔ہم تو بہو بسانے کی بات کررہے ہیں۔!''۔

''اس میں شرط کاہے کی۔؟''اماں کا لہجہ پرسکون تھا۔''آپ لوگ اچانک ڈیڑھ سال کے بعد آئے۔اپنی مرضی سے بہو کو لینے کے لئے،ڈیڑھ سال میں تو درکنار،آپ نے ابھی بھی نصرت کا حال چال نہیں پوچھا۔خود ہی فیصلہ کیا۔پورشن بنانے کا،بہو کو لے جانے کا۔پہلے پورشن مکمل ہوجائے تو پھر لینے آیئے گا۔!''اماں نے انہیں صاف صاف بتادیا۔

منیر صاحب چپ بیٹھے رہے۔حلیمہ بیگم نے انہیں دیکھا اور بولیں۔''کچھ آپ بھی بولیں گے یا بس میں ہی بولتی رہوں۔؟''

''مم۔۔میں کیا بولوں۔۔۔!''وہ گڑبڑا کے بولے۔''باجی تو وہی کہہ رہی ہیں جو ہم نے کہا۔''

''اے کیا کہہ رہے ہوتم۔!'' حلیمہ بیگم نے تلملا کر کہا۔ان کو توقع نہیں تھی کہ اس نازک موقع پر منیر صاحب یوں مورچہ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔لیکن میاں کو پسپا ہوتے دیکھ کر انہوں نے بھی ہمت چھوڑ دی۔

''اچھا تو باجی ہم چلتے ہیں۔آپ اگر نصرت کو بھیجنا چاہیں تو فون کردیجئے گا۔۔!''وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بالکل۔۔۔!''اماں نے خوش دلی سے مسکرا کے کہا۔''آپ بھی جب پورشن مکمل ہوجائے تو مجھے بتا دیجئے گا۔!''

''اے بہن اب پورشن کو ہماری چڑ نہ بناؤ۔۔!''وہ تنک کر بولیں۔''چلو جی۔۔!''

''نصرت سے نہیں ملیں گی کیا۔؟''میں نے مسکرا کے پوچھا۔مجھے ان کا اس طرح شکستہ ہونا نجانے کیوں بہت اچھا لگا۔

''لو جی سوپ بولے تو بولے،چھلنی بھی بولے جس میں بہتر چھید۔!''انہوں نے طنزاً کہا۔اور بے خیالی میں دونوں شاپرز ہاتھ میں دوبارہ پکڑ لئے اور دروازے کا رخ کیا۔جاتے ہوئے انہوں نے سلام و دعا کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی تھی۔

میں،اماں،نصرت انہیں جاتا ہوا دیکھتے رہے،ان کی بے اعتنائی کے اس مظاہرے کے بعد کسی نے اٹھ کر انہیں دروازے تک رخصت کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

''آج اتنے عرصے کے بعد ان کو کیسے ہماری یاد آگئی اماں۔۔۔؟''نصرت نے حیرت سے کہا۔

''اگر میں یہ پزل حل کردوں تو کیا انعام دوگی۔؟''میں نے ہنس کر پوچھا۔

☆☆☆

مجھے سچ مچ اس سے پیار ہو گیا ہے

''تمہیں کیا معلوم۔؟'' نصرت نے اچنبے سے سوال کیا۔

''یہی تو ہمارا کمال ہے۔!'' میں ہنسا۔

''چلو بتاؤ۔۔؟'' اماں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ سارا مسئلہ اختر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔!''

''یہ اختر کون ہے۔؟'' نصرت نے سوال کیا۔

''تمہیں یاد ہے کہ ہم بنک گئے تھے اور جس کاؤنٹر پر چیک جمع کرایا تھا اس کے برابر والی کھڑکی میں ایک سانولا سا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہی اختر تھا۔ اختر دو تین مرتبہ ریاض بھائی کے ساتھ آ بھی چکا تھا۔ اس نے تمہیں پہچان لیا پھر وہ تمہارے سسرال کے مکان کے ساتھ تیسرا گھر چھوڑ کر رہتا ہے۔ اس نے کیشئر سے معلوم کر لیا ہوگا اور پھر جا کر حلیمہ خالہ کو بتایا ہوگا کہ ریاض بھائی کے واجبات ادا کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے فوراً ہی ادھر کا رخ کیا۔!'' میں نے تفصیلاً انہیں بتایا۔

''پیسوں نے خون اتنے سفید کر دیئے ہیں کہ انسان اخلاقی قدریں بھی بھول گیا ہے۔!'' اماں نے پر تاسف لہجے میں کہا۔ ''کیا ہو گیا ہے زمانے کو۔!''

''اماں زمانے کو کچھ نہیں ہوا۔ ہم پیچھے رہ گئے۔ وہ آگے بڑھ گیا۔!'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔ اور اپنی آنکھوں کو زور سے رگڑ ڈالا۔

''اگر رونا آ رہا ہے تو رو لو۔!'' میں نے کہا۔ ''لیکن طویل زندگی میں قدم قدم پر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ کتنا رو گی۔؟''

''ہاں بیٹا۔۔۔!'' اماں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''زمانہ تو رلاتا ہے۔ بہادر تو وہ ہے جو اپنے معاملات میں ثابت قدم رہے۔ اور کسی سے خوف زدہ نہ ہو۔ ورنہ پھر ساری عمر آدمی اپنے خوف میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اور ساری صلاحیتیں ضائع کر لیتا ہے۔!''

''میرا خیال ہے کہ کچھ کھانا ہو جائے میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔!'' میں نے درمیان میں مداخلت کی۔

مجھے معلوم ہے تھا کہ سمجھنے سمجھانے والی باتوں میں چند لمحوں کے بعد ایسا وقت آنے والا ہے کہ دونوں ماں بیٹیاں رو پڑیں گی ایک دوسرے کو تسلی دلاسے دیتے ہوئے۔

''ارے اس نے تو رات کو کچھ نہیں کھایا تھا۔ ابھی بھی ایک کپ چائے ہی پی ہے۔!'' اماں ہنس دیں۔

''میں لاتی ہوں۔ رات کی کھیر بھی ہے اور صبح میں نے پلاؤ بھی دم کر دیا تھا۔ بس شامی تل کر کھانا لگاتی ہوں۔!''

نصرت بولی اور تیزی سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

''میں چاہتی ہوں کہ نصرت یہ رقم پنکی کے لئے فکسڈ ڈپازٹ کروا دے۔!'' اماں نے نصرت کے جانے کے بعد کہا۔ ''کاروبار تمہارے ماموں دیکھتے رہے ہیں۔ یہ مکان اور گلشن والا پلاٹ میں تم دونوں کے نام تقسیم کر دیتی ہوں تاکہ کل کلاں کوئی جھگڑا نہ ہو۔!'' اماں نے میری طرف دیکھا۔

''خدا کے لئے ایسی باتیں مت کیجئے۔ ہمارا آپ کے سوا کون ہے۔؟'' میں نے انہیں ٹوکا۔

''حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ انسان کے لئے روا نہیں ہے کہ اس کی ملکیت میں کچھ ہو اور وہ تین دن سے زیادہ بے وصیت رہے۔!'' اماں نے نہایت اطمینان سے کہا۔ ''اپنی وصیت مرتب کرنے کے لئے موت کا انتظار کر کے لب مرگ ہونے سے بہتر ہے کہ ہوش و حواس میں ہنسی خوشی شریعت کے احکامات بجا لائے جائیں۔''

اماں کی بات میں ہمیشہ ہی بہت نپی تلی دلیل ہوتی ہے۔ ایسی دلیل کہ جس کا توڑ آسان نہیں ہوتا تھا۔

''تمہارا بتایا ہوا مالش کا نسخہ کارگر ثابت ہوا۔؟'' اماں نے کہا۔ ''میرے پیروں میں درد بھی بہت کم ہو گیا ہے اور جوڑوں میں سوجن بھی کوئی خاص نہیں رہی ہے۔!''

''خدا کا شکر ہے۔!'' میں نے کہا۔ ''بس اچانک یونہی ذہن میں یہ نسخہ آ گیا۔!'' میں نے جواب دیا۔

اماں نے مجھے غور سے دیکھا مگر بولیں کچھ نہیں۔ ذرا دیر میں نصرت نے کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

اشعر کا بار بار فون آ رہا تھا۔ میں واش روم سے آیا تو وہ مسلسل کال پر تھا۔ ''کیا بات ہے کیوں اس قدر بے تاب ہوئے جا رہے ہو۔؟'' میں نے رسمی سلام دعا کے بعد پوچھا۔

''یار سچ تو یہ ہے کہ مجھے سچ مچ اس سے پیار ہو گیا ہے۔ وہ مجھے اچھی لگنے لگی ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔!'' اشعر نے بے پناہ معصومیت سے جواب دیا۔

''اور وہ جو تمہاری منگنی ہوئی تھی پچھلے سال خالہ کے گھر۔؟'' میں نے چلا کر پوچھا۔ ''اس کے لئے بھی تو اتنا ہی مرا جا رہا تھا ان کو کیا جواب دو گے۔؟''

''وہ تو انکار ہو گیا۔!'' اس نے معصومیت سے کہا۔

مجھے اس کی معصومیت میں بھرپور مکاری دکھائی دی۔ اشعر نے انکار کیا اور انہوں نے مان لیا ٹھنڈے پیٹوں ''تیرا

خالو جلاد ہے سچ مچ کا۔ جیلر ہے۔ تجھے کسی بھی جرم میں پھنسوا دے گا بچو۔!'' میں نے متوقع صورت حال کا نقشہ کھینچا۔

''یہ سب نہیں ہوگا۔ الٹا خالو نے مجھ سے معذرت کی، نوشین کو برا بھلا کہا۔ نئی تہذیب کی خامیاں گنوائیں، علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا۔ جنہوں نے نصف صدی قبل ہی نئی تہذیب کے انڈے گندے ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔'' اشعر نے مجھے بتایا۔

''پکی بات ہے تو کمینوں کا راجہ ہے بتا کیا کیا۔؟'' مجھے بے حد دلچسپی ہونے لگی۔

اس نے میرے تبصرے پر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگا کر اسے خراج تحسین پیش کیا اور بولا۔ ''یار ذرا تو یہ بتا کہ اگر میں اپنی منگیتر کو رات تین بجے بے حد نشیلی آواز میں مخاطب کروں اور نوشین کے بجائے ثمرانہ کہوں اور اس کے ساتھ ہنستے ہوئے رنگین لمحوں پر اس کا شکریہ ادا کروں تو وہ کیا کرے گی۔؟''

''وہ سر توڑ دے گی اور نوشین تو آتش فشاں ہے۔ اس کا غصہ تو بہ۔۔۔!'' میں فوراً بولا۔

''بالکل صحیح فرمایا عالی جناب۔ اس نے سر توڑنے کے بجائے منگنی توڑ دی، میرے گھر آ کر اپنی خالہ کے سامنے میرے منہ پر انگوٹھی دے ماری اس ارشاد کے ساتھ کہ میں اس منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ گندی نالی کے کیڑے، گندی نالی میں خوش رہتے ہیں۔ اس کے بعد امی نے خالو کو، خالہ نے امی کو، تینوں نے ایک دوسرے کو بے نقط سنائیں۔ آگ لگی ایسی کہ خرمن دل راکھ ہو گئے۔!'' اشعر نے ایک مصنوعی ٹھنڈی سانس لی۔

میں چپ رہا۔

اشعر نے کہا۔ ''کیا ہوا اس داستان دکھ بھری نے آپ کو ششدر کر دیا۔ حیرانی کا سانپ سونگھ گیا آپ کو، ہوش میں لانے کے لئے لخلخہ سنگھاؤں یا پھر پرانی پشاوری چپل۔!''

''اے مردِ چالاک العصر۔!'' میں نے کہا۔ ''تو عظیم ہے لیکن اس سارے معاملے میں شاہانہ کہاں کیونکر فٹ ہوتی ہے۔؟''

''ہوا یوں کہ جب میرے جلاد خالو کی زوجہ محترمہ یعنی ہماری خالہ فیروزہ نے میری خوبصورتی کو باطن کی بدصورتی کا نام دیا اور ہمارے کرتوتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب جونہی یہ خبر عام ہوگی کہ کیسی نجیب الطرفین فیملی نے از خود ہم سے رشتہ توڑا ہے تو ہم کہیں منہ دکھانے کے لائق رہیں گے اور نہ ہی کوئی ہمیں رشتہ دے گا۔ بعقول شاعرِ نادرا۔ ہم چھین لیں گے تم سے تمہارا شناختی کارڈ۔ تم مانگتے پھرو گے اپنی شناخت ہم سے۔'' ایسے میں، میں نے امی سے ان کا ذکر کیا کہ وہ کیوں پریشان ہوتی ہیں کہ ایک ایسی باعفت، باعصمت، باشرع دوشیزہ اس ناکارہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لینے کو تیار ہے۔ اور اس بندۂ ناچیز کی اصلاح کرے گی اور باپ ہے اس کا شمشیر جنگ وزارت داخلہ کا افسر اعلیٰ جس کی ماتحت آپ کے بہنوئی جیسے پچیسوں آتے ہیں۔ اگر وہ ایک بار جیل کا دورہ کرے تو ایسے افسر کا تو اس کا انتظار کرتے ہوئے پیشاب خطا ہو جاتا ہے۔ تو امی جان بے حد خوش ہوئیں اور لڑکی کے بجائے جملہ کوائف لڑکی کے والد کے حاصل کر کے نہایت شاداں و فرحاں اس رشتے کے لئے بہ نفسِ نفیس جانے کے لئے آج شام پابۂ رکاب ہیں۔ اپنے اس اکلوتے دوست کے ہمراہ کیا تو سعادت حاصل کرے گا چلنے کی ہمارے ساتھ، اور اس راجہ کے محل میں

پدھارنے کے لئے جرات اور ہمت لا سکے گا کہ جس کے لئے لوگ خواب دیکھتے ہیں۔!''

''اچھا تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔!'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔''سچ ہے کہ عشق کہتے ہیں خلل ہے دماغ کا۔جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔! ہم تو آجائیں گے۔آپ کے ساتھ ساتھ پابۂ رکاب ہونے کو۔ دولہا بغیر دم چھلے کے بھلا کہاں اچھا لگے گا۔''

'ٹھیک ہے تو پھر سات بجے تک آجاؤ۔ڈنر وہیں ہے لڑکی والوں کے ہاں۔!'' اشعر نے ایک قہقہہ مارا اور فون بند کر دیا۔

مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن شاہانہ کی اس تیز رفتار پیش قدمی نے مجھے بے حد حیران کر دیا تھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے خیال ہوا کہ اشعر اس کے بعد اپنی آزادی کھو دے گا۔

شادی کے بعد تو ایسا ہی ہوتا ہے۔کہاں آزادی رہتی ہے ذمہ داریاں انسان کو جکڑ لیتی ہیں۔ماں، باپ، بہن بھائی، بیوی بچوں میں انسان تو تقسیم ہوتا ہی ہے۔ میں نے خود اپنے خیال کو رد کرنے کے لئے جواز تراش لیا اور الماری کھول کر شام کے لئے کپڑے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

سات بجے شام جب میں اشعر کے گھر پہنچا تو اس کے والدین بہت خوش تھے۔ مجھے دیکھ کر اس کی اماں بے حد مسکراتے ہوئے لہجے میں بولیں۔''بس تمہارا ہی انتظار تھا ہمیں۔ چلو بیٹھو گاڑی میں اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو۔!'' انہوں نے مجھے حکم دیا۔

''خالہ جان آپ بہت خوش لگ رہی ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''ہاں بیٹا۔۔۔بھلا دیکھو نوشین نے کس بدتمیزی اور نالائقی کا ثبوت دیا۔اب کیا بھرے شہر میں ہمیں اپنے بچے کے لئے رشتہ بھی نہ ملے گا۔ایسا بھی لڑکیوں کا کال نہیں پڑا۔ پھر میرا بچہ تو ہیرا ہے ہیرا۔!'' انہوں نے بڑے فخر سے اپنے لمبے چوڑے بے تحاشا خوبصورت بیٹے کو سیڑھیاں اترتے دیکھا۔

''آ گئے نواب صاحب اتنی دیر لگا دی۔!'' اشعر نے سیڑھیاں اترتے ہوئے آواز لگائی۔

''میں تو وقت پر آ گیا ہوں دیکھو سات بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔تمہیں ہر منٹ سال لگ رہا ہے۔!''

''صحیح کہہ رہا ہے ارسل۔!'' مجھے اشعر کے والد نفیس مرزا کی آواز آئی۔''جب ہم تمہاری امی کے سسرال گئے تھے تو ہماری بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔!''

''کیا ہو گیا ہے آپکو، بچوں کے سامنے اناپ شناپ بکے جا رہے ہیں۔!'' اشعر کی امی کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

اشعر کے ابو نے ایک قہقہہ لگایا۔''بیگم اپنے جذبات اپنے بچوں سے شیئر کرنے چاہئیں، اب یہ بھی بڑے ہو گئے ہیں۔یہ کنارے لگیں تو ہمیں بھی آزادی ملے۔!'' ان کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔

اشعر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، اشعر کے والدین پیچھے بیٹھ گئے۔نوکروں نے مٹھائی اور کچھ دیگر لوازمات

سے ڈگی بھردی اور چند ہی لمحوں میں ہم لوگ شاہانہ کے گھر والوں کی طرف روانہ ہوگئے۔

شاہانہ کا گھر معروف سوسائٹی میں واقع تھا۔ ان کا بنگلہ دو ہزار گز پر بنا ہوا تھا۔ بے حد خوبصورت عالی شان۔ گیٹ پر شاہانہ ولا کی جگمگاتی پلیٹ لگی تھی۔

''غالباً شاہانہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔!'' میں نے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''اتنی بڑی کوٹھی اگر بیٹی کے نام سے آباد کی جائے۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ بے حد لاڈلی اور اکلوتی ہے۔ ورنہ عموماً لوگ بیٹیوں کے نام پر گھر کہاں منسوب کرتے ہیں۔!'' میں نے جواب دیا اور اشعر کی طرف جھک کر کہا۔ ''اکلوتی لاڈلی نے ہی ضد کر کے اپنی منوائی ہوگی تم دیکھ لینا۔!''

اشعر نے جواب نہیں دیا۔ مگر اس کے والد نفیس مرزا نے کہا۔ ''ارسل کا مشاہدہ بہت زبردست ہے۔!''

گاڑی وسیع وعریض بنگلے کے کارپورچ میں داخل ہوگئی۔ گاڑی کے داخل ہوتے ہی غالباً گیٹ سے اندر اطلاع کردی گئی تھی کیونکہ ہمارے پورچ میں پہنچتے ہوئے شاہانہ کے والدین صدر دروازے پر استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔

چاروں ہی دروازے چار مستعد ملازمین نے کھولے، اشعر اور میں باہر نکلے، شاہانہ کے والدین کی نگاہ جب اشعر پر پڑی تو ان کے چہروں پر بے حد خوشگوار تاثر نظر آیا۔ اشعر کی خوبصورتی نے انہیں متاثر کرلیا تھا۔ وہ تھا ہی اس قدر خوبصورت۔

ان سب نے بے حد تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ شاہانہ کے والد شمشیر جنگ قاعدے قانون میں جکڑے ایک ایسے افسر تھے کہ جہاں نظر ہی قانون ہوتی ہے۔ اور ان کا رعب و دبدبہ وہاں ہر شخص پر نظر آیا۔ تعارف کے رسمی مرحلے سے گزر کر جب ہم لوگ مرکزی ہال میں پہنچے تو وہاں تقریباً بیس پچیس افراد جمع تھے۔ جو غالباً ان کی اپنی ہی قریبی فیملی کے لوگ تھے۔ کیونکہ ان کی گفتگو کی میں جو بے تکلفی اور بے ساختگی تھی وہ قریبی رشتوں کا ہی پتا دیتی تھی۔ خود نفیس مرزا بھی شہر کی ایک معروف کاروباری شخصیت بن چکے تھے۔ بہت سے لوگ ان سے ملے تو نہیں مگر ان کے نام سے شناسا ضرور تھے۔

تھوڑی دیر تک دیگر لوگوں سے رسمی علیک سلیک، تعارف کا مرحلہ چلتا رہا۔ پھر شمشیر جنگ نے نفیس مرزا کی طرف دیکھا۔ نفیس مرزا ان کا مدعا سمجھ گئے۔ چنانچہ وہ بولے۔ ''گو ہم لوگ بظاہر تو اجنبی ہیں لیکن ناموں کے اعتبار سے شناسا ضرور ہیں اور شناسائی قربت اور پھر رشتے داری میں ڈھل جاتی ہے۔ میں آج اپنے بیٹے اشعر مرزا کا رشتہ آپ کی صاحبزادی سے کرنے کی خواہش لئے حاضر ہوا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ اگر دونوں خاندان یکجا ہوجائیں تو اس میں ہماری عزت افزائی ہوگی۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔

شمشیر جنگ بولے۔ ''بات یہ ہے کہ اب نئی نسل کا دور ہے۔ اگر بچے اخلاقی حدود میں رہ کر اپنی خواہش والدین سے بیان کریں تو پھر والدین پر بھی فرض ہے کہ وہ کوشش کریں کہ اپنے بچوں کی آرزوئیں پورا کریں۔ لہٰذا میں آپ

سب کی تائید سے اس رشتے کو منظور کرتا ہوں۔!''

ان کی بات سن کر سب تالیاں بجانے لگے۔ میں نے دیکھا کہ اشعر کا چہرہ خوشی و مسرت سے دمک رہا تھا۔

اتنی دیر میں کچھ خواتین اور لڑکیاں شاہانہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر ہال میں داخل ہوئیں۔ تمام مہمانوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ خواتین نے شاہانہ کو لا کر اشعر کے پہلو میں بٹھا دیا۔

اشعر کے والد نے جیب سے ایک بے حد خوبصورت انگوٹھی نکالی اور شاہانہ کے والدین کی طرف دیکھ کر بولے۔

''اگر اجازت ہو تو پہنا دوں۔؟''

''جی ضرور۔۔۔!'' شاہانہ کی والدہ نے کہا۔

اشعر کے والدین نے مل کر شاہانہ کو انگوٹھی پہنائی اور پھر اشعر کو شاہانہ کے والدین نے انگوٹھی پہنائی۔ اور یوں رشتہ مانگنے کی یہ رسم ایک باضابطہ منگنی میں ڈھل گئی۔ سب لوگ مبارک سلامت کرنے لگے۔ شاہانہ کے والد کے اشارے پر ملازمین نے ایک میز لا کر سائڈ پر رکھ دی۔ اس پر کئی لوگوں نے لائے ہوئے اپنے گفٹ رکھنا شروع کر دیئے۔ کچھ لفافے شاہانہ کو دیئے گئے اور کچھ لفافے اشعر کو دیئے گئے۔ یہ اہتمام بتا رہا تھا کہ وہ سب ذہنی طور پر منگنی کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے۔

لیکن اشعر کے والدین کو اس حد تک اہتمام کا اندازہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی جہاندیدہ نفیس مرزا نے صورت حال کو خاصی حد تک سنبھال لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد کھانے کی اطلاع آ گئی۔

وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل پر سلیقے سے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ایک میز بالکل علیحدہ لگائی گئی تھی۔ اس میز پر بے حد خوبصورت پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا۔ دریچے کے ساتھ لگی ہوئی اس ٹیبل کو بہت نزاکت سے جارجٹ کے پردوں سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ میں نے اشعر سے کہا۔ ''اشعر یہ جگہ تمہارے اور شاہانہ کے لئے مخصوص کی گئی ہے تاکہ تم دونوں اطمینان اور سکون سے کھانا کھا سکو۔۔!''

''ہاں لگ تو مجھے بھی رہا ہے۔ مگر یار یہ شاہانہ کے گھر والے کچھ زیادہ ہی پھرتیلے نہیں لگ رہے۔؟''

جب اوکھلی میں دیا سر تو موصلوں کا کیا ڈر۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''چڑھ جا بچہ سولی پر رام بھلی کرے گا۔!''

اتنی دیر میں ایک مودب بیرے نے آ کر کہا۔ آپ کی نشست دوسری جگہ ہے۔ اس نے اس طرف اشارہ کیا جہاں ہم نے وہ میز لگی دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شاہانہ بھی آتی ہوئی دکھائی دی۔ ایک سہیلی اس کو میز پر پہنچا رہی تھی۔

''چلو میں تمہیں وہاں چھوڑ دوں۔!'' میں نے اشعر سے کہا اور میں اس کو لیکر وہاں پہنچ گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ دونوں باتیں بھی کریں اور کھانا بھی کھائیں سکون اور اطمینان سے۔!''

میں نے اشعر کو بٹھایا۔ شاہانہ نے مسکرا کے میری طرف دیکھا۔ ''آپ کا شکریہ۔ آپ نے انہیں کمپنی دی ورنہ یہ آج اکیلے رہ جاتے۔!''

''اکیلے کیسے رہ جاتے اب آپ ہی ان کی کمپنی ہیں۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''لیکن آپ کہاں واپس جا رہے ہیں، یہیں بیٹھیں کیوں اشعر۔؟'' شاہانہ نے اشعر کی دیکھا۔

''بالکل۔!'' اشعر نے جواب دیا۔''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔!''

''کیسی غیریت کی باتیں کر رہے ہو۔؟'' اشعر نے مجھے ہلکی آواز میں ٹوکا۔تمہارے علاوہ میرا کوئی ایسا دوست ہے جو میرے ساتھ اتنا منسلک ہو، اتنا قریب ہو۔؟''

''لگتا ہے آپ کو اپنے دوست سے بہت پیار ہے۔؟'' شاہانہ نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے اشعر سے کہا۔

''ہاں۔۔!'' اشعر نے جواب دیا۔''یہ میرے بچپن کا دوست ہے۔ہم ایک ہی محلے، ایک ہی اسکول سے ساتھ ساتھ پڑھے ہیں۔ہم نے ہرا چھا برا وقت ساتھ گزارا ہے۔اور تمہیں معلوم ہے۔؟'' اچانک ہی اشعر کا لہجہ محبت اور بے تکلفی کے رس میں بھیگنے لگا۔

''جب میں سچ مچ تمہاری محبت میں مبتلا ہو گیا۔تمہارے نمبر ڈھونڈتا تھا۔تم اپنی سم بدل لیتی تھیں۔تب اس جذباتی کیفیت میں مجھے اسی نے سہارا دیا تھا۔پھر جب ایک دن میں بہت مایوس ہو گیا تھا تو اس نے مجھے کہا کہ دیکھ لینا شاہانہ تم سے سالگرہ کے دن ضرور رابطہ کرے گی اور ایسا ہی ہوا۔تمہاری جانب سے پہلا رابطہ میری سالگرہ کے دن ہی ہوا۔!''

''اچھا۔۔۔؟'' شاہانہ کا لہجہ بے حد حیرانی بھرا تھا۔''کمال ہے۔!''

☆☆☆

''میری باتیں چھوڑو، اپنی باتیں کرو۔!'' مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ان کی منگنی کے دن میں ان کی گفتگو کا موضوع تھا۔مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''شائد آپ ہمارے ساتھ جھجک رہے ہیں۔!'' شاہانہ نے درست اندازہ لگایا تھا۔

''سچ تو یہی ہے کہ اس وقت میں آپ دونوں کے درمیان خود کو ہڈی محسوس کر رہا ہوں۔!'' میں نے سچائی سے اعتراف کیا۔

''پھر کیا چاہتے ہو۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''میرا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔میں کولڈ ڈرنک لونگا۔اور اگر اجازت دیں تو ذرا لان میں بیٹھ جاؤں۔!'' میں نے کہا۔اور شاہانہ کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

شاہانہ نے سر ہلایا اور ویٹر کو بلایا۔جو چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا کہ مبادا کسی شئے کی ضرورت پڑے تو وہ فوراً حاضر کرے۔وہ فوراً ہی قریب پہنچ کر مودب ہو گیا۔

شاہانہ نے کہا۔''صاحب کو لان میں لے جاؤ اور کولڈ ڈرنک اور لائٹ سرو کرو۔!''

''جی بہتر۔!'' اس نے سر کو خم کیا۔اور چند قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو کر میرا منتظر ہو گیا۔میں اٹھ گیا اور اس کی معیت میں چلنے لگا۔چند ہی قدموں کا فاصلہ طے کر کے دائیں جانب مڑ کر ہم لان میں نکل آئے۔وہاں ایک فوارے

کے پاس ایک میز کرسی لگی تھی، جس پر کولڈ ڈرنک، جوسز، اور ڈرائی فروٹ کے ساتھ ساتھ تلی ہوئی مچھلی، اور شامی کباب اور چکن وغیرہ موجود تھا، مجھے حیرانی نہیں ہوئی، جس قسم کا ان کا ماحول تھا ان میں ان کی پھرتی، سلیقہ مندی ہی کام آتی تھی۔ جب میں کرسی پر بیٹھ گیا تو اس نے ایک چھوٹی سی تپائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سر اس میں سگریٹ اور سگار ہیں۔ آپ اگر کوئی خاص برانڈ پیتے ہیں تو بتا دیجئے، ویسے اس میں روتھ مین، گولڈ لیف، ٹرپل فائیو ہیں۔ مزید کوئی خواہش ہو تو اس بٹن کو دبا دیجئے گا میں حاضر ہو جاؤں گا، ویسے میں تھوڑی دور ہی ہوں۔!'' اس کے لہجے میں بے حد نرمی اور اطاعت شعاری کا عنصر نمایاں تھا۔

''شکریہ۔۔۔!'' میں نے کہا۔ وہ سر کو خم دیکر دبے قدموں چلتا ہوا ملگجے اندھیرے کا حصہ ہو گیا۔ میں نے کولڈ ڈرنک گلاس میں ڈالی اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔

پتہ نہیں کیوں اچانک شدید بوریت کے احساس نے مجھے گھیر لیا حالانکہ یہ میرے عزیز ترین دوست کی منگنی کی شام تھی۔ لیکن پتہ نہیں بالکل اچانک کیوں اندر کے موسم خزاں رسیدہ ہو جاتے ہیں۔ لمحوں میں کیفیت بدل جاتی ہے۔ مجھے الجھن ہونے لگی میں اٹھا اور ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کب تک پیدل چلتا رہا۔

اچانک میرے موبائل کی بیل گونج اٹھی۔ میں نے دیکھا اشعر کا نمبر اسکرین پر تھا۔ میں نے فون آن کیا۔

''کدھر ہو تم۔؟'' وہ تیزی سے بولا ''کہاں ہو؟ سب خیریت تو ہے نا۔ بہت پریشان ہوں میں۔''

''میں بے خیالی میں باہر آ گیا تھا۔ بور ہونے لگا تھا تو گھر چلا آیا۔'' میں نے فوراً ہی بہانہ تراشا۔ اشعر میری عادت سے واقف تھا کہ اگر میرا موڈ نہ ہو تو پھر میں کہیں ٹھہرتا نہیں۔

''اچھا مگر بتا کر تو جاتے۔ سب ہی انتظار کر رہے تھے۔'' اشعر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں نے چونک کر گھڑی دیکھی رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ سڑکیں اور فٹ پاتھ ویران ہو رہے تھے۔ میں نے ایک نزدیک آتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ دیا۔ ٹیکسی رک گئی۔ میں نے اسے گھر کا پتا بتایا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں گھر آ گیا میں نے ٹیکسی والے کو فارغ کیا اور دروازے پر بیل دی۔ فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ اماں تھیں۔

''بہت دیر کر دی بیٹا۔؟'' اماں نے پیار سے کہا۔

''اماں وہ خالی رشتے کے بجائے منگنی کی تقریب بن گئی تھی۔!'' میں نے جواب دیا۔ ''اس لئے دیر ہو گئی۔''

''اللہ تعالیٰ مبارک کرے نصیب اچھا کرے اور سب خوش و خرم رہیں۔!'' اماں نے جواب دیا۔

''نصرت سو گئی کیا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ارے نہیں۔۔! وہ چائے بنا رہی ہے ہم دونوں باتیں کر رہے تھے۔ تمہارے انتظار میں، پھر نصرت نے کہا کہ میں آپ کو دارچینی کی چائے بنا کر پلاتی ہوں تم بھی پیو گے۔؟'' اماں نے پوچھا۔

''جی بالکل۔!'' میں نے جواب دیا اور کہا۔ ''کپڑے بدل کر آپ ہی کے کمرے میں آ جاتا ہوں۔!'' اماں سر ہلا کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔ میں کمرے میں کپڑے بدلنے لگا۔ کپڑے بدل کر واش روم سے ہو کر میں اماں کے کمرے میں آیا تو نصرت گرم گرم چائے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کو بھی میں نے منگنی کے متعلق بتایا۔ وہ بہت

خوش ہوئی۔

باتوں باتوں میں کافی دیر ہوگئی۔ اماں کو تہجد کے لئے اٹھنا تھا۔ اس لئے ہم دونوں اماں سے اجازت لے کر اپنے اپنے کمروں میں آ گئے۔

میں اپنے بستر پر لیٹا تو میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ میں نے کروٹ لی اور آج کی شام کے متعلق سوچنے لگا۔ کتنی عجیب وغریب سی زندگی ہے۔ بعض فیصلے کتنی تیزی سے ہوجاتے ہیں کہاں اشعر کے ساتھ شاہانہ کا بے نیازی کا رویہ اور کہاں آج انہوں نے ایک نئے سفر اہتمام کرلیا۔ اپنے بڑوں کی خوشی اور رضامندی سے۔ ایک دن تھا جب اشعر نوشین کے لئے پاگل ہوجارہا تھا اور آج شاہانہ اس کی جگہ لے چکی تھی واقعی سچ ہے کہ انسان سوچتا کچھ اور ہے بلکہ کرتا کچھ اور ہے مگر مقدر کا طاقتور ہاتھ اس کو مہرے کی طرح ادھر سے اُدھر اٹھا کر رکھا دیتا ہے۔ لیٹے لیٹے میں نے ہاتھ بڑھایا اور تکیہ اٹھالیا اور اس کو آنکھوں پر رکھ لیا۔ کمرے میں نیلگوں لائٹ والا نائب بلب جل رہا تھا مگر جب میں نے تکیہ آنکھوں پر رکھا تو جیسے پورا کمرہ تاریک ہوگیا۔

میں نیند کی وادی میں اترنے لگا تب جیسے اچانک ہی وہی خواب شروع ہوگیا۔

نیلگوں روشنی۔ سکون وطمانیت۔

''کیسے ہوارسل۔۔۔؟'' اسکی دل کش آواز نے میرے اندر بے پناہ مسرت بھردی۔

''تم آ گئیں۔۔۔؟'' میرا دل خوشی ومسرت سے دھڑکنے لگا۔

''تم یاد کرو گے، تم بلاؤ گے، تم انتظار کرو گے تو میں کیوں نہ آؤں گی۔!'' اس کی آواز میں بلا کی محبوبیت تھی۔

''تم آتی ہو تو جانے کا خوف ستانے لگتا ہے۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''چلو اب نہیں جاؤ نگی۔'' اس کی مخصوص کھنکتی ہوئی آواز گونجی۔

ہم باتوں میں مصروف ہوگئے وہ قصے، وہ کہانیاں جواب تک ان کہی تھیں۔

☆☆☆

میں اشعر کے گھر سے واپس آیا تو دیکھا اماں اور نصرت بہت خوش لگ رہی تھیں۔ میں نے اماں کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کیا خزانہ ہاتھ لگ گیا۔؟''

''سمجھو خزانہ ہی ہاتھ لگ گیا۔!'' اماں نے کہا۔ ان کے لہجے میں بھرپور خوشی کا تاثر تھا۔

''یوں سمجھ لو کہ آج ہماری تلاش ہی ختم ہوگئی۔!'' نصرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پانی کا گلاس مجھے پکڑایا۔

''اچھا بھئی معاملے کو اس قدر پراسرار نہ بنائیں کچھ بتائیں تو سہی آپ لوگ۔!'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''بتائیں گے کیا۔؟ کل دکھائیں گے تم کو بھیا۔!'' نصرت نے جواب دیا۔ ''ارسل بات یہ ہے کہ آج ہم لوگ مارکیٹ گئے تھے، کچھ پنکی کے کپڑے اور کچھ گھریلو چیزیں لینی تھیں۔ وہاں مارکیٹ میں اماں کی برسوں پرانی سہیلی فرخندہ آنٹی مل گئیں۔ وہ پچھلے دنوں ہی وطن واپس آئی ہیں۔ اماں کا مانو جیسے بچپن ہی لوٹ آیا۔!'' نصرت نے بتایا۔

''ہاں بیٹا!'' امی نے مسکرا کے کہا۔ ''فرخندہ میری بچپن کی سہیلی ہے۔ ہم نے اکٹھا ہی گریجویشن کیا۔ پھر وہ

شادی ہو کر مانچسٹر چلی گئی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی آئی ہے اور۔۔!'' امی ذرا رکیں اور نصرت کی طرف دیکھ کر بولیں۔ ''سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس کی ایک بہت پیاری بیٹی ہے۔ اکلوتی بیٹی، یوں ہمارا بچپن کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔!''

''بچپن کا وعدہ۔۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔''ایسا کیا وعدہ تھا جو آپ لوگوں نے بچپن میں کیا تھا۔؟''

''دراصل جب ہم میٹرک میں تھے تب ہی ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم اپنے ایک ،ایک بچے کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کریں گے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ وعدہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر تمہاری خواہش جاننا بھی ضروری ہے۔!''

اماں کی بات سن کر میرا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔

☆☆☆

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

بے نیاز ہے وہ اپنے آپ سے

''الٰہی خیر یہ تمہیں کیا ہو گیا۔؟'' اماں میری طرف لپکیں۔

''کچھ نہیں۔۔'' میں نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ارے اماں آپ دیکھئے گا، مہوش کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔ کیا فرصت میں بنایا ہے اسے اللہ میاں نے۔ ماشاء اللہ۔!'' نصرت نے بڑی شوخی سے کہا۔

میں نے ان کے پر مسرت چہروں کی طرف دیکھا۔ جہاں خوشی اور مسرت رقص کر رہی تھی۔ جبکہ میرے ذہن میں شادی کا دور دور تک نہ کوئی ارادہ تھا نہ منصوبہ ابھی تو میں نے تعلیم کے بعد کیریئر بھی شروع نہیں کیا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا۔!'' اماں نے نرمی سے پوچھا۔ ''کوئی بات ہے تو بتا دو، میں اپنے وعدہ نبھانے کی قیمت پر تمہاری خوشیاں نہیں چھیننا چاہتی۔!''

''اماں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس ایسے ہی پتا نہیں کیوں گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔!'' میں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے۔!'' اماں نے ایک گہری سانس لی۔ ''میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا میرا مان ضرور رکھے گا۔!''

''میں ذرا کپڑے بدل لوں۔!'' میں نے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ نصرت نے شائد میری بات سن لی تھی۔ وہ کچن سے ہی بولی۔ ''میں چائے لا رہی ہوں۔ اگر سونا ہے تو پھر چائے نہ لاؤں۔؟''

''لے آؤ۔ ابھی نیند کہاں آ رہی ہے۔!'' میں نے کہا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

میں نے جوتے اتارے اور ویسے ہی بیڈ پر دراز ہو گیا۔ ''مہوش''۔ میں نے نام دوہرایا۔ پتا نہیں کیا ہو گی۔ کیسی ہو گی۔ کتنی خواہشوں، آرزوؤں، امنگوں اور آدرشوں سے لبریز ہو گی اس کی زندگی۔

''بھیا۔۔۔!'' نصرت نے آہستہ سے مجھے پکارا۔ وہ چائے لیکر اندر آئی تھی۔ اور اب کپ تھامے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''آ جاؤ۔۔!'' میں اٹھ بیٹھا۔

وہ میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ چائے کا کپ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔''بھیا۔!'' اس نے مجھے مخاطب کیا۔''ایک بات پوچھوں سچ سچ بتاؤ گے۔؟''

''تم سے چھپانے والی کوئی بات نہیں۔!'' میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان دوستوں والی بے تکلفی تھی۔ اس لئے گفتگو میں ہم حفظ مراتب کا خیال کم ہی رکھتے تھے۔''کیا پوچھنا چاہتی ہو۔؟''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تم پریشان ہو۔؟'' اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔''یہ سچ ہے یا نہیں۔؟''

''ہاں۔۔ پریشان تو میں ہوں۔!'' میں نے تسلیم کیا۔

''اور اس پریشانی کی کیا وجہ ہے؟۔گھر میں کچھ عجیب سے معاملات ہو رہے ہیں۔تمہارا رویہ بہت مختلف ہو گیا ہے۔کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' نصرت نے حالات کا تجزیہ کیا۔

''ابھی کچھ میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے۔ کچھ الجھنیں ہیں جو اگر میری سمجھ میں آ گئیں تو تم کو بھی سمجھا دونگا۔!''

''ایک بات کہوں اگر تم برا نہ مانو، بلکہ اگر تم مذاق نہ اڑاؤ۔!'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔

''ایسی کیا بات ہے بھلا کہ جس میں مذاق اڑانے کی نوبت آ جائے۔؟'' میں نے ہنس کر کہا اور چائے کا ایک گھونٹ لیا۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ۔۔!'' وہ ذرا رک کے بولی۔''مجھے لگتا ہے کہ تمہارے ساتھ کچھ آسیبی معاملات ہیں۔!''

''آسیبی معاملات۔۔!'' مجھے سچ مچ ہنسی آ گئی۔

نصرت فوراً بولی۔'' دیکھا میں نا کہتی تھی کہ تم اس کو مذاق سمجھو گے۔!''

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔!'' میں نے کہا۔''بعض اوقات اگر کچھ سمجھ میں نہ آئے تو وہ بھی آسیبی معاملہ لگتا ہے۔اس لئے فی الحال تم اس کھوج میں نہ پڑو۔!'' میں نے بظاہر مذاق میں بات ٹالنے کی کوشش کی۔

''کیا بات ہے۔؟ کس سوچ میں پڑ گئے۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''چائے بہت مزے کی ہے۔!'' میں نے اس کا دھیان دوسری طرف کرنے کی کوشش کی۔

''اب ایک اور چائے بنانے والی آ رہی ہے۔ انشاء اللہ۔!'' نصرت مسکراتے ہوئے بولی۔''سچ بھیا۔ جیسی بھاوج کی میں نے تمنا کی تھی۔ میں تمہیں دیکھتی تھی تو سوچتی تھی کہ میرے سورج جیسے بھیا کے لئے کوئی چاند جیسی لڑکی مل جائے۔ اللہ نے ایسی ہی لڑکی دے دی۔فرخندہ آنٹی کو شائد اللہ نے اسی لئے اپنے ملک واپس بھیج دیا۔اتنی حسین اور اتنی سادہ، یوں جیسے کہ اسے اپنے حسن کا احساس نہیں۔ بالکل تمہاری طرح بے نیاز ہے وہ اپنے آپ سے۔!'' نصرت کے لہجے میں بڑا پیار تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس کا دھیان پوری طرح بٹ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔تھوڑی دیر بعد نصرت چائے کی خالی پیالی لیکر واپس چلی گئی۔اور میں نائٹ بلب جلا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

جب میری آنکھ کھلی تو دھوپ خاصی چڑھ آئی تھی۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو نصرت دو تین کام والیوں کو اپنے ساتھ لگائے گھر بھر کی صفائی میں لگی تھی۔

''کیا بات ہے کیا عید آرہی ہے۔؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''ارے بھیا اٹھ گئے۔!'' نصرت نے اپنا کام چھوڑ کر میری طرف دیکھا۔''منہ ہاتھ دھولو، میں چائے لیکر آتی ہوں۔!''

''میں بالکل فریش ہوں لیکن یہ تم نے کھڑاگ پھیلایا ہوا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''سارے گھر کی صفائی کروا رہی ہوں۔اتنے برسوں کے بعد تو کوئی خوشی آرہی ہے گھر میں۔!'' نصرت نے شوخی سے کہا۔

''کونسی خوشی۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔''کوئی خاص مہمان آرہے ہیں کیا۔؟''

''لو بے دھیانی تو تم پر ختم ہے۔!'' نصرت ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔''کل رات میں ہی تو بتایا تھا کہ فرخندہ آنٹی آرہی ہیں۔اماں کی دوست۔!'' وہ ذومعنی انداز میں مسکرائی۔''بن رہے ہو یا سچ مچ یاد نہیں۔؟''

''مجھے بننے کی کیا ضرورت ہے۔؟'' میں نے کہا۔''مجھے واقعی یاد نہیں۔!''

''یہ اماں اور پنکی کہاں ہیں نظر نہیں آرہی ہیں۔؟'' میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔

''اماں اور پنکی مارکیٹ گئے ہیں ذرا سودا لینے۔!'' نصرت نے بتایا۔''طاہر آیا تھا۔تم سو رہے تھے تو اماں اس کے ساتھ چلی گئیں۔!''

طاہر وہ لڑکا تھا جس کو اماں نے بچپن میں قرآن شریف پڑھایا تھا۔اس کے بعد اس نے موٹر مینکینک کا کام سیکھا۔ بہت سعادت مند لڑکا تھا۔اور اماں کو بالکل اپنی سگی ماں کی طرح پیار کرتا تھا۔ پہلے ہمارے محلے میں رہتا تھا۔اس کے والد کسی محکمے میں ہیڈ کلرک تھے۔اس کی ماں کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ وہ اماں سے بہت ہلا ہوا تھا۔اب ماشاء اللہ ایک خوشحال زندگی گزارنے کے باوجود وہ اماں سے آکر ایسے ہی ملتا تھا کہ جیسے ان کا کوئی سگا بیٹا۔ بعض رشتے بھی دلوں میں بہت انجانے سے گھر کر جاتے ہیں اور پھر خود بہ خود بڑھتے پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ یہ محبتیں بھی اپنے اندر کس قدر عجیب ہوتی ہیں۔نجانے کتنے زاویوں سے زندگی میں رنگ و روشنی بھرتی رہتی ہیں۔

''کیا ہوا کہاں کھو گئے۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''کہیں نہیں۔!'' میں نے جواب دیا اور اماں کے تخت پر بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر میں نصرت چائے لے آئی اور مجھے دے کر اپنے کام میں لگ گئی۔

سارا دن نصرت اسی طرح کام میں لگی رہی۔ ساتھ ساتھ اس کے کچن کے معاملات بھی چلتے رہے۔ امی اور پنکی

بھی مارکیٹ سے واپس آ گئیں۔ طاہر باہر ہی سے چلا گیا تھا۔ گھر میں سب ہی مصروف تھے۔ اماں کے چہرے پر میں نے بہت عرصے کے بعد ایک خوشی، ایک مسرت دیکھی تھی۔

پنکی میرے ساتھ کھیل رہی تھی۔ زکام کی وجہ سے وہ اسکول نہیں گئی تھی۔ میں پنکی کے ساتھ مصروف رہا۔ گاہے بگاہے مجھے اشعر کا خیال بھی آیا۔ لیکن اس وقت گھر سے نکلنا اماں اور نصرت دونوں کو ناراض کرنے کے مترادف تھا۔ نصرت نے مجھے رات ہی وارننگ دے دی تھی کہ خبردار جو تم نے کل قدم بھی گھر سے باہر نکالا۔ شائد اسی وجہ سے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ مارکیٹ بھی نہ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے دونوں کے وسوسوں کا خیال آ کر ہنسی آ گئی۔

''کیوں اکیلے اکیلے ہنس رہے ہو۔؟'' نصرت نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا وہ گھر کی صفائی ستھرائی کے بعد نہا دھو کر بڑی تر و تازہ لگ رہی تھی۔

''کیا بات ہے بڑی تیار نظر آ رہی ہو۔؟'' میں نے کہا۔

''لو بھلا تیار بھی نہ ہوں میں۔؟'' نصرت نے مصنوعی نخرے سے کہا۔ ''آخر آج اس گھر میں اتنے اہم مہمان آ رہے ہیں۔ ان پر اچھا تاثر پڑنا چاہیے۔!''

''اچھا۔۔!'' میں نے پوچھا۔ ''مثلاً کس قسم کا اچھا تاثر۔ گا بجا کر استقبال کیا جائے۔ پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جائیں، رنگ و خوشبو کا اہتمام کیا جائے خدام کی ایک لائن لگا دی جائے اور۔۔!''

''بس۔۔بس۔۔!'' نصرت نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بھیا جی اتنی جلدی یہ خواب نہ دیکھو، ہوگا سب ایسے ہی، مگر ذرا ٹھہر کے۔!''

''نصرت۔!'' میں نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ ''میں اتنی دور تک نہیں سوچ رہا۔ تم سوچ رہی ہو۔ ابھی انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ آخر ان کے بھی کچھ معیارات ہونگے۔ ان کی بیٹی کا بھی اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ، کوئی خواب ہوگا۔ ملنے کے بعد فیصلہ کرنے کے وقت تک بہت ساری تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ اتنی دور تک نہ جاؤ کہ پھر واپسی میں دکھ اٹھانا پڑیں۔!''

''بھیا۔۔۔!'' نصرت نے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم تو ہمارے ساتھ اس فیصلے میں شامل ہونا۔؟ اگر تم ہاں کا فیصلہ کر لو تو پھر سمجھ لو کہ ناممکن، ممکن ہو سکتا ہے۔!''

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس طرح اچانک لڑکی پسند کرنے کے متعلق تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ میں نے یہی نصرت سے کہا۔

نصرت بولی۔ ''بھیا شادی کے فیصلے آسمانوں میں ہوتے ہیں۔ عمل درآمد نیچے یعنی زمین پر ہوتا ہے۔ رشتے ناطے یونہی آناً فاناً طے ہوتے ہیں۔ میری شادی یاد نہیں، ان کی امی نے میلاد میں دیکھا تھا اور دوسرے دن رشتہ مانگنے چلی آئیں تھیں۔'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اب یہ رونے کا وقت ہے بھلا۔؟'' میں نے اسے ٹوکا۔

''میں اپنی قسمت پر نہیں روتی، لیکن میں بدنصیب اپنی مثال اس خوشی کے موقع پر کیوں دوں۔!''

''یہ کیا بکواس ہے۔؟'' میں نے غصے سے اسے جھڑکا۔''کون کہتا ہے کہ تم بدنصیب ہو۔ بدنصیب تو وہ ہوتا ہے جو ناشکرا ہوتا ہے۔ حادثات کس کی زندگی میں نہیں ہوتے۔ کتنے ہی لوگ مختلف حادثوں میں المیوں سے گزرتے ہیں۔ مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ بدنصیب ہوتے ہیں۔!''

''یہ تمہاری محبت ہے بھیا۔!'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔''لیکن تسلی اور دلاسوں سے حقائق تو نہیں بدل جاتے۔!'' وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ یوں لگا کہ جیسے اچانک سارا ماحول سوگوار ہوگیا ہو۔

اسی وقت امی کمرے میں داخل ہوئیں۔''کیا بات ہے۔ کیا نصرت سے لڑائی ہوگئی۔؟''

''نہیں۔۔!'' میں نے انہیں بتایا۔''ایسے نصرت کو کچھ بیتی ہوئی باتیں یاد آگئی تھیں۔!''

''خوشی ہو یا غم۔!'' امی نے کہا۔''جب بھی کچھ ایسا ہوتا ہے تو پھر ہمیں اپنی زندگی سے مماثلتیں یاد آجاتی ہیں۔ خصوصاً شادی بیاہ، بچوں کی خوشیاں۔!''

''چلیں ذرا نصرت سے گپ شپ کرلیں اس کا دل بہل جائے گا۔!''

''رہنے دو تھوڑی دیر۔!'' امی نے کہا۔''بعض اوقات دل بھر آئے تو رو لینا چاہیے ورنہ پھر بہت گھٹن ہونے لگتی ہے۔!''

''جی امی۔۔!'' میں چپ رہا۔

امی تھوڑی دیر خاموش رہیں، پھر بولیں۔''بیٹا ارسل۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے توفیق دی اور میں نے حتی المقدور تم لوگوں کی تعلیم اور تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تمہاری اب اعلیٰ تعلیم ہے۔ بیٹا خزانے کتنے بھی کیوں نا ہوں۔ مگر مرد کماتا ہوا ہی اچھا لگتا ہے۔ خیر سے اب تمہارے سہرے کے دن بھی آرہے ہیں۔ اگر تم کوئی نوکری نہیں کرنا چاہتے تو مت کرو۔ اپنا کوئی بزنس کرلو۔ جس قسم کا چاہتے ہو دیکھ لو، میں یہ چاہتی ہوں کہ مہوش کی ماں کو یہ خیال نہ آئے کہ تم نوکری وغیرہ نہیں کرتے۔؟''

مجھے امی پر بے حد پیار آیا۔ کتنا دور تک سوچتی ہیں مائیں۔ اور کسی طور پر بھی اپنی اولاد کو کمتر نہیں ہونے دیتی ہیں۔

''بات تو ٹھیک ہے آپ کی، لیکن کیا بزنس کروں؟ کہ جس میں نقصان بھی نہ ہو، اور تجربے کا معاملہ بھی پریشان نہ کرے۔ ہر بزنس پہلے پیسہ لگاؤ پھر انتظار کرو، پھر کہیں چلنا شروع ہوتا ہے۔!'' میں نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم کسی حد تک بزنس میں دلچسپی لے رہے ہو۔!'' امی نے میرے کہنے سے بہت تیزی سے نتیجہ اخذ کیا۔

''جی لیکن کیا بزنس۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ایسا بزنس کہ جس میں بزنس سیٹ کرتے ہی آمدنی شروع ہوجائے وہ اب دو ہی رہ گئے ہیں، ریسورنٹ اور ڈیپارٹمنٹل سٹورز۔!'' اماں نے جواب دیا۔''لیکن ریسٹورنٹ میں بھی تجربہ چاہیے جبکہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں اگر ایک اچھا منیجر مل جائے تو معاملات چلانا چنداں مشکل نہیں۔!''

امی کے پاس گویا ہر چیز کا منطقی حل ہوتا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم رضوان کے ساتھ مل کر ڈیپارٹمنٹل سٹور بناڈالو۔ اسی روڈ پر تھوڑا آگے جا کر ایک پلاٹ خالی ہے۔ اگر اس میں تم دونوں کام کرو تو کامیاب رہو گے۔ انشاءاللہ۔''

''لیکن رضوان بھائی نے مجھ سے کبھی ایسی بات نہیں کی، بلکہ امی کل پرسوں بھی ان سے ملا تھا۔!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آج میری بات چیت ہوئی تھی۔ میں مارکیٹ گئی تھی۔!'' امی نے بتایا۔''اس کی گھی والوں کی سوزوکی اتر رہی تھی۔ شائد جگہ کا مسئلہ ہو رہا تھا۔ اسی طرح باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ وہ اپنے بزنس کی توسیع چاہتا ہے۔ آدمی ذہین اور محنتی ہے اور ایمان دار بھی۔ دیکھ لو ایک چھوٹی سی دکان سے اس نے کیسی ترقی کی ہے۔!'' امی نے بتایا۔''لیکن سرمائے کی کمی کا مسئلہ ہے۔!''

''گویا آپ نے بہت کچھ طے کرلیا ہے۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''بیٹا اللہ تعالیٰ ہی ذہن میں خیال ڈالتا ہے۔!''

''جیسے آپ کی مرضی۔!''

''کس معاملے میں۔؟'' امی نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

''تمام معاملات میں۔!'' مجھے ہنسی آگئی۔

امی نے اٹھ کر میرا ماتھا چوم لیا۔''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کیسی سعادت مند اولاد سے نوازا ہے۔ اللہ تمہیں ہمیشہ سکھ دے۔ دودھوں نہاؤ۔ پوتوں پھلو۔!'' امی نے دعا دی ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں۔''اللہ نظرِ بد سے بچائے۔!'' وہ دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆

شام کو میں ابھی نہا کر اپنے کمرے سے باہر ہی نکلا تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہاں ایک خاتون کھڑی تھیں۔ ان کی بڑی سی گاڑی ان کا ڈرائیور گیراج میں پارک کر رہا تھا۔ میں نے قیافے سے اندازہ لگایا کہ وہ فرخندہ آنٹی ہی ہونگیں۔

''آپ فرخندہ آنٹی ہیں۔!'' میں نے پیچھے ہٹ کر انہیں راستہ دیا اور سلام کیا۔''آیئے۔۔!''

''اور تم تو ارسل ہو گے۔ ہے نا۔!'' انہوں نے اندر آتے ہوئے مجھے غور سے دیکھا اور مسکرائیں۔

''جی۔۔۔!'' میں نے جواب دیا۔

ہماری باتوں کی آواز سن کر اماں دروازے کی طرف آگئیں۔''ارے فرخندہ اندر آؤ نا۔ ساری باتیں دروازے پر کھڑے کھڑے ہی کرنے کا ارادہ ہے کیا۔؟'' اماں نے ہنس کر کہا اور فرخندہ آنٹی کو آگے بڑھ کر گلے لگایا۔

فرخندہ آنٹی نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔''جہاں آرا مجھے تو تمہارا بیٹا پہلی ہی نظر میں پسند آگیا۔!'' وہ دونوں باتیں کرتی، ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئیں۔

''میرا بیٹا ماشاءاللہ بہت سعادت مند ہے۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

اتنی دیر میں پنکی کو لئے ہوئے نصرت بھی آ گئی۔ ''اسلام علیکم!'' اس نے فرخندہ آنٹی کو سلام کیا اور اردگرد دیکھا۔ ''مہوش نہیں آئی۔!''

''مہوش۔۔!'' فرخندہ آنٹی نے اپنے اردگرد دیکھا۔ ''ارے وہ کہاں ہے۔؟''

''کیا مطلب۔؟'' امی نے حیرت سے پوچھا۔ ''کہاں چھوڑ آئیں ہے اسے۔؟''

''ارے کہیں نہیں۔!'' فرخندہ آنٹی ہنسیں۔ ''اندر آتے ہوئے شرما رہی تھی گاڑی میں بیٹھی ہے۔ جاؤ نصرت اسے جا کر لے آؤ۔!''

''ارے یہ تو اس کا اپنا گھر ہے بھلا شرمانے کی کیا بات ہے۔؟'' امی مسکرا کے بولیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔ فرخندہ آنٹی نے پہلی ہی نظر میں مجھے پسند کر لیا تھا۔

''اے لو اپنا قصہ بھول گئیں۔ جب دولھا بھائی بردکھوے کے لئے آئے تھے، تو تم بھلا میلے کپڑوں کی بڑی ٹوکری میں نہیں چھپ گئیں تھیں۔؟''

''اب چھوڑو بھی۔!'' امی کا چہرہ لال ہو گیا۔

میں وہاں سے ہٹ گیا۔ بچپن کی بے تکلف سہلیاں کتنے ہی کھٹے میٹھے راز آپس میں چھپائے ہوتی ہیں۔ برسوں بعد جب ملتی ہیں تو یوں لگتا ہے کہ آموں کا بور آ گیا ہے۔ سارا بدن درخت کی طرح ماضی کے اودے، نارنجی، سبز پتوں، پھولوں، کلیوں سے لد جاتا ہے اور ذہن پھر ماضی کی گلیوں میں شرارتوں اور آرزوؤں کی تیلیاں پکڑنے لگتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ باہر کی آوازیں اندر کمرے تک آ رہی تھیں۔ فرخندہ آنٹی اپنے مزاج سے بہت سادہ اور بہت محبت کرنے والی لگ رہی تھیں۔ ان کے انداز میں فطری سادگی اور بے تکلفی تھی، جو اپنائیت کی فضا خود بخود بنا دیتی ہے۔

''امی دیکھئے کون آیا ہے۔!'' نصرت کے امی کو مخاطب کرنے کی آواز سنائی دی۔

''ماشاء اللہ چشم بددور۔۔ لاکھوں میں ایک ہے میری بیٹی۔!'' اماں واضح طور پر مہوش کو دیکھ کر خوشی کے جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔

''اے میں سچ کہہ رہی ہوں کہ تمہارا بیٹا مجھے بہت پیارا لگا۔ کہاں ہے اسے بلاؤ، کہیں اپنی اماں کی طرح میلے کپڑوں کی ٹوکری میں تو نہیں چھپ گیا۔!'' فرخندہ آنٹی کی آواز سنائی دی۔ اور ساتھ ہی ایک بلند آہنگ قہقہہ بھی فضا میں گونجا۔

''تم نہیں مانو گی۔!'' امی نے فرخندہ آنٹی سے کہا۔ پھر انہوں نے مہوش کو بڑی محبت سے اپنے پاس بیٹھا لیا۔

اتنی دیر میں نصرت نے کہا۔ میں ذرا چائے لاتی ہوں۔ ''کھانے میں تھوڑی دیر ہے۔!''

''نصرت بیٹا تم رہنے دو۔!'' فرخندہ آنٹی نے کہا۔ ''چلو جہاں آراء ہم دونوں چائے بنائیں ان دنوں تو تمہارے ہاتھ کی چائے پینے میں بہت مزا آتا تھا۔ پتا ہے نصرت۔ تمہاری امی کیسی غضب کی چائے بناتی تھیں۔'' فرخندہ آنٹی کی گفتگو اور تاثرات سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے اسی نوجوانی کے عہد میں چلی گئیں جہاں

آنٹی نے ہم پر نظر پڑتے ہی کہا۔ ''دیکھو جہاں آراء ماشاءاللہ دونوں چاند سورج کی جوڑی لگ رہے ہیں نا۔!''

''ہاں۔۔۔!'' امی نے کہا۔

''ارے نصرت ذرا نو لال مرچیں تو لے آؤ میں دونوں بچوں کی نظر تو اتار دوں۔'' فرخندہ آنٹی نے نصرت سے کہا۔

''ارے پہلے چائے تو پی لو۔ پھر نظر اتارتی رہنا۔!'' امی نے کہا۔

''آپ لوگ چائے پئیں میں لیکر آتی ہوں کچن کونسا دور ہے۔؟'' نصرت نے کہا اور پلٹ کر واپس چلی گئی۔ چند ہی لمحوں میں وہ ایک طشتری میں نو عدد لال مرچیں لئے آ گئی۔

فرخندہ آنٹی نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور ہمارے اوپر سے مرچیں اتاریں اور نصرت سے کہا۔ ''جاؤ نصرت یہ چولہے کے برنر پر رکھ کر جلا دو۔!''

نصرت مرچیں لیکر جلانے چلی گئی۔ اور اس سے پہلے کہ ہم لوگ کچھ بولتے کچن سے نصرت کی خوفناک چیخیں آنے لگیں۔ ہم بھاگ کر کچن پہنچے تو دیکھا کہ پورے کچن میں خون پھیلا ہوا ہے اور نصرت ایک طرف کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

☆☆☆

یہ خون کہاں سے آیا

''ارے یہ کیا ہوا؟۔!'' امی بری طرح پریشان ہوگئیں اور انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر تھرتھر کانپتی ہوئی نصرت کو اپنے سے چمٹا لیا۔

چولہے پر رکھی مرچیں دھڑ دھڑ جل رہی تھیں۔اور ہم نصرت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''حوصلہ رکھو۔۔بتاؤ کیا ہوا۔؟'' امی نے پوچھا۔

''میں۔۔۔میں۔مرچیں چولہے پر جلا کر پلٹی ہی تھی کہ دیکھا کچن میں خون ہی خون پھیلا ہوا ہے۔ میں بری طرح ڈر گئی اور بے ساختہ چیخیں نکل گئی۔!'' نصرت نے بتایا۔

''لیکن یہ خون آیا کہاں سے۔؟'' فرخندہ آنٹی نے چونکنا نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔!'' میں نے آگے بڑھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کچن کے فرش پر خون کے دھبے آڑے ترچھے طریقے سے پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو مجھے پنجوں کے نشانات نظر آنے لگے جو سنک کے نیچے جا رہے تھے۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ بی مانو اپنے پنجوں سے پکڑے بڑے مزے سے دل کلیجی اور پھیپھڑے کی دعوت اڑا رہی تھیں۔

''ادھر دیکھئے۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔''آپ کی مانو بلی کا کارنامہ۔!''

امی نے جھانک کر دیکھا۔اس نے امی کو دیکھ کر ایک مانوس آواز نکالی اور دوبارہ پھیپھڑا دانتوں میں دبا لیا۔

''توبہ ہے۔!'' امی نے پیچھے ہٹ کر کہا۔''صدقے کے لئے بکرے کی دل کلیجی وغیرہ منگوائی تھی، دھیان میں نہیں رہا۔ورنہ فرج میں رکھ دیتی یہ خوشبو پا کر اس کو لے گئی اور سارے کچن میں گھسیٹتی رہی۔''

''میں فرش صاف کرلوں۔!'' نصرت امی سے الگ ہو کر بولی۔''بلاوجہ آپ سب کو چونکا دیا۔!''

''ارے چھوڑو، چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔چل کر چائے پیتے ہیں پھر مل جل کر صاف کرلیں گے۔!'' فرخندہ آنٹی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔اور ہم سب واپس ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

چائے قدرے ٹھنڈی سی ہوگئی تھی۔نصرت نے مائیکرو ویو اوون میں لمحوں میں گرم کر کے دوبارہ سرو کردی۔

چائے کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ یہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ہم لوگ خصوصاً میں فرخندہ آنٹی سے پہلی بار ملا

ہوں۔ چائے وغیرہ پینے کے بعد نصرت کچن جانے کے لئے اٹھی تو مہوش بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ ''چلئے ہم کچن میں چلتے ہیں۔!''

''ارے نہیں تم کہاں پریشان ہوگی، سب کچھ تیار ہے۔ بس چاول دم کرنے اور کچھ چیزیں تلنی ہیں، مصالحہ وغیرہ لگا کر رکھا ہے۔!''

''ارے ہم لوگ یوکے میں رہ کر اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی ہیں۔ بلکہ وہاں تو بعض اوقات گھریلو دعوتوں کے بعد مہمان خواتین برتنوں کی صفائی وغیرہ میں بھی ہاتھ بٹا دیتی ہیں۔ یہاں تو خواتین اتنی بے نیازی سے بیٹھی رہتی ہیں کہ جانے وہ کیا ہیں۔؟'' مہوش نے کہا۔ ''ویسے مجھے یہ اچھا لگا کہ آپ کے ہاں سب ہاتھ سے کام کرتے ہیں، خصوصاً کھانا وغیرہ پکانا۔ ورنہ ہم تو جہاں گئے وہاں زیادہ وقت باورچی کے حصول اور اس کی تعریف میں گذر گیا۔!''

وہ ہنسی۔ یوکے میں رہنے کے باوجود اس کی اردو نہایت سلیس اور بامحاورہ تھی۔

مجھے اچھا لگا۔ اس کا اپنائیت بھرا انداز۔ نجانے کیوں ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ اتنی تیزی سے دل میں گھر کرنے لگتے ہیں کہ انہیں منع کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ یا پھر شائد دل ہی منع کرنے سے منع کر دیتا ہے۔

ان کے جانے کے بعد اچانک مجھ سے فرخندہ آنٹی نے پوچھا۔ ''ارسل کیا ارادہ ہے۔ بزنس کرو گے یا ملازمت۔؟''

''آنٹی میرا تو خیال بزنس کرنے کا ہے۔ کم از کم اس میں آپ اپنے خیالات تو صحیح طریقے سے بیچ سکتے ہیں۔!''

''بہت اچھے۔!'' انہوں نے تعریف کی۔ ''تمہارے انکل بھی بزنس کو ہی پسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ بزنس میں آنا چاہیے، تاکہ حکومت پر سے روزگار دینے کا دباؤ ختم ہو اور ویسے بھی حکومت کی نوکریاں ہوتی ہی کیا ہیں۔ کروڑوں لوگوں میں چند فیصد۔!''

''جی۔۔!'' میں نے کہا۔

تھوڑی دیر میں کھانا تیار ہونے کی اطلاع ملی اور ہم کھانے کے لئے اٹھ گئے۔ کھانا کھاتے، کافی پیتے خیال ہی نا رہا کہ کتنی دیر گزر گئی ہے۔ گھڑی نے بارہ بجنے کی کوک دی تو آنٹی فرخندہ چونکیں۔ ''ارے بھئی جہاں آراء اب اجازت دو تمہارے ہاں تو وقت کا پتا ہی نہیں چلتا۔ پتا نہیں تم کیا جادوگر ہو۔!''

''محبتیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہونے دیتی ہیں۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

سلام و دعا اور چند دنوں میں گھر آنے کا پکا وعدہ لے کر فرخندہ آنٹی اور مہوش رخصت ہو گئیں۔

ان کے جانے کے بعد نصرت اپنے کچن کے کاموں کو دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ پنکی کو نزلہ زکام تھا وہ سرشام ہی سے دوا لیکر سو گئی تھی۔

''ہاں ارسل بیٹے تمہیں کیسے لگے لوگ۔؟'' امی نے پوچھا۔

''فرخندہ آنٹی بہت اچھی ہیں۔لگتا نہیں ان سے ہم پہلی بار ملے ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''ارسل میں صاف صاف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تمہیں اگر مہوش پسند آئی ہو تو مجھے بتاؤ۔!'' امی نے واضح لفظوں میں پوچھا۔

''امی آپ کے کسی بھی فیصلے سے مجھے انکار نہیں۔!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''جیتے رہو، لیکن باقی تمام معاملات کب مجھے کرنے ہیں۔کیسے کرنے ہیں۔کیا کرنا ہے۔تمہیں ان معاملات میں نا تو پریشان ہونے کی ضرورت ہے۔اور نا ہی غیر ضروری طور پر شامل ہونے کی۔!'' انہوں نے کہا۔

''جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔!'' میں نے سچ مچ حیرت سے کہا۔''بھلا یہ کیا بات ہے کہ آپ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات بھی نہیں کریں گی۔!''

''ہر بات میں سوال جواب نہیں کرتے۔!'' امی نے صاف جواب دیا۔''جو کہہ دیا اس کو مانو، اور تم صرف اپنے بزنس کے سلسلے میں معاملات دیکھو، بلکہ آج کل جب بھی وقت ملے رضوان کو بلانا۔میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں تاکہ معاملات جلد از جلد شروع ہوں۔!''

''جی بہتر۔۔!'' امی کے دوٹوک لہجے اور انداز کے بعد ہم ان سے کوئی بھی سوال کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔میں ان سے اجازت لیکر اپنے کمرے میں آ گیا۔میں نے کپڑے تبدیل کئے، وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کرنے کھڑا ہو گیا۔نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

☆☆☆

''کیسے ہو تم۔۔؟'' وہ دور کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔اس کے حسن بے مثال میں آج گویا نئی آب و تاب تھی۔

''تم کہاں تھیں اتنے دنوں سے۔؟'' میرا شوق اس کو دیکھتے ہی بے قرار ہو گیا۔''کتنے دن ہو گئے ہیں ہمیں ملے ہوئے۔!''

''کہاں بھلا۔؟'' وہ مسکرائی، اس کے سچے موتی جیسے آبدار دانتوں کی قطار اس کے شنگرفی ہونٹوں کے عقب میں جھلملائی۔''کہاں بھلا دیر ہوئی۔تم نے پلٹ کر مجھے یاد ہی نہیں کیا۔سچی محبت، سچی طلب سے یاد کرتے تو میں ایک لمحہ دیر نہ کرتی۔!'' اس کی آواز کا لوچ، لہجے کا زیر و بم، انداز کا اتار چڑھاؤ غرض ہر شئے بے خود کر دینے والی تھی۔

''میں تمہیں کیسے یاد کروں۔؟'' اچانک بے بسی کے احساس نے میرے اندر کے آنسو میری آنکھوں میں بھر دیئے۔

''کیا ہوا میری جانِ حیات، تمہاری ان آنکھوں میں آنسو، کیا ہوا بتاؤ نا۔!'' وہ دفعتاً بے چین ہو گئی۔پریشانی اس کے چہرے پر نمایاں ہو گئی۔

''تم نے مجھے طعنہ تو دیدیا کہ میں تمہیں یاد نہیں کرتا۔لیکن جب تم جاتی ہو تمہارے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔کچھ معلوم نہیں ہوتا۔مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں کوئی کھلونا ہوں جس کو تم اپنی مرضی سے چابی بھر کے کھیلتی ہو اور جب دل بھر جاتا ہے تو لاپرواہ بچے کی طرح پھینک دیتی ہو۔!''

''تمہیں قسم ہے ایسا مت کہو۔!'' وہ اس طرح تڑپ کر بولی کہ اس کا سارا بدن کپکپا گیا۔'' مجھے تو تمہاری بے پناہ۔ بے انداز محبت نے ایسا اسیر کیا ہے کہ تم شائد سمجھ ہی نہیں سکتے۔!''

''جس محبت میں شعور شامل نہ ہو وہ تو ذہنی مرض ہے۔!''

''گویا تم میری محبت کو مذاق سمجھ رہے ہو، مجھے بتاؤ آج تک تمہارے کسی حکم سے پھری ہوں میں؟''

''میں نہیں جانتا۔!'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔'' اِس دنیا میں جاگتا ہوں تو اُس دنیا کو بھول جاتا ہوں۔اور جب واپس اِس دنیا سے اُس دنیا میں جاتا ہوں تو پھر یہ دنیا محو ہو جاتی ہے۔میری ذاتی کوئی کیفیت نہیں رہی، عجیب سی بھول بھلیوں میں کھو گیا میں۔!'' میں نے آرزودگی سے کہا۔

''کشیدہ خاطر نہ ہو، جہاں محبت ہوتی ہے، چاہت ہوتی ہے وہاں اندیشے ،وسوسے بھی ہوتے ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی تم کو مجھ سے چھین لے۔!''

''تم سے۔؟'' مجھے بے پناہ حیرت ہوئی۔'' کس میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے تم سے چھین سکے۔!''

''محبت اندیشوں سے ماورا تو نہیں ہوتی۔؟''

''اندیشے محبت سے طاقت ور بھی نہیں ہوتے۔!''

''ہماری بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں ارسل۔!''

''محبت تو مجبوریوں کو ختم کرتی ہے نا کہ مجبوریوں کے نام پر زنجیریں ڈالتی ہے۔!''

''اور کہو۔! اچھی لگتی ہیں تمہاری باتیں۔جی چاہتا ہے کہ تم کہتے رہو۔ میں سنتی رہوں، شب گزرتی رہے، جذبے دل کی شدت اور روح کی حدت سے پروان چڑھتے رہیں۔!''

''تم تو شاعرہ ہو، دلوں کو فتح کرنے والی۔اتنے اچھے لفظ کہاں سے چنتی ہو۔؟''

''محبت کے چمن سے ،خیالوں کی کلیوں کو رس ملتا ہے، پھر جب اس میں دل کی تڑپ ملا دی جائے تو عشق وہ شراب کشید کرتا ہے جس کو بے خودی کہتے ہیں۔!'' اس کی گفتگو میں ،انداز میں ایسا نشہ تھا کہ میں گم ہونے لگا۔اور پھر نجانے کب بے خبر ہو گیا۔

☆☆☆

''ارسل۔۔ارسل۔۔!'' کوئی مجھے آواز دے رہا تھا۔ میں گہری نیند کے خمار میں تھا۔ پھر زور زور سے کمرے کے دروازے پر دستک ہونے لگی۔

''آرہا ہوں۔!'' میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

نصرت کھڑی تھی۔'' کیا بات ہے بھیا۔کیا گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے جو فراغت ہی فراغت تھی۔؟'' وہ ہنسی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ مسرت کی چمک تھی۔

''کیوں دروازہ توڑ رہی تھیں صبح ہی صبح۔!'' میں دروازہ کھول کر گھوم کر اپنے بیڈ پر آ بیٹھا۔''ایسی کیا بریکنگ نیوز ہے جو معمول کی نشریات توڑ کر سنائی جا رہی ہے۔؟''

''معمول کی نشریات۔!'' نصرت ہنسی۔ ''حضرت کا نیند کا تسلسل معمول کی نشریات ہے گویا اور ویسے بھی یہ صبح صبح نہیں گیارہ بج رہے ہیں۔!''

''اچھا ذرا شان نزول کا سبب بھی تو بیان ہو۔!'' میں ٹانگیں پسار کر بیڈ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

''وہ ذرا خبر افسوس ناک ہے۔!'' نصرت سنجیدگی سے بولی۔ ''سیڈ سیڈ سی بریکنگ نیوز۔!''

''اب بولو تو سہی۔!'' میں زچ ہو گیا۔

''وہ آنٹی فرخندہ کا فون آیا تھا۔ رات تک تو سب ٹھیک تھا۔ مگر پھر اب جب ان کا فون آیا تو ہم سمجھے کہ وہ ہمیں اپنے گھر بلانے کے لئے فون کر رہی ہیں مگر وہ تو واپس جا رہی ہیں۔!''

''کیا۔۔!'' میں بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''کیا مہوش بھی جا رہی ہے۔؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''کیا مطلب۔؟'' نصرت نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔ ''یہ تمہیں اچانک مہوش کا ایک دم خیال کیسے آ گیا۔؟''

''کیا مطلب۔؟'' میں نے اسے گھورا۔ ''پوچھنے میں کیا ہرج ہے۔!'' اور ادھر اُدھر تکیے میں جھوٹ موٹ کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''بہت پیاری ہے نا۔؟'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔

''مجھے کیا پتا۔؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''میں کیا جانوں۔؟''

نصرت ہنسنے لگی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''بھیا۔!'' وہ بولی۔ ''تمہیں کچھ چھپانا بھی نہیں آتا ہے۔!''

''میں۔۔ میں تم سے کیا چھپاؤں گا بھلا۔؟'' میں نے جھنجھلاہٹ سے کہا۔

''مہوش کے جانے کی خبر سے پریشان ہو۔؟'' نصرت نے کہا۔ اور میری طرف غور سے دیکھا۔ میں اس کی بات سن کر چپ رہا۔ پتا نہیں کیوں مہوش کے جانے کی خبر سن کر مجھے ایک غصے، ایک جھنجھلاہٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔

''میں نے کب کہا کہ وہ جا رہی ہیں۔؟'' نصرت نے کہا۔

''خود ہی تو ابھی کہہ رہی تھیں۔!'' میں نے فوراً ہی کہا۔

''اچھا۔۔!'' نصرت نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔ ''غالباً میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ مستقل جا رہی ہیں، بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ وہ جا رہی ہیں۔ دس پندرہ دنوں کے لئے، اپنے میاں سے مشورہ کرنے کیلئے۔!''

''اچھا۔!'' اچانک جیسے میری جھنجھلاہٹ، غصہ، الجھن کافور ہو گئی۔

نصرت بہت غور سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ میری اچانک تبدیل ہونے والی کیفیت اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں نجانے کیا تھا کہ میں بھی ہنس پڑا۔

''میں امی سے کہتی ہوں کہ ارسل کا بندوبست کریں ورنہ کہیں باؤلا نہ ہو جائے۔!'' نصرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''فرخندہ آنٹی جونہی دس پندرہ دنوں میں آئیں گی انشاء اللہ۔ پھر کوئی رسم کر لی جائے گی۔ یہ امی کا خیال ہے۔!'' نصرت نے مجھے پوری طرح حالات سے آگاہ کیا۔

''جو تم لوگوں کا جی چاہے۔!''

''جلو بھئی۔منہ ہاتھ دھولو اور جلدی سے چائے کے لئے آجاؤ۔!'' نصرت نے اٹھتے ہوئے کہا اور شریر سی مسکراہٹ میری طرف اچھالتی ہوئی چلی گئی۔

نصرت کے جانے کے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی۔مگر خاموشی کہاں تھی؟ مجھے لگا کہ جیسے کمرے کی ہر شئے ہنس رہی ہو، بات کر رہی ہو۔صوفہ، الماری، کارپٹ، پھولدان، خاموش ڈی وی ڈی پلئیر، چپ ٹی وی، ہر شئے، کوئی نا بات کہہ رہی ہو، اور خوش ہو۔ یہ کیفیات، یہ احساسات کس چیز سے جڑے ہوئے ہیں۔اور کیسے متحرک ہوجاتے ہیں۔کون ان کی ڈور کھینچتا، کستا اور انگلیاں مارتا ہے۔ کیسے تنے ہوئے تار کی جھنجھناہٹ موسیقی کی لے میں بدلتی ہے۔ کیسے ایک لے دوسری لے سے ہم آہنگ ہوکر سروں میں نشیلے دل میں اتر جانے مدھر گیتوں میں ڈھلتی ہے۔ کیسے ہوتا یہ سب۔؟

میرے سامنے سوال کھڑے ہونے لگے۔

کل رات جب میں سویا تھا تب تو دل و دماغ میں، شعور میں لاشعور میں کہیں بھی مہوش نہیں تھی۔اس کا احساس نہیں تھا، پھر اچانک کیا ہوگیا۔فرد کسی کے احساسات میں اس حد تک دخیل ہوسکتا ہے۔؟ مجھے آج پہلی بار احساس ہوا تھا۔

اچانک مجھے اشعر کا جملہ یاد آیا۔''یہ تو جو میری محبت کا مذاق اڑاتا ہے نا۔ایک دن محبت میں گرفتار ہوگا، تعلق کی کوئی ڈور تیرے دل کو کھینچے گی تو تب پتا چلے گا تجھے کہ محبت کیا ہوتی ہے۔؟''

''مجھے محبت کے چکر سے خدا باز ہی رکھے، میں نے یہ سارا معاملہ امی اور نصرت پر چھوڑ رکھا ہے۔مجھ سے تو اپنی پسند کے کپڑے نہیں خریدے جاتے تو جیون ساتھی کے لئے مجھ سے چھان پھٹک نہ کی جائے گی۔!''

''بچو۔!'' اشعر نے کہا۔''جب یہ محبت کا احساس دل میں جاگتا ہے تو پھر سنبھلنے نہیں دیتا۔ دیکھ لینا یہ ایک زبردست طوفان کی طرح اڑا لے جائے گا۔!''

''تو کیا طوفان آ گیا۔!'' میں نے سر جھٹک کے سوچا۔''مہوش کی صورت۔؟'' پتا نہیں کیوں مجھے اچھا لگنے لگا۔ ''مہوش۔!'' میں نے زیر لب دھرایا۔کیوں بعض نام لینا اچھا لگنے لگتا ہے کیوں کوئی اچانک اتنی تیزی سے دل میں اتر جاتا ہے۔؟

''محبت کی ابتدا شائد سوالوں سے ہی ہوتی ہے۔!'' میں نے سوچا۔

''ارسل آ بھی جاؤ۔۔!'' مجھے نصرت کی آواز نے اپنے خیالات سے چونکا دیا۔''ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے!''

''آ رہا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا۔اور سلیپر پہن کر باہر نکل آیا۔

☆☆☆

''ارے آپ۔۔۔!'' رامین نے دروازہ کھولتے ہی حیرت سے کہا۔''آج کیسے راستہ بھول پڑے۔!''

''اچھا بھئی اتنے دن نا آنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اندر آنے کا راستہ ہی نا دو۔۔!''

''راستہ مانگا نہیں جاتا، بنایا جاتا ہے۔!'' وہ شوخی سے بولی اور دروازے پر دونوں بازو کھول کر کھڑی ہوگئی۔

''رامین بیٹی کون آیا ہے۔؟'' اندر سے ممانی جان کی آواز سنائی دی۔

''آپ کے سالانہ لاڈلے آئے ہیں۔!'' وہ منہ بنا کر بولی اور راستے سے ہٹ گئی۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ میں اندر داخل ہوا تو ممانی جان برآمدے میں بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ اور ان سے کچھ دور ماموں جان بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

''اسلام علیکم۔۔!'' میں نے انہیں سلام کیا۔

ممانی جان سبزی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ماموں جان نے بھی اخبار چھوڑ دیا۔ اور اٹھ کر میری طرف آ گئے۔ میں ان سے ملتا ہوا ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''بہت دنوں بعد آئے بیٹا، کیا مصروف تھے۔؟'' ممانی جان نے پوچھا۔

مجھے واقعی شرمندگی ہونے لگی۔ مجھے اپنے اکلوتے ماموں جان سے بہت محبت تھی۔ لیکن میں اس کے باوجود نہ آسکا۔ ''میں معافی چاہتا ہوں ممانی جان۔!'' میں نے شرمندگی سے کہا۔ ''آئندہ آپ کو شکایت نہ ہوگی۔!''

''یعنی باقاعدگی سے سالانہ آمد ورفت جاری رہے گی!'' رامین نے مداخلت کی۔ اور ماں سے بولی۔ ''دیکھ لیجئے امی یہ پورے سال بھر کے بعد آئے ہیں۔ اور وہ بھی یہ کہیں گے ذرا جلدی ہے اچھا اجازت۔!'' وہ منہ بنا کر بولی۔

ماموں جان مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سنتے رہے۔ ماموں کی چار بیٹیاں ہی تھیں۔ رامین سب سے بڑی بی اے میں پڑھ رہی تھی۔ اور باقی اس سے چھوٹی انٹر، میٹرک اور آٹھویں میں پڑھ رہی تھیں۔ اور وہ سب مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔

''اب شکوے شکایت ہی کرتی رہوگی یا پھر کچھ چائے وغیرہ بھی پلاؤ گی۔؟'' ماموں جان مسکراتے ہوئے رامین سے بولے۔ اور پوچھنے لگے۔ ''آپا جان کیسی ہیں۔ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔!''

''اصل میں سردیاں ہیں۔ اس لئے امی کو جوڑوں کے درد کی شکایت ہوجاتی ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔ مگر اب اچھی ہیں۔ مجھے انہوں نے کئی مرتبہ تاکید کی کہ ماموں جان سے مل کر آؤ۔ مگر میری ہی کوتاہی تھی۔!'' میں نے اعتراف کیا۔

''ارے بیٹا۔ کیسی باتیں کرتے ہو اپنے گھر آنا۔ کیا دیر، کیا سویر۔۔۔!'' ممانی جان نے پیار سے ٹوکا۔ ''بلکہ میں تو ان سے کب سے کہہ رہی تھی کہ میں نے گاجر کا حلوہ بنایا ہے۔ جا کر آپا جان کو دے آئیں۔ مگر یہ پتا نہیں کیوں آجکل گھر سے کم ہی نکلتے ہیں۔!'' ممانی جان نے کہا۔ اور ان کی طرف دیکھا۔

''کیوں ماموں جان کوئی خاص بات۔!'' میں نے ماموں جان کو غور سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر جو مسکراہٹ تھی نجانے کیوں مجھے مصنوعی سی لگی۔

''ارے نہیں بیٹا! بس یونہی کچھ موسم کی وجہ سے کاہلی سی رہتی ہے۔ ویسے بھی بڈھا ہوگیا ہوں نا۔!'' وہ ہنسے۔

''اے کاہے کو بڈھے۔؟'' ممانی جان نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ ''آج بھی باقاعدگی سے واک کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس عمر میں بھی نہ شوگر، نا بلڈ پریشر نہ دیگر کوئی بیماری۔!''

''لو بیگم ایک طرف تو بڈھا ماننے سے انکاری ہو تو دوسری طرف اس عمر میں کہہ کر ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتی ہو۔!'' ماموں جان نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔

مجھے اچھا لگا۔ ماموں اور ممانی جان ہمیشہ اسی طرح رہتے اور ہنستے بولتے تھے۔ میں نے اپنے ہوش سنبھالنے کے بعد ان کے درمیان کبھی لڑائی نہیں دیکھی۔ ممانی اولاد نرینہ کی بہت خواہش مند تھیں۔ دعائیں، وظیفے، ٹونے، ٹوٹکے کے بعد ہر امید کے بعد ہمیشہ آنگن میں رحمت کی ہی پروا چلتی۔ اور ممانی جان کے اداس چہرے کو دیکھ کر ماموں جان کہتے۔

''نیک بخت اللہ کی مصلحت اسی میں ہے۔!''

''کیا کمی ہے اس کے خزانے میں، اگر وہ ایک بیٹا ہمیں بھی دیدے۔!''

''مالک سے اس کے خزانوں کے بارے میں سوال کرنے کا حق غلاموں کو نہیں حاصل ہوتا۔ یہ تو بڑی گستاخی کی بات ہے ریحانہ۔۔ اگر ہمارا کوئی ملازم کہے کہ آپ خود تو پچاس لاکھ کے مکان میں رہتے ہیں، بچاس ہزار روپے مہینہ خرچا کرتے ہیں۔ ایک سے ایک کپڑے بناتے ہیں۔ مجھے تنخواہ صفائی کرنے کی صرف آٹھ سو دیتے ہیں۔ تو ہم فوراً کہیں گے کہ بھئی تمہیں اس سے کیا۔؟ تم تو اپنی محنت کے مطابق اجرت لو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نیک بخت وہ ہمارے کسی معاملے میں حصے دار بھی نہیں۔ ہمارے کاروبار، مال ومنال کے نقصان سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اسے تو فقط اپنی محنت اور اجرت کی طلب ہے۔ تو پھر ہم کیسے اس بے نیاز لاشریک کو اس کے خزانے کا کہہ سکتے ہیں۔ ہم تو اس وحدہ لاشریک کے کارخانۂ قدرت میں جو کچھ کر رہے ہیں اس کی عطا کردہ نعمتوں کے فیضان سے کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس کی طرح شکوہ نازیب دیتا ہے اور نہ ہی یہ آداب بندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔!''

''تو پھر کیسے مانگوں۔؟''

''اس کے حضور جھک کے۔ اے اللہ ہم تیری رضا میں راضی ہیں۔ دیکھو ریحانہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل پاک بھی تو بی بی فاطمہؓ سے بڑھی ہے۔ وہ قادر مطلق چاہے تو بیٹیوں سے نام روشن کردے۔!''

''ٹھیک کہتے ہیں آپ۔!'' ممانی جان بولیں۔

ایسے تھے صابر، شاکر میرے ماموں جان۔ انہوں نے کبھی مجھے باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ ابو کے بعد ہمارا سارا کاروبار وہی دیکھتے رہے۔ مگر مجال ہے کہ جو کبھی ایک پیسے کی ہیر پھیر کی ہو یا ہونے دی ہو، اور کبھی اس بھاگ دوڑ کا معاوضہ تک نہیں لیا۔ خود وہ ایک پرائیویٹ فرم میں بہت اچھی پوزیشن پر فائز تھے۔ قناعت پسند تھے۔ البتہ بیٹیوں کی ہر فرمائش، اعلیٰ تعلیم کے لئے بے حد فراخ دل تھے۔

''چائے لیجئے معہ حلوہ گاجر۔!'' رامین نے ٹرے لاکر ہمارے درمیان رکھی۔ میں اپنے خیالات سے چونک گیا۔

''کیا سوچ رہے تھے آپ۔؟'' رامین نے پوچھا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ تمہارے ہاتھ کی چائے پینے کے بعد میرا حشر کیا ہوگا۔؟''

''کیا مطلب ہے کہ میں اتنی بری چائے بناتی ہوں۔؟'' وہ غصے سے بولی۔ ''رہنے دیں۔ مت پئیں۔!''

''ارے بھئی بات بات پر لڑنا چھوڑو۔!'' ممانی جان نے اسے ٹوکا۔ ''بری بات ہے ارسل تم سے بڑا ہے۔!''

''ہونہہ۔!'' وہ پیر پٹختی ہوئی اندر جانے لگی۔

''ارے لڑاکو ناراض مت ہو۔ یہاں بیٹھو۔!'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

''چلو اب اتنی دیر نہیں ہوگی اب تو معاف کردو۔!''

''چلیں ٹھیک ہے۔!'' وہ ایک دم خوش ہوگئی۔ رامین ہمیشہ سے ہی ایسی تھی۔ مجھ سے تین چار برس ہی چھوٹی تھی۔ ہم سب میں بہت محبت، بہت پیار تھا۔

''یہ امی نے بھجوایا ہے۔!'' میں نے ایک پیکٹ ممانی جان کی طرف بڑھایا جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔

''یہ کیا ہے۔؟'' ممانی جان نے پیکٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

''امی مارکیٹ گئی تھیں۔ پنکی کے لئے کچھ سامان لینے تو کچھ انہوں نے آپ لوگوں کے لئے بھی لیا تھا۔ ارادہ تو ان کا یہی تھا کہ خود آتیں، مگر وہ جوڑوں کی درد کی وجہ سے نہ آسکیں۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ میں جا کر دے آؤں۔!''

''لائیے دکھائیے پھوپھی جان نے کیا بھیجا ہے۔!'' رامین نے ماں کے ہاتھ سے پیکٹ لے لیا۔

میں نے ماموں جان کی جانب دیکھا۔ ان کے چہرے پر کسی گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ بظاہر وہ رامین کو پیکٹ کھولتا دیکھ رہے تھے مگر درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔

''اچھا مجھے اجازت دیجئے۔ میں ذرا ایک اور کام بھی نکلا ہوں۔!'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ ایک اور کام کیا ہے بھلا۔؟'' رامین نے پیکٹ چھوڑ دیا۔ اور میری طرف دیکھنے لگی۔ ''بتائیے نا۔؟''

''بری بات ہے نکلتے کو ٹوکتے نہیں۔!'' ممانی جان نے آہستگی سے کہا۔

''چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں گاڑی تک۔!'' ماموں جان نے بھی اپنے سلیپر پہنے، اور کھڑے ہوگئے۔

''اچھا ممانی جان خدا حافظ۔۔!'' میں نے ممانی جان کو خدا حافظ کہا اور رامین کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ پھول گیا تھا۔

''اچھا گڑیا۔ وعدہ رہا اب جلدی آؤنگا۔!'' میں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

''میں گڑیا نہیں رامین ہوں۔!'' اس نے دھیمے سے کہا۔ اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ ''کیا یہ سمجھ نہیں آتی آپ کو۔'' میں چپ ہی رہا۔

ماموں جان دروازے تک پہنچ کر میرے منتظر کھڑے تھے۔ میں دروازے سے نکلا تو انہوں نے دروازہ بند کردیا۔ اور بولے۔ ''پھر کب آؤ گے۔!''

''ماموں جان کوئی بات ہے کیا۔؟'' میں نے پوچھا۔ اور گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گیا۔

''ارے نہیں۔!'' وہ بولے۔ ''بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔''

''ماموں جان بتائیے نا۔!'' مجھے الجھن ہونے لگی۔ ماموں جان کی ساری زندگی میرے سامنے تھی۔ بہت واضح اور دوٹوک بات کرنے والے ماموں جان اس وقت کچھ الجھے الجھے لگ رہے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ جیسے کچھ چھپا رہے ہو یا شائد بتانے کی ہمت نہ کر پا رہے ہوں۔

☆☆☆

ہمارے خاندان کی ساری کمائی

میں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ ''چلئے ذرا اندر بیٹھئے۔!'' میں نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں گاڑی کے اندر بٹھایا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ ماموں جان چپ چاپ اندر بیٹھے رہے۔

میں نے گاڑی ریورس کر کے باہر نکالی اور گلی سے نکلتا ہوا مین روڈ پر آیا گیا۔ جہاں اچھی بھلی مارکیٹ تھی۔ میں نے سگریٹ کی دکان پر گاڑی روکی لڑکا بھاگ کر آ گیا۔ میں نے دو کولڈ ڈرنکس، سگریٹس منگوائیں پھرتیلا لڑکا منٹوں میں آرڈر لے آیا۔ میں نے بوتل کھول کر ماموں کو دی۔ ایک خود لی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

ماموں چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہے، پھر انہوں نے ڈبیا میں سے سگریٹ نکال کر سلگائی اور ایک لمبا کش لیکر سر پشت سے ٹکا لیا۔

میں نے کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ چہرہ لال ہو رہا تھا۔ واضح طور پر وہ کسی شدید کش مکش سے دو چار تھے۔

''ماموں جان بتایئے نا کیا بات ہے۔؟'' میں نے دوبارہ کہا۔ اور ان کے بازو کو تھپتھپایا۔

اچانک ان کی آنکھوں میں آنسوں چھلک آئے اور وہ گلوگیر آواز میں بولے۔ ''آج تک میں نے اللہ میاں سے کبھی بیٹے کی کمی کی شکایت نہیں کی تھی۔ کبھی اکیلے پن کا شکار نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج سوچتا ہوں کہ کاش میرا ایک ہی بیٹا ہوتا تو میں یوں بے بس نہ ہوتا۔!''

''ماموں جان اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتے۔!'' مجھے دکھ بھی ہوا اور تاسف بھی، دکھ اس لئے کہ انہیں کیا ایسی ٹھیس پہنچی ہے کہ ان کو اللہ میاں سے شکوہ کرنا پڑا اور تاسف اس لئے کہ اپنے اتنے پیار کرنے والے ماموں کی حالت سے بے خبر کیوں رہا۔؟

''ماموں جان کیا کوئی بات ہوگئی ہے۔؟''

''ہاں بھی اور نہیں بھی۔!'' انہوں نے جواب دیا۔ ''بظاہر تو عام سی، لیکن مجھے معلوم ہے کہ بات خاص ہے۔ تم بھی تو میرے ایک ہی اکلوتے بھانجے ہو۔ ہمارے خاندان کی ساری کمائی۔ اس لئے اگر ایک بیٹا میرا بھی ہوتا تو تم دونوں اس معاملے کو سنبھال لیتے۔!''

''کون سا معاملہ۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔''کھل کر کہیے اور یہ سب باتیں چھوڑیئے جو بات بھی ہے میں خود اس کو دیکھوں گا۔آپ کا ہے کو اکیلے پریشان ہوتے ہیں۔؟''

''اللہ تمہیں سلامت رکھے۔!'' ماموں جان نے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔''سعادت مند اولاد ایسی ہی ہوتی ہے۔ تمہیں میری عمر بھی لگ جائے۔اصل میں بڈھا ہوگیا ہوں نا،اس لئے سٹھیا گیا ہوں۔!'' ماموں جان نے کہا۔

''مجھے صاف صاف لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ نہ کچھ چھپا رہے ہیں۔مجھے بتایئے مسئلہ کیا ہے۔؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

وہ میرا چہرہ دیکھ کر ہنس پڑے۔''ارے نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں۔لیکن سر سے بڑا بوجھ اتر گیا۔'' انہوں نے بڑی طمانیت سے کہا۔

مجھے یوں لگا کہ شائد وہ مجھے بتانے یا نہ بتانے کے فیصلے کے درمیان کہیں معلق ہیں میں نے ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

وہ بولے۔''ذرا مجھے گھر چھوڑ دو۔!''

میں نے گاڑی کا رخ گھر کی طرف کر دیا۔وہ تھوڑی دیر بعد بولے۔''ارسل میاں ناراض ہیں کیا۔؟''

''نہیں۔۔!'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے تم کو ہی تو بتانا ہے بس تھوڑا صبر کرلو۔!'' وہ دھیمے سے بولے۔ان کی نظر سیاہ تارکول کی سڑک پر مرتکز تھی۔

''میں کل آؤں گا اور پھر آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔آپ کو سب بتانا پڑے گا۔!''

''اچھا یار۔!'' وہ ہنسے۔''معلوم ہے کہ اب تم بڑے ہو گئے ہو اور تمہارا حکم ماننا پڑے گا۔!''

''ماموں جان کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔؟'' میں نے کہا۔''میں جتنا بڑا بھی ہو جاؤں،رہونگا تو آپ کا وہی بیٹا جس کو آپ نے انگلیوں پکڑ کے چلنا سکھایا۔لیکن جب بچے بڑے ہو جائیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے لئے سینہ سپر ہو جائیں۔!''

''اللہ تمہیں حیاتی دے بیٹا۔!'' وہ آہستہ سے بولے۔''یہ جو بیٹیاں ہوتی ہیں۔یہ سیپیاں ہوتی ہیں۔ماں باپ تو خول ہوتے ہیں ان کی حفاظت کے لئے۔ان کے اندر کا سچا موتی جان سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔!'' وہ چپ ہو گئے۔ میں بھی چپ رہا۔گھر آ گیا۔ماموں جان اتر گئے۔

''میں آؤں گا پھر ہم بیٹھ کے باتیں کریں گے۔!'' میں نے کہا۔انہوں نے اثبات میں گردن ہلا دی اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔میں نے گاڑی واپسی کے لئے موڑ لی۔

☆☆☆

گھر پہنچا تو امی اور نصرت کا چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے انہیں ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

''آیئے۔۔۔آیئے۔۔۔دولہا میاں۔!'' نصرت نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔

''دولہا میاں۔۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔''خیریت تو ہے بڑی کھلی پڑ رہی ہو۔!''

''خوش کیوں نا ہوگی۔!'' امی بھی مسکراتے ہوئے بولیں۔''تھوڑی دیر پہلے ہی فون آیا ہے مہوش کی امی کا مانچسٹر سے، فرخندہ کی اپنے میاں سے بات چیت ہوگئی ہے۔تمہاری تصویر تو انہیں بے حد پسند آئی ہے۔ پھر مہوش نے بھی ہاں کردی ہے۔بس یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا۔!''

''دیکھا بھیا میں نہ کہتی تھی کہ جوڑے آسمانوں پر ضرور بنتے ہیں مگر طے تو یہیں دنیا میں ہوتے ہیں۔بس تم تو ہاں کردو پھر دیکھنا ناممکن، ممکن ہوجائے گا۔!'' نصرت بولی۔

''ایسی دھوم دھام سے شادی ہوگی کہ سب دیکھتے رہ جائیں گے۔!'' امی بہت خوش تھیں۔''مہوش کے والد کہہ رہے تھے کہ اگر ارسل یو کے میں بزنس کرنا چاہے تو اس میں وہ ہرممکن مدد کریں گے۔لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بے وجہ تمہارے اوپر سسرال کا احسان ہو۔مرد وہی اچھا جو اپنی طاقت سے بیوی، بچوں کو کھلائے، پہنائے۔ میں نے کہا کہ مجھے یو کے آنے جانے میں کوئی اعتراض نہیں، سال میں بارہ مہینے جائے مگر رہے پاکستان میں، میں اپنے بچوں سے دوری برداشت نہیں کرسکتی۔!''

''تو ہم آپ کو کیسے چھوڑ کے جاسکتے ہیں۔ہمیں بھی اپنی ماں کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔!'' میں نے کہا۔امی نے میرا ماتھا چوم لیا۔

''اور ہاں۔۔!'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔''کپڑے دے آئے ماموں جان کے ہاں۔؟''

''جی۔۔!'' میں نے جواب دیا۔''سب آپ کا پوچھ رہے تھے۔سلام کہہ رہے تھے۔!''

''اللہ تعالیٰ سب اچھا کرے، اس دن مارکیٹ گئی تھی تو ان کے لئے سردیوں کے کپڑے لئے تھے، مگر گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔اب تو ضروری جانا ہوگا۔!'' امی نے کہا۔ان کے انداز میں بہت پیار تھا۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ امی اور ماموں جان دو ہی بہن بھائی تھے۔امی بہت پیار کرتی تھیں ماموں جان سے، ماموں جان امی سے آٹھ برس چھوٹے تھے۔ممانی جان بھی امی کا بہت ہی خیال کرتی تھیں۔وہ بیک وقت امی جان کو ساس اور بڑی نند سمجھتی تھیں۔امی نے کبھی بھی انہیں خالی بھاوج نہیں سمجھا بلکہ واقعی حق نبھایا۔نانی اور نانا جان کے پے در پے انتقال کے بعد امی جان نے اپنا آبائی گھر ماموں جان کے نام کردیا تھا۔نانی جان کا سارا زیور بھی امی جان نے ماموں جان کو ہی دیا تھا کہ ان کی بیٹیاں ہیں۔ان کا حق زیادہ ہے۔مگر ماموں جان نے بھی حق نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔اور پھر یہ محبت اس اتفاق کے بعد اور بڑھ گئی تھی کہ امی جان کے دو بچے ہوئے یعنی نصرت اور میں، پھر خاندان میں ایک میں ہی واحد لڑکا تھا۔اس لئے مجھے بہت محبتیں ملی تھیں۔ہم سب ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے تھے۔

میں نے امی اور نصرت کے چہرے کی طرف دیکھا۔دونوں بہت خوش تھیں اور بڑی شدومد سے مختلف تاریخوں پر بات کررہی تھیں۔اس موقع پر میں نے انہیں ماموں جان کی کیفیت بتانا مناسب نہیں سمجھا۔امی بھی بہت جلدی پریشان ہوجاتی تھیں دوسرے یہ کہ مجھے ابھی تک صحیح طور سے یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ ماموں جان پریشان کیوں تھے؟۔

کیا ایسی بات تھی جو ان کی یہ کیفیت تھی۔ بظاہر روپے پیسے کا مسئلہ نہیں تھا۔ ماموں اچھی پوسٹ سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ سب کچھ تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر ہم لوگ تھے۔ مالی پریشانی ہوتی تو ہم سے پوشیدہ نہ رہتی۔ میں سوچتا رہا۔

''کن خیالوں میں گم ہے ہمارا بھیا۔؟'' نصرت نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''ابھی تو دلی دور ہے۔!''

''اچھا۔۔!'' میں نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔ ''تو پھر میں جا کر سو جاتا ہوں۔!''

''اب نیند آئے گی تم کو۔!'' نصرت ہنسی۔ ''بلکہ تم تو سوچو گے اپنی دلہن کے متعلق۔!''

''رہنے دو اب تمہاری پسند اتنی بھی پیاری نہیں۔!'' میں نے شرارتاً کہا۔

''اے خبردار جو تم نے ذرا بھی کچھ کہا۔!'' نصرت نے غصے سے آنکھیں نکالیں۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا۔ دروازے کی بیل ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہاں نصرت کے ساس سسر، ہاتھوں میں مٹھائی کا ڈبا لئے کھڑے تھے۔

''اسلام علیکم۔!'' میں نے بے حد حیرت سے انہیں سلام کرتے ہوئے کہا۔ ''آیئے اندر آ جایئے۔!''

''دیکھا ایسے ہوتے ہیں سعادت مند بچے۔!'' حلیمہ بیگم نے اندر آتے ہوئے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور جھپاک سے اندر آ گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے منیر صاحب بھی اندر داخل ہو گئے۔ مگر حلیمہ بیگم کے برعکس ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

ہم لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہی باتیں کر رہے تھے۔ لہذا میں اسی طرف چل پڑا۔ حلیمہ بیگم اور منیر صاحب بھی لاؤنج میں آ گئے۔

''اسلام علیکم!'' انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی بڑے تپاک سے امی کو سلام کیا۔ اور پھر زبردستی ان سے گلے بھی ملیں۔

نصرت نے بھی ان دونوں کو سلام کیا۔ اس مرتبہ حلیمہ بیگم نے اس کو نا صرف بڑے پیار سے جواب دیا بلکہ سر پر ہاتھ پھیر کے دعائیں بھی دیں اور پوچھنے لگیں۔ ''پنکی کہاں ہے۔؟''

''وہ سو رہی ہے۔!'' نصرت نے جواب دیا۔

''اے میں نے کہا ذرا باجی سے مل آئیں خیریت پوچھ آئیں۔!'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کہیں آپ نے ہماری بے وقت کی آمد کا برا تو نہیں مانا۔؟''

''کوئی بات نہیں۔ آپ کا گھر ہے۔!'' امی نے بڑے پر اخلاق لہجے میں کہا۔ ''اپنے گھر میں آنا وقت بے وقت کا کیا سوال۔'' امی نے جواب دیا۔ ''یہ بتایئے کہ کیا خدمت کی جائے، چائے کھانا سب ہی حاضر ہے۔!''

''لو جی دیکھو میں نا کہتی تھی کہ باجی کا دل بہت بڑا ہے۔ وہ کبھی کوئی بات دل میں نہیں رکھتی ہیں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے تھے۔!'' انہوں نے منیر صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ نہیں بولے بس سر ہلا کے رہ گئے۔

''اور تم کیسے ہو۔ ارسل بیٹا۔؟'' حلیمہ آنٹی کا رخ میری طرف ہو گیا۔ ''پڑھائی مکمل کرنے کے بعد کیا کر رہے ہو، کوئی جاب کا خیال ہے یا پھر کوئی تجارت وجارت کرنے کا ہے۔ ماشاء اللہ پہلے سے بہت اچھے نظر آ رہے ہو۔ اللہ بے

فکری قائم رکھے یہ سارا حسن تو بے فکری کا ہی ہوتا ہے۔!'' انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ طعنہ دے رہی ہیں۔طنز کر رہی ہیں یا حال چال پوچھ رہی ہیں۔ ان کی گفتگو کا درحقیقت کوئی بھی مطلب نکالا جاسکتا تھا۔''بس اللہ کا شکر ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔

''ماشاء اللہ ہماری صائمی نے بھی بی اے کرلیا ہے۔اے باجی آپ نے تو ہماری طرف آنا ہی چھوڑ دیا۔ ماشاء اللہ اتنی پیاری ہوگئی ہے کہ شاعر کا قول تو سچ ہی ہوگیا کہ اچھی صورت بھی کیا شئے ہے۔جس نے ڈالی بری نظر ڈالی۔!'' انہوں نے بے وقت اور بے تکا شعر پڑھا۔

نصرت اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اے کہاں جارہی ہو نصرت۔؟'' حلیمہ بیگم نے اسے مخاطب کیا۔''کھانے کی زحمت نہ کرنا، ہم لوگ کھانا کھا کے نکلے ہیں ہاں چائے پی لیں گے تمہارے ہاتھ کی۔اے باجی ذرا اپنی نصرت سے پوچھیں کیسی دانت کاٹی دوستی ہوگئی تھی دونوں نند بھاوج کی، ہر وقت کانوں میں منہ دیئے کھسر پھسر کرتی رہتی تھیں۔ اے تمہیں یاد ہے نا نصرت۔؟'' حلیمہ بیگم نے پوچھا۔

''جی۔۔!'' نصرت نے مختصر جواب دیتے ہوئے کہا۔''میں چائے لاتی ہوں۔!''

اچانک جیسے میری چھٹی حس بیدار ہونے لگی۔ مجھے لگا کہ ان کا اس بے وقت آنا اور اپنی صاحبزادی کی اس طرح تعریف کرنے کا یقیناً کوئی نا کوئی مقصد ضرور ہوگا۔ حالانکہ یہ صائمہ ہی تھی کہ جس نے ریاض بھائی کی المناک موت کے بعد سب سے پہلے نصرت کو منحوس ہونے کا طعنہ دیا تھا۔ بلکہ ریاض بھائی کی زندگی میں بھی اس نے ان دونوں کی ازدواجی زندگی میں زہر بھرنے کا کام پوری ذہانت سے سرانجام دیا تھا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ریاض بھائی کو غریق رحمت کرے، بہت سمجھ دار انسان تھے اور دوسرے نصرت خاموش مزاج تھی۔

''بات یہ ہے کہ بہن۔۔!'' امی نے کہنا شروع کیا۔''اللہ تعالیٰ بیٹیوں کا نصیب اچھا کرے۔تعلیم مکمل ہوگئی ہے تو پھر آئندہ اور بھی معاملات بہتر ہوجائیں گے۔!''

''سچ کہہ رہی ہیں باجی۔!'' حلیمہ بیگم نے امی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''ماشاء اللہ ڈھیروں رشتے آرہے ہیں انتخاب کرنا مشکل ہورہا ہے۔سوچا آپ سے بھی مشورہ لے لوں۔؟''

''جی۔۔؟'' امی نے بے حد حیرت سے پوچھا۔''مجھ سے کیا مشورہ لیں گی، رائے تو صائمہ سے لیجئے، اس نے زندگی گزارنی ہے باقی دنیا داری ہی کے حساب سے آپ اور بھائی صاحب دیکھ لیں۔!''

''دیکھا۔۔!'' حلیمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اپنے میاں منیر صاحب کی طرف دیکھا۔ جو بند آواز کے ٹی وی کو نہایت انہماک سے دیکھ رہے تھے۔''باجی تو جیسے ہر مشکل کا حل چٹکیوں میں نکال دیتی ہیں۔!''

اتنے میں نصرت چائے اور دیگر لوازمات ایک ٹرے میں لے آئی اور چیزیں سرو کرنے لگی۔

حلیمہ بیگم نے کہا۔''بہن آپ کی دعائیں شامل رہیں گی تو پھر ہماری صائمہ کی قسمت سنور جائے گی۔ سہاگ کی زندگی کا تحفظ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔!'' ان کی بات بے حد تلخ تھی۔نصرت کے ہاتھوں میں کپ لرز کر رہ گیا۔

''صحیح کہتی ہیں بہن۔!'' امی نے بڑی متانت سے کہا۔''یہ تو زندگی اور موت کے فیصلے ہیں۔ خدا کی مصلحت وہی بہتر جانتا ہے ورنہ دنیاوی معاملات اور جذبات کی عینک سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ جنہیں جانا چاہیے وہ بیٹھے ہیں۔ اور جنہیں نہیں جانا چاہیے وہ امر ربی کو پورا کرنے چلے جاتے ہیں۔ امر ربی جو ٹھہرا۔ اس میں دم مارنے کی مجال کہاں۔ تاب کہاں۔؟''

امی کی بات پر منیر صاحب کسمسا کر رہ گئے۔ مگر حلیمہ بیگم نے امی کے جملے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو صرف اپنی کہنا جانتے ہیں۔ اور بات کے ردعمل کے خطرناک نتائج کی پرواہ کئے بغیر صرف اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے اور حصول مقصد کے لئے تمام ذرائع استعمال کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔

وہ چائے پیتے ہوئے بولیں۔''دراصل ہم پہلے بھی آپ کے ہاں آئے تھے۔ لیکن اس وقت دھیان دوسری طرف ہی چلا گیا۔ منیر صاحب نے تو کہا تھا کہ ہم نصرت کو اوپر شفٹ کر دیتے ہیں پورشن بنا کر۔!''

''تو کیا پورشن بن گیا اتنی جلدی۔؟'' میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''اے میاں ارسل۔!'' حلیمہ آنٹی نے خلاف توقع اپنی بات میں میری مداخلت کا برا نہیں منایا۔''اے لو بھلا کوئی ہمارے پاس جنات ہیں جو راتوں رات پورشن کھڑا کر دیں گے۔ ہم لوگ تو کچھ اور بھی سوچ کے آئے تھے۔!'' انہوں نے بہت مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''ارسل۔!'' امی نے مجھے مخاطب کیا۔''تم ایسا کرو کہ ذرا پنکی کے صبح کے لنچ کے لئے کچھ لے آؤ۔ وہ کہہ رہی تھی مجھے برگر بنا کر دیں۔ دیکھو نصرت فرج میں شائد کباب ہیں یا نہیں۔!''

''جی۔۔!'' ہم دونوں ہی سمجھ گئے کہ امی ہمیں وہاں سے اٹھانا چاہتی ہیں۔ ہم دونوں ہی وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئے۔ مگر لاؤنج کچن سے دور ہی کتنا تھا کہ جو آوازیں آنا بند ہو جاتیں۔ اوپر سے حلیمہ آنٹی کی آواز ہی قدرتی طور پر کچھ بلند رہتی تھی۔

وہ سرگوشی بھی کرتی تھیں تو بات سامنے بیٹھے شخص کو صاف سنائی دیتی تھیں۔ اور وہ بڑے اطمینان سے کہتیں۔

''اے میاں کیا ہماری ہی باتوں کو کان لگا کے سنتے رہتے ہو جی۔؟''

''اے بہن بچوں کے سامنے بھی کی جا سکتی تھی بات، تم نے بلاوجہ ہی انہیں اٹھا دیا۔ ویسے کتنا اچھا ہے کہ تمہارے ایک ایک لفظ کیسے پر چلتے ہیں۔!''

''جی وہ کچھ آپ کہہ رہی تھیں۔!'' امی انہیں یاد دلایا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ پچھلی باری بات ادھر کی اُدھر نکل گئی تھی۔ منیر صاحب نے تو کہا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ رشتے داری میں اضافہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔!''

''آپ کس طرح رشتے داری میں اضافہ کرنا چاہتی ہیں۔؟'' امی نے کسی حد تک ان کا مطلب سمجھنے کے باوجود ان سے سننا مناسب سمجھا۔

''اے بہن بات یہ ہے کہ ہم لڑکی والے ہیں۔ پھر بھی منہ پھوڑ کے کہہ رہے ہیں کہ ہماری بیٹی صائمہ ماشاء اللہ

لاکھوں میں ایک ہے۔ ابھی سیکنڈ ڈویژن ہوتا ہے یا کیا گریڈ اس میں پورا بی اے پاس کرلیا ہے۔ بہن گھر میں بیری ہو تو پھر پتھر تو آتے ہی ہیں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ جو رشتہ ٹوٹ رہا ہے۔ اس کو نئے رشتے سے جوڑ لیا جائے۔!''

''لیکن رشتہ تو ٹوٹ ہی نہیں رہا۔!'' امی نے رسانیت سے کہا۔ ''یہ رشتہ تو خون کے دھاگے سے بندھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نصرت کو، پنکی کو سلامت رکھے، دادا دادی ہیں آپ لوگ، خون کا رشتہ کیسے ٹوٹ سکتا ہے۔؟''

''اے بہن۔!'' حلیمہ بیگم نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''ہر بار آپ بات کو ایسی جگہ لے جاتی ہیں کہ اصل بات ذہن سے ہی نکل جاتی ہے۔!''

''چلئے آپ اصل بات پہلے کرلیں۔!'' امی نے آہستہ سے کہا۔

''میں تو چاہتی ہوں کہ ارسل اور صائمہ کا رشتہ پکا ہوجائے، دونوں دیکھے بھالے ہیں، سعادت مند ہیں پھر ماشاء اللہ صائمہ میں ہر گن ہے۔ آپ کے گھر کو جنت بنا کر رکھے گی۔!'' بالآخر انہوں نے وہ بات واضح طور پر کہہ ہی دی جو ان کے دل میں تھی۔

امی ان کی بات سن کر خاموش رہیں۔

حلیمہ بیگم نے ان کی طرف دیکھا۔ امی کا چہرہ شائد انہیں بہت بے تاثر لگا۔ انہوں نے اپنے تئیں بہت خوش دلی سے کہا۔ ''اے بہن کیا سوچ رہی ہیں۔ سیانے کہتے ہیں کہ خاموشی رضا مندی ہوتی ہے۔ آپ کی خاموشی سے میں مطمئن ہوجاؤں۔؟''

''دراصل میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔ زندگی تو بچوں نے گزارنی ہوتی ہے۔ پہلے میں بچوں سے، اور بھائی سے مشورہ کرلوں پھر کوئی جواب دوں گی۔!'' امی نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اے بھائی سے کیا مشورہ کرنا وہ تو بھانجی ماریں گے، ان کی اپنی جو چار چار بیٹھی ہیں۔!'' حلیمہ بیگم نے چمک کر جواب دیا۔

''تو پھر پہلا حق تو ان کا ہوا نا۔؟'' امی نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اے باجی پھر تو یہ انکار ہی ہوا۔؟'' حلیمہ بیگم نے فوراً ہی پوچھا۔

''اصل میں آپ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ آپ ہر چیز خود ہی فرض کر کے اس کے ہونے کا یقین کرلیتی ہیں۔ حالانکہ ہر شئے ہر معاملے کے متعلق ہاں اور ناں دونوں رخوں سے سوچنا چاہیے۔ اور یوں بھی شادی بیاہ کے معاملات زبردستی ٹھونسے نہیں جاسکتے۔!''

''اے باجی اگر آپ کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی ہیں تو پھر میں بھی بغیر لگی لپٹی کہے دیتی ہوں برا لگے تو لگے۔!'' حلیمہ بیگم نے کہا۔

''ریاض کے جو واجبات ملے ہیں وہ ہمیں ملنا چاہئیں۔ آپ بلاوجہ دبا کر بیٹھ گئیں۔!'' بالآخر وہ پھٹ پڑیں۔

''واجبات پر صرف نصرت اور پنکی کا حق ہے۔ نصرت ریاض کی بیوہ ہے اور پنکی اس کی بچی۔!'' امی نے صاف صاف جواب دیا۔

''واہ بیٹا بھی ہمارا گیا۔اور دام بھی کوئی نہیں۔!'' حلیمہ بیگم نے چمک کے کہا۔

''کمپنی رولز کے مطابق کسی بھی شخص کے انتقال کے بعد اس کے تمام واجبات کا حق اس کی بیوہ کا ہوتا ہے۔اس میں ہمارا کیا قصور؟ اور رہ گیا بیٹا تو موت و زندگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔انسانوں کو دام سے نہیں اس کے گُنوں سے تولا جاتا ہے۔!''

''اے بہن ہمیں اخلاقیات کے سبق نہ پڑھاؤ۔ہمیں تو اس میں سے اپنا حق چاہیئے۔!'' حلیمہ بیگم ضد پر اتر آئیں۔

''بہن اب آپ بھی صاف صاف سن لیجئے۔ریاض کے مرنے کے بعد آپ نے جو سلوک میری بیٹی کے ساتھ کیا، اس پر میں نے آپ سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ میں نے اپنی بیٹی کو بیس تولے سونا، اور سترہ لاکھ کا جہیز دیا تھا۔اور آپ نے رات کی تاریکی میں میری بیٹی کو دو کپڑوں میں گھر سے نکال دیا تھا،جبکہ وہ آپ کے بیٹے کی بچے کی ماں بننے والی تھی۔اور اس سے بھی بڑھ کر وہ عدت میں تھی۔کہاں ہے میری بیٹی کا جہیز اور بیس تولہ سونا؟۔میرے پاس جہیز کے سامان کی لسٹ کی کاپی ہے جو آپ کے میاں صاحب نے دو گواہوں کے دستخط کے ساتھ وصول کی تھی۔ میں نے تو یہ سوچ کر کبھی کوئی حساب کتاب نہیں کیا کہ کبھی تو آپ کے دل میں پوتی کی محبت جاگے گی،مگر آپ تو اس کی پیدائش پر اسے دیکھنے ہاسپٹل تک نہ آسکیں۔اس لئے اب مجھ سے بھی کوئی توقع نہ رکھئے،رہ گئے آپ بیٹے کے واجبات کی رقم تو اس پر ازروئے قانون اور شریعت ان ماں بیٹی کا حق ہے اور پیسے میں نے پنکی کے نام فکسڈ کروادیئے ہیں۔اس لیے آئندہ ان معاملات پر کوئی بات نہ کیجئے گا۔!'' امی کا لہجہ اتنا دوٹوک تھا کہ حلیمہ بیگم یک ٹک ان کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر منیر صاحب کی آواز آئی۔''چلو بیگم۔۔!'' وہ معاملات کی نزاکت کو سمجھ گئے تھے۔مگر ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ جو بیوی کے آگے دم مارنے کی مجال تک نہیں رکھتے۔

''ٹھیک ہے بہن تمہاری مرضی۔!'' حلیمہ بیگم جیسے بجھ سی گئیں۔انہیں تو یقین ہی نہیں تھا کہ نرم مزاج امی اتنا دو ٹوک انداز اختیار کریں گی۔کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

''اچھا باجی ہم چلتے ہیں۔!'' انہوں نے کہا۔

''یہ مٹھائی واپس لیتی جائیں، جب دلوں میں کدورت اور تلخی بھری ہو تو پھر اس قسم کی مٹھاس بھی بیکار ثابت ہوتی ہے۔!''

وہ کچھ نہیں بولیں۔اور مٹھائی کا ڈبا لیتے ہوئے دونوں میاں بیوی رخصت ہو گئے۔

میں نے جا کر بیرونی دروازہ بند کیا۔اور امی کے پاس آ گیا۔نصرت بھی امی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

''حلیمہ آنٹی کے متعلق آپ نے بالکل درست تجزیہ کیا امی۔!'' میں نے کہا۔''وہ خود سب کچھ فرض کر لیتی ہیں۔!''

''امی سر دبادوں۔!'' نصرت نے کہا اور اٹھ کر امی کا سر دبانے لگی۔

''امی آپ نہ پریشان ہوں۔!'' میں نے امی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''میں پریشان نہیں ہوں۔!'' امی نے جواب دیا۔''میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ حلیمہ بیگم ایک سطحی سوچ کی

خاتون ہیں۔ جب بولنے پر آتی ہیں تو بولتی چلی جاتی ہیں۔ پتا نہیں اس انکار کو وہ کیا کیا رخ دیں۔؟''

''امی جو بات ممکن ہی نہیں تھی اس کا ان کو آج بھی دوٹوک جواب دینا تھا اور کل بھی۔ اس لئے زیادہ مت سوچیں۔!''

نصرت نے کہا۔''کہنا تو نہیں چاہیے لڑکی ذات ہے۔لیکن صائمہ تو مزاج میں حلیمہ آنٹی سے بھی کئی ہاتھ آگے ہے۔جس قسم کا سلوک اس نے میرے ساتھ روا رکھا یہ میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔ وہ تو اللہ جنت بخشے ریاض بہت اچھے تھے۔''نصرت کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

''ارے تو تم کیوں رونا شروع ہوگئیں۔؟'' میں نے اسے گھرکا۔''ایسے لوگوں پر آنسوؤں کو ضائع کرنے سے کیا حاصل جو جذبات کی قدر و قیمت ہی نہیں سمجھتے۔!''

''چلو اب تم لوگ بھی جا کر سو جاؤ۔کافی رات ہوگئی ہے۔!'' امی نے کہا۔

''جی بہتر۔۔!'' ہم دونوں اٹھ کر امی کو سلام کر کے اپنے اپنے کمروں میں آ گئے۔

☆☆☆

صبح میری آنکھ کھلی تو تقریباً نو بج رہے تھے۔ میں نے فون آن کیا ہی تھا کہ بیل ہونے لگی۔ اشعر کا نمبر اسکرین پر روشن تھا۔

''اسلام علیکم!'' میں نے کہا۔

''کیا بات ہے کیا گھوڑے،گدھے سب بیچ کر سو رہے تھے۔!'' دوسری طرف سے اشعر نے سوال کیا۔

''نہیں ایک گدھا رہ گیا تھا جس سے مخاطب ہوں۔!''

''کیا بات ہے بڑے خوش لگ رہے ہو۔!'' اشعر ہنسا۔

''تم سناؤ کیا حال کیا چال ہیں۔؟''

''بولو کوئی خاص کام ہے تو میں آجاتا ہوں یا تم آجاؤ۔!'' میں نے کہا۔

''اچھا تم تیار رہو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔!'' اشعر نے جواب دیا۔ اور فون بند کر دیا۔

میں نہانے گھس گیا۔تھوڑی دیر میں جب میں باہر نکلا تو ناشتا تیار تھا۔ میں امی کے پاس بیٹھ کر ناشتا کرنے لگا۔

''امی اشعر آرہا ہے۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔!''

''ٹھیک ہے۔!'' امی نے جواب دیا۔''ذرا رضوان سے کہنا کہ مجھے مل لے اور تم پلاٹ کو بھی دیکھ لینا۔ وہاں کوئی بورڈ لگا ہے اس پر نمبر ہے مالک کا۔!''

''جی بہتر ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔

ہم میں سے کسی نے بھی رات کے متعلق بات نہیں کی۔

تھوڑی دیر میں ڈور بیل ہوئی میں نے دروازہ کھولا،سجا بنا اشعر کھڑا تھا۔

☆☆☆

تھانوں میں تفتیش تو راتوں کو ہوتی ہے

''کیا بات ہے کیا دولہا بننے کی پریکٹس کر رہے ہو۔!'' میں نے اشعر کو دیکھ کر پوچھا۔

''ارے مابدولت تو ہمہ وقت دولہا بنے ہوتے ہیں، بس دیکھنے والی نظر چاہیے ہوتی ہے۔!''

''ان زریں خیالات کا شاہانہ کو معلوم ہو گیا تو پھر تمہاری چندیا صاف ہو جائے گی۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ذرا اس شان نزول کا سبب بھی بیان ہو جائے۔!''

''ابھی اندر چلتے ہیں، بیٹھتے ہیں، کچھ جل پان کرتے ہیں بچہ، اس کے بعد ہم اوش وجہ بھی بتائیں گے۔!'' وہ ٹی وی ڈرامے کی نقل کرنے لگا۔

مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

وہ اندر آیا تو نصرت برتن اٹھا رہی تھی۔ اس نے امی کو سلام کرتے ہوئے نصرت سے کہا۔'' آج اپنے ہاتھوں کا انڈہ پراٹھا کھلاؤ۔!''

''ضرور بھیا۔!'' نصرت نے مسکرا کے کہا۔''تم بیٹھو ابھی پانچ منٹ میں بنا دیتی ہوں۔!''

''کب شادی کا پروگرام ہے۔؟'' امی نے اشعر سے پوچھا۔

''انکل تو دو مہینے کے بعد کا کہہ رہے ہیں، اب دیکھئے امی اور پاپا کیا فیصلہ کرتے ہیں۔!'' اشعر نے جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔!'' امی نے دعا دی۔

''خالہ جان اب اس بیل کا بھی بندوبست کر دیجئے۔!'' اشعر نے ہنس کر میری طرف اشارہ کیا۔

''اچھا۔!'' امی مسکرائیں اور میری طرف دیکھا۔''چلو اس کا بھی بندوبست کر دیتے ہیں۔!''

''اس کا مطلب ہے کہ خالہ جان آپ نے کچھ سوچ لیا ہے۔!'' اشعر نے لمحے بھر میں امی کے لہجے سے اندازہ لگا لیا۔

''دو ایک رشتے تو آئے ہیں، اب دیکھو اللہ تعالیٰ بہتری فرما دے۔!'' امی نے سرسری لہجے میں کہا۔

''زبردست۔!'' اشعر ہنسا۔''یہ تو بڑی زبردست خبر ہے۔!''

''اچھا تم لوگ باتیں کرو، میں ذرا تھوڑا سا گھر کا کام نبٹا لوں۔!'' امی نے کہا اور ٹی وی لاؤنج سے باہر چلی گئیں۔

''کمینے تو نے مجھے بتایا بھی نہیں کہ تیرا رشتہ طے ہو رہا ہے۔!'' اشعر نے ایک زوردار گھونسا میری پیٹھ پر رسید کیا۔

''بتا کون ہے وہ۔کیسی ہے۔کیا شکل وصورت ہے۔کیا حدود اربعہ ہے۔کیسی لگتی ہے۔کیسی دکھتی ہے۔کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے اور کیوں کرتی ہے۔سب کچھ ہمارے گوش گزار کرو فوراً سے پیشتر۔!''

''اچھا جی مابدولت۔!'' میں نے اس کے انداز پر ہنستے ہوئے کہا۔''قصہ اس اجمال کا یہ ہے کہ کوئی امی کی بچپن کی سہیلی ہیں۔فرخندہ آنٹی ابھی یوکے سے آئی ہیں۔امی کی ملاقات ہوئی ان کی بیٹی ہے مہوش، جو امی کو پسند آئی ہے۔!''

''نام تو پیارا ہے۔شکل بھی پیاری ہوگی اور پھر تم بھی اتنے پیارے ہو خوشبودار۔!'' وہ خوش ہو گیا۔

اتنے میں نصرت ناشتا لے آئی،گرما گرم پراٹھے،انڈے اور چکن قورمہ۔''مزہ آ گیا۔!'' وہ آستین چڑھا کر بیٹھ گیا۔

''یہ تم کھانے کا پروگرام بنا رہے ہو یا دنگل کا۔؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم کھانے سے انصاف کرنے جا رہے ہیں۔اے فریادی خبردار جو اس نیک کام میں مداخلت کی، یا اس میں حصہ بٹانے کی کوشش کی۔''

''بے فکر رہو میں نے ابھی ابھی تگڑا سا ناشتا کیا ہے۔چائے تو ضرور ہی پیوں گا۔!'' میں نے کہا۔

نصرت ہماری باتیں سن کر ہنسنے لگی۔

ان ہی دلچسپ باتوں میں ناشتا ختم ہو گیا۔ناشتے کے بعد ہم دونوں باہر نکل آئے۔''یار وہ ذرا رضوان بھائی کے سٹور کی طرف چلنا ہے۔!'' میں نے کہا۔

''کیوں کوئی سودا سلف لینا ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''امی نے رضوان بھائی کو بلایا ہے۔!'' میں نے کہا۔

''کیا پلان کر رہے ہو۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''یار کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔''امی کا خیال ہے کہ رضوان بھائی کے ساتھ مل کر ڈپارٹمنٹل سٹور کھول لیا جائے،کم از کم اس میں سرمائے کے ڈوبنے کا امکان تو نہیں ہوتا۔!''

''بہت اچھا آئیڈیا ہے۔'' اشعر نے فوراً ہی کہا۔''میں اس میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟''

''تم۔۔!'' میں نے سوچا اور پھر اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آ گیا۔''تم کیا کر سکتے ہو ابھی دکھاتا ہوں۔!''

اتنی دیر میں رضوان بھائی کا سٹور آ گیا۔رضوان بھائی حسب معمول کیشن کاؤنٹر پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے انہیں امی کا پیغام دیا تو وہ بولے۔''میں ابھی جاتا ہوں۔اس وقت رش بھی نہیں ہے۔!''

میں باہر آ گیا اور میں نے تھوڑی دور مین روڈ پر اشعر کو وہ پلاٹ دکھایا جو امی نے مجھے کہا تھا۔اس پر ایک بورڈ پر کسی اسلم صاحب کا نمبر لکھا تھا جو شائد مالک یا اسٹیٹ ایجنٹ رہا ہوگا۔

''یار امی چاہتی ہیں کہ یہ پلاٹ لیکر اس پر ڈپارٹمنٹل اسٹور بنا لیا جائے اور اس میں رضوان بھائی کو بھی ساتھ

رکھا جائے انہیں تجربہ بھی ہے۔اور ویسے بھی اتنا بڑا پروجیکٹ تنہا نہیں چلایا جاسکتا۔!''

''یار خالہ جان کا آئیڈیا تو ہے ہی زبردست۔اور ساتھ ساتھ یہ لوکیشن بھی ہٹ ہونے والی ہے۔آس پاس دیکھو، پارکنگ کا بھی مسئلہ نہیں ہے۔رہ گئی اس پر کنسٹرکشن کا معاملہ تو وہ میں کردونگا۔!'' اشعر نے فوراً ہی تجویز دی۔

''میں تو یہی چاہتا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا۔

''پاپا کا شکوہ بھی دور ہوجائے گا کہ میں ان کے بزنس میں ہاتھ نہیں بٹاتا۔!'' وہ بھی پرجوش ہوگیا۔

''وہ سب تو ہوجائے گا۔لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے کہاں چلنا ہے۔وہ کیا معاملہ تھا جو تم نے صبح صبح ہی اتنا شور مچا دیا۔!'' میں نے پوچھا۔

''یار وہ امی چاہتی ہیں کہ جلدی سے شادی کی تاریخ طے ہوجائے خود شاہانہ کے والد بھی یہی چاہتے ہیں۔مگر یار کیا اتنی جلد بازی مناسب ہے۔؟''

''جب سب بڑے یہی کہہ رہے ہیں تو پھر اس میں تردد کی کیا بات ہے۔؟'' میں نے کہا۔

اس سے پہلے کہ اشعر کوئی جواب دیتا۔میرا موبائل فون بجنے لگا۔میں نے دیکھا تو اسکرین پر ماموں جان کا نمبر روشن تھا۔

ماموں جان عموماً مجھے فون نہیں کرتے تھے۔میں نے فون ریسو کیا۔دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہیلو یہ ارسل کا نمبر ہے۔؟''

''جی ہاں مگر آپ کون۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تھانے دار شفیق خان بول رہا ہوں۔تو صیف تمہارے ماموں ہیں۔؟'' تھانے دار شفیق خان کی کرخت آواز آئی۔''فوراً تھانے پہنچو۔!''

''اچھا میں آرہا ہوں۔!'' میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

''خیریت کیا ہوا۔؟'' اشعر نے پوچھا۔''تمہارے منہ پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔؟''

''مسئلہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔لیکن تو صیف ماموں کے متعلق کسی تھانے دار شفیق خان کا فون آیا ہے۔ماموں جان اس وقت تھانے میں ہیں۔؟''

''لیکن ہوا کیا۔؟'' اشعر نے پریشانی سے پوچھا۔''کچھ تو اس نے بتایا ہوگا۔!''

''نہیں بس ادھر ہی چلتے ہیں۔!' میں نے کہا اور اشعر نے گاڑی کا رخ ماموں کے گھر کی طرف موڑ دیا۔اشعر کو ماموں جان کا گھر معلوم تھا۔اور تھانہ وہاں سے تھوڑی دور ہی واقع تھا۔

تھوڑی دیر میں ہی ہم لوگ تھانے جا پہنچے۔محرر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شفیق خان اس وقت کسی ملزم سے تفتیش کررہے ہیں اس لئے ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔

''لیکن تھانوں میں تفتیش تو راتوں کو ہوتی ہے۔!'' اشعر نے ہنس کر کہا۔''یہ دن میں کیوں ہورہی ہے اوور ٹائم ہورہا ہے کیا۔؟''

محرر نے کوئی جواب نہیں دیا اور برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے انتظار کے بعد تھانے دار ایک دروازے کے عقب سے برآمد ہوا۔ اس کے چہرے پر سارے جہاں کی تھکن چھائی ہوئی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ چق اٹھا کر سامنے کے کمرے میں گھس گیا۔ ساتھ ہی آواز سنائی دی۔ ''اوئے ذرا کڑک دودھ پتی منگا ساتھ کچھ کھانے کو۔!''

''جی صاحب۔!'' محرر نے اپنی سیٹ پر ہی کھڑے ہو کر سیلوٹ مارا اور جواب دیا۔

اشعر نے میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کے تھانے دار کے کمرے میں چق اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ تھانے دار بڑے آرام سے جوتوں سے پاؤں نکالے میز پر رکھے بیٹھا تھا۔ سر اس نے پیچھے لگایا ہوا تھا سیٹ کی پشت سے ، پورے کمرے میں موزوں کی بدبودار باس پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے ہمیں اندر آتے دیکھ کر کسی قسم کی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اپنے پیر میز سے نیچے اتارنے کی زحمت کی، بلکہ ہمیں اپنی نیم وا آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ ہم دونوں اس کے سامنے چند لمحے تک کھڑے رہے، پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

وہ ہمیں دیکھتا رہا۔ کمرے میں تھوڑی دیر اعصاب شکن خاموشی طاری رہی، پھر میں نے پوچھا۔ ''توصیف صاحب کدھر ہیں اور انہیں کیوں یہاں لایا گیا ہے۔!''

''تم کون ہو۔؟'' اس نے بدستور اسی انداز میں بنا حرکت کئے سوال کیا۔

''میں ارسل ہوں۔ توصیف صاحب کا بھانجا۔ وہ میرے ماموں ہیں۔ مسئلہ کیا ہے۔؟''

''مسئلہ۔۔ہا۔!'' اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ کون ہے۔ اس کے سامنے بتاؤں یا اکیلے میں۔؟''

''کیا مطلب۔۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ اور ساتھ ہی ایک عجیب سی سنسناہٹ میری ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

''بادشاہو۔۔!'' شفیق خان بولا۔ ''تھانے میں نستعلیق قسم کی گفتگو نہیں چلتی، نا ہی ادھر آداب و تعلقات چلتے ہیں۔ ایک ہی چھتر میں تہذیب و تمدن ناک کے راستے بہہ نکلتا ہے۔!''

''تھانے دار ہمیں تھانے کے آداب نہ سکھاؤ، ہم کوئی بچے نہیں ہیں۔ اسٹوڈنٹ لیڈر ہوں۔ ایک فون کروں گا تو ساری یونیورسٹی کے لڑکے یہاں آ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں فضول ڈراؤں میں نہ الجھاؤ سیدھی طرح بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے۔؟'' اشعر نے دفعتاً بھڑکتے ہوئے کہا۔ اس کا یہی انداز تھا۔ جب اس کو غصہ آ جائے تو پھر وہ سامنے کبھی نہیں دیکھتا تھا کہ کون ہے اور کیا ہے۔ پھر سٹوڈنٹ لیڈر ہونے کی وجہ سے وہ ویسے ہی ہر معاملے میں بہت منہ پھٹ تھا۔

''اچھا جی لیڈر صاحب ہم ڈر گئے اور ڈراؤ۔!'' تھانے دار کے انداز میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ ''کیا کرو گے جی۔ کیا کیا ہم نے تمہارے ساتھ۔ کوئی گستاخی کی ہے۔ مارا ہے، پیٹا ہے، اذیتیں دی ہیں کیا کیا ہے بتاؤ۔!'' وہ اچانک چلایا۔ اور پھر ہاتھ میں پکڑا ہوا رولر پوری قوت سے میز پر مارا۔ رولر دھپ کی آواز کے ساتھ میز کی سطح سے

ٹکرایا۔ اور میز پر رکھا ہوا پیپر ویٹ گھوما اور ہل گیا۔ کامن پنز اور صبح کی خالی پیالی زوردار آواز سے بج اٹھی۔

''کیا ہے کہ جی یہ رولر اگر بندے کی کمر پر پڑے تو واپسی میں وہاں سے کچھ کھال کے ٹکڑے کچھ خون، کچھ بال وغیرہ اکھاڑے لاتا ہے۔ نشان چھوڑ آتا ہے جو چند ہی لمحوں میں وہاں ایک جلتی لکیر بنا دیتے ہیں۔ پھر ہم اس لکیر میں نمک ڈال دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جی کہ زخموں پر نمک چھڑکنا، یقیناً کسی پولیس والے کی یہ حرکت کسی ادیب، شاعر نے دیکھ لی ہوگی تب ہی اس نے یہ تلملاتا محاورہ کہا۔!'' شفیق خان نے ہماری طرف غور سے دیکھا۔

''کیا کرتے ہو جی آپ لیڈری کے علاوہ اور یہ دم چھلا۔؟'' اس نے اشعر پر نظر ڈال کر مجھ پر نگاہ ڈالی۔ ''کیا کیا خدمات ہیں اس کی لیڈر صاحب کی حرامزدگیوں کا حساب رکھنا، اور چمچوں کو پولیس سے چھڑوانا۔؟''

مجھے لگا کہ بات غلط رخ پر جانے لگی ہے۔ تھانے دار شفیق خان شائد کوئی نفسیاتی قسم کا افسر تھا جن کی عزت نفس کو کسی بھی چیز سے ٹھیس پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ ہماری عام سی گفتگو کو بھی نجانے کن حوالوں سے پرکھ اور سمجھ رہا تھا۔

''میں نے کہا۔'' تھانے دار صاحب ناراضگی جانے دیجئے۔ مجھے بتایئے کہ توصیف ماموں کو آپ نے کس وجہ سے یہاں رکھا ہوا ہے۔؟''

''یہ ہوئی نہ بات۔!'' شفیق خان نے کہا۔ ''اس طرح بات کرتے ہیں۔ بہت ٹھہر ٹھہر کے، بہت چپکے چپکے، سرگوشیوں کی طرح۔ یہ تھانہ ہے یہاں ہوا بھی گزرتی ہے تو ہم سے پوچھ کر، وہ بھی یہاں کی چیخوں کی آواز باہر نہیں لے جاتی۔!''

میں چپ رہا۔ شفیق خان کا محرر چائے اور اس کے ساتھ ایک بڑا سا مکھن بند بھی لایا اور میز پر رکھ کر سلوٹ مار کر چلا گیا۔ شفیق خان سیدھا ہوا اور پیرا تار کر نیچے رکھ لئے۔

''تمہارے توصیف ماموں یعنی کہ ماموں جان ایک لڑکی کے چکر میں یہاں بند ہیں۔ وہ لڑکی کی شادی میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ دو دل ملنے سے روک رہے ہیں۔ وہ جی جانتے ہی نہیں کہ اب عورتوں کو تنگ کرنے پر، زبردستی شادی کرنے یا روکنے پر عورتوں کی حمایت میں بل پاس ہوگیا ہے جی۔!''

''کیا۔۔؟'' مارے حیرت کے میرے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔

''وہ جی کیا کہتے ہیں کہ شکل مومناں۔ کرتوت کافراں، تو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ جی کون کون مومنوں کے بھیس میں عیاریاں کرتا پھر رہا ہے۔ رپورٹ لکھوائی ہے جی مقصود نے کہ وہ شادی کے معاملے میں رخنہ اندازی کر رہے تھے۔ کہیں سے پستول لائے تھے۔ بغیر لائسنس کا ہتھیار، نامعلوم دہشت گردوں سے ہی لیا ہوگا۔ جی لمبی جائے گی تفتیش کی گاڑی۔ ہر اسٹیشن پر رکتے رکاتے، پوچھتے پچھاتے بذریعہ ضرب و تقسیم۔!'' وہ بیک وقت ہمیں ڈرا بھی رہا تھا اور اشاروں کنائیوں میں تفتیش کی اذیت سے بچنے کے لئے رشوت کی ترغیب بھی دے رہا تھا۔

''لیکن کیس کی نوعیت کیا ہے۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''لو جی ساری داستانِ یوسف سننے کے بعد کہہ رہے ہو کہ جی زلیخاں کون تھی۔!'' تھانے دار شفیق خان ہنسا۔ اس کی گھنی مونچھیں بڑے زور سے ہلیں۔ اس نے بڑا سا منہ کھول کر مکھن بند کا نصف چوتھائی منہ میں بھرا، اور اوپر سے

چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ لیا۔

''تھانے دار صاحب میں ماموں سے ملنا چاہتا ہوں۔؟'' میں نے نرمی سے کہا۔

''لو جی بھلا میں نے کب روکا ہے۔؟'' اس نے حیرت سے آنکھیں نکالیں۔''قیدی کا اپنے لواحقین سے ملنا تو جی قانونی حق ہے۔؟''

''تم نے ابھی سے فردِ جرم عائد کردی۔؟'' اشعر نے کہا۔

''اچھا تو پھر کب سے کریں۔؟'' شفیق خان کچھ عجیب سا تھانے دار تھا۔ بظاہر کٹ حجتی چنچنا تا، مگر بہت ٹھنڈا، بہت کائیاں۔

''دیکھئے تھانیدار صاحب ہم آپ کے اختیار کو چیلنج کرنے نہیں آئے ہیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی کہ آپ ہمیں ملاقات کی اجازت دیدیں۔!'' میں نے نرمی سے کہا۔

''حیدر خان۔!'' شفیق خان نے کسی کو بلند آواز سے پکارا۔ دوسرے ہی لمحے ایک سپاہی نے چق اٹھا کر انٹری دی اور سیلوٹ مارا۔

''جاؤ ان کی ملاقات کراؤ۔!'' اس نے ہماری طرف اشارہ یا۔ ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سپاہی حیدر خان کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔ حیدر خان ہمیں لیکر سیڑھیوں سے نیچے اتر کر، بیسمنٹ میں لے آیا۔ سیڑھیاں اترتے ہی نیم تاریکی کا احساس ہونے لگا۔ اندر سیڑھیاں اترتے ہی ایک بڑا سا ہال تھا۔ جن میں چند کرسیاں اور ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ اس کے اوپر ایک پیلا کمزور سا بلب، زرد روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہال میں دائیں جانب کوٹھریوں کی ایک قطار سی دکھائی دے رہی تھی۔ جن میں لوہے کے جنگلے نما دروازے لگے ہوئے تھے۔ انہی کوٹھریوں میں ایک کے سامنے حیدر خان رکا اور چلایا۔''قیدی توصیف تمہاری ملاقات آئی ہے۔!''

کوٹھری کے فرش پر ماموں جان سر جھکائے گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھے تھے۔ میرے دل پہ ایک گھونسہ سا لگا۔

حیدر خان نے دروازے کا تالا کھولا اور بولا۔''جاؤ جا کر ملاقات کرلو۔!'' اور پھر آہستہ سے میرے کان میں بولا۔''تھانے دار بہت نرم دل آدمی ہیں۔ ابھی انہوں نے قیدی کو اپنا ہی قیدی رکھا ہے۔ سرکاری نہیں بنایا۔ تم کچھ کوشش کرلو اور جان چھڑالو۔ قانون کے چکر میں پڑ کر بڑے میاں کی زندگی خراب نہ کرنا۔!''

وہ کندھے اچکا کر ایک جانب چلا گیا۔

''ماموں جان۔!'' میں نے تیزی سے ماموں جان کو جا کر ہلایا۔

انہوں نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں بہت بے تاثر اور خالی خالی سی تھیں۔ جیسے وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پڑھے لکھے، زندگی کو آداب قرینے سے گزارنے والے ماموں توصیف پر جو بھی افتاد پڑی تھی اس نے اور پھر تھانے کے ماحول نے ان سے جیسے سدھ بدھ ہی چھین لی تھی۔

''تم۔۔تم۔۔آ گئے۔۔ارسل۔۔!'' چند لمحوں کے بعد ان کے ہونٹوں سے بڑی مدھم سی آواز نکلی۔

''میں بھلا کیوں نا آتا۔؟'' میں نے انہیں بازوؤں سے پکڑ کے اٹھایا۔ اور انہیں ہال میں پڑی کرسیوں کے پاس

لے آیا۔ اور انہیں کرسی پر بٹھایا۔

''کیا انہوں نے آپ کو مارا پیٹا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں چوٹیں تو وہاں آئی تھیں۔!'' انہوں نے کہا۔

''کہاں۔۔ کیا ہوا۔۔ مجھے بتایئے۔؟'' میں نے انہیں دلاسہ دیا۔

انہوں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ میں سمجھ گیا کہ انہیں پیاس لگی ہے۔ میں نے تھوڑی دور کھڑے حیدر خان کو بلایا اور اسے پانچ سو کا نوٹ دیکر کہا کہ تین بوتلیں لے آئے۔ وہ نوٹ لیکر فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

میں نے ماموں جان سے پوچھا۔ ''کیا کوئی ایف آئی آر لکھی ہے انہوں نے یا پھر ایسے ہی پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔؟''

''کیا بتاؤں۔!'' وہ بے بسی سے بولے۔ ''تقدیر نے یہ دن بھی دکھانا تھا۔ کاش بے اولاد ہی رہتا تو اچھا تھا۔!''

اچانک اشعر اٹھا اور ٹہلتا ہوا ہال کے آخری حصے کی طرف چلا گیا۔ وہ یقینی طور پر ہمیں باتیں کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔

''ماموں جان یہ لڑکی کا قصہ کیا ہے۔ کس کی شادی آپ رکوا رہے تھے اور کیوں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''بتاؤں۔۔؟ سن سکو گے۔؟'' وہ جیسے ہذیانی لہجے میں بولے۔ اور اچانک رونے لگے۔

عین اسی وقت حیدر خان بوتلیں لئے نیچے آیا۔ اور اس کے پیچھے تھانے دار شفیق خان بھی تیزی سے آیا۔

''لو بھئی بھلا یہ کیا بات ہوئی۔ بندہ آتا ہے تو اپنا تعارف بھی کراتا ہے۔ ہیں جی۔؟'' اس کے انداز میں بڑا تپاک تھا۔ یوں جیسے ہم اس کے بہت ہی عزیز جاننے والے ہوں۔

''اپنے تھانے دار جی تم نے ہمیں موقع کہاں دیا کہ ہم تعارف کراتے، داستان یوسف تو تم سناتے رہے۔!'' اشعر نے کہا۔

''لو جی بھلا بندہ ٹوک نہ سکتا ہے باتوں میں۔؟'' اس نے فوراً جواب دیا۔ ''چلو جی اوپر چلو میرے کمرے میں۔ چل حیدر تو صیف صاحب کو اوپر لے چل، اور ہاں ذرا دودھ پتی والی چائے بنوا۔ اور اپنے تو صیف صاحب کی خاطر بھی کر، اپنے ارسل کے ماموں ہیں تو جی اپنے بھی تو ہیں۔!'' تھانے دار شفیق خان نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

مجھے تھانے دار کی کایا پلٹ پر بہت حیرت ہوئی۔ میں نے اشعر کی طرف دیکھا۔ وہ ہنس پڑا۔ تھانے دار شفیق خان بھی ہنس پڑا۔

چند ہی لمحوں میں ہم تھانے دار شفیق خان کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ بڑی اپنائیت سے گفتگو کر رہا تھا۔

''جی آپ تو بڑے لوگ ہیں۔ ہمارا بھی خیال کریں۔ ہمیں تو جی بندے کے بشرے سے پتا چل جاتا ہے کہ کون ہے۔ کیا ہے؟۔ دیکھ لیں جی ابھی تک ایف آئی آر درج نہیں کی۔ خاندانی لوگوں کو جی بستہ الف، ب کے ساتھ تو نہیں کھڑا کر سکتے۔ ہیں جی۔!''

''ویسے کسی کو تھانے میں بغیر ایف آئی آر رکھنا غیر قانونی ہوتا ہے نا کیا دفعہ لگتی ہے اس پر؟۔ اپنے اختیارات

سے تجاوز کرنا، ڈرانا دھمکانا، غنڈہ عناصر کی سرپرستی کرنا۔!'' اشعر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اچھا جی۔۔!'' تھانے دار نے حیرت سے کہا۔''یہاں تو کوئی آیا ہی نہیں۔کوئی روزنامچہ، کوئی ایف آئی آر تو ہے ہی نہیں۔کوئی تو آپ کے توصیف ماموں جان کو یہاں پہچانتا نہیں۔!'' وہ مکاری سے مسکرایا۔''ایف آئی آر درج ہوجاتی تو کیا آپ اتنی آسانی سے چلے جاتے۔؟''

''لیکن ابھی تک تم نے کیس کی نوعیت نہیں بتائی۔!'' میں نے پوچھا۔

''ادھر تھانے میں ہی شرافت کے بخیے ادھیڑو گے یا کچھ کام گھر کے لئے بھی رہنے دو گے۔!'' اس نے توصیف ماموں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔''گندے پوتڑوں کو گھر میں دھولو، نہ میل پر نظر پڑے گی اور نہ ہی بدبو کا احساس دوسروں کو ہوگا۔!'' وہ معنی خیز نگاہوں سے ماموں جان کی طرف دیکھ کر بولا۔پھر دوبارہ اشعر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔''خیال رکھئے گا میرا۔!''

اشعر نے پرس کھولا اور پانچ ہزار کا ایک نوٹ ٹیبل پر رکھا۔''شام کو گھر جانا تو بھابھی اور بچوں کے لئے مٹھائی لیتے جانا۔!''

''ارے اس تکلف کی ضرورت کیا ہے۔؟'' اس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر نوٹ جیب میں منتقل کیا۔

''خدا حافظ۔۔!'' ہم لوگ توصیف ماموں کو لیکر باہر نکل آئے۔ ماموں جان بالکل خاموش تھے۔انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا تھا کسی بھی معاملے میں۔ اشعر خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ ماموں توصیف کے گھر پر اس نے گاڑی روکی۔ میں اور ماموں جان نیچے اترے۔ ماموں جان اندر چلے گئے۔ میں نے اشعر سے پوچھا۔''کیا کیا تھا تم نے جو تھانے دار کا رویہ اچانک بدل گیا۔؟''

''بھئی ہمارے سسر نامدار رانا شمشیر جنگ آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ان کو میں نے کہا کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں اور کون سا تھانہ ہے۔انہوں نے کہا ٹھیک ہے اور سب ٹھیک۔تم نے دیکھ لیا۔!'' وہ ہنسا پھر اچانک سنجیدہ ہوکر بولا۔ ''میں جارہا ہوں۔اس وقت شائد میری موجودگی میں ماموں کھل کے بات نہ کرسکیں۔تم اطمینان سے ساری صورت حال کو جاننا اور سمجھنا۔ میرا خیال ہے کہ شائد یہ کوئی گھریلو معاملہ ہے۔مگر تم بھی آپے سے باہر نہ ہوجانا۔!'' اس نے مجھے سمجھایا۔

''کیا مطلب۔۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ماموں جان کو تسلی دو جاکر۔!'' اس نے بات ٹالی۔''میں جارہا ہوں مجھے بعد میں ساری صورت حال بتانا۔!'' اشعر نے کہا اور گاڑی ریورس کرکے چلا گیا۔

میں چند لمحے وہیں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر گھر کے اندر داخل ہوگیا۔

ماموں جان اپنے کمرے میں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، اور سب سے چھوٹی رابعہ ماموں جان کا سر دبا رہی تھی۔نیلوفر گرم پانی سے ماموں جان کے پیروں میں ٹکور کررہی تھی۔

مگر وہ سب اس قدر خاموش تھے کہ مجھے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔شوخ رابعہ اور شرارتوں سے بھری نیلوفر کے

چہرے سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے خدانخواستہ گھر میں کوئی مرگ ہوگئی ہے۔ اور ان سب میں، سب سے زیادہ پریشان ممانی جان تھیں۔ جو سسکیاں بھر بھر کے رو رہی تھیں۔

''کیا بات ہے خدا کے لئے کچھ مجھے تو بتایئے۔؟'' میں نے ممانی جان کے پاس بیٹھ کر کہا۔ پتا نہیں میرے سوال میں ایسا کیا تھا کہ وہ میرے کندھے پر سر رکھ کے بلک بلک کے رونے لگیں۔

''بیٹا۔۔کچھ نہیں بچا۔۔سب ختم ہوگیا۔۔۔!'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولیں۔

''خدانخواستہ ایسا مت کہیں امی، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کا سایہ ہمارے اوپر سلامت رکھے۔!'' نیلوفر نے جلدی سے کہا۔

اتنے میں شرمین چائے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اچانک مجھے کسی کمی کا احساس ہوا۔ ہاں رامین کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے پوچھا۔''رامین کہاں ہے۔نظر نہیں آرہی۔!''

''مت نام لو اس کا۔مرگئی ہمارے لئے۔۔!'' اچانک ممانی جان بھڑک کے بولیں۔''ذلیل کردیا اس نے ہمیں۔!''

''کیا۔۔۔؟'' میرا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کیا۔۔کیا۔۔رامین نے کچھ کردیا۔؟'' میں نے پوچھا۔''اس نرم و نازک، شرارتی چلبلی سی رامین نے ایسا کیا قدم اٹھالیا کہ وہ نازوں پلی، لاڈوں بڑھی اچانک مجرم سے بھی بدتر سلوک کی مستحق ہوگئی۔

''بس نام نہ لو اس کا۔۔اس جیسی تو پیدا ہوتے ہی مرگئی ہوتی تو مجھے صبر آجاتا۔ کیا کہے گی دنیا۔ کہاں بیاہوں گی ان جنم جلیوں کو، کیا قصور ہے ان کا۔ساروں کے منہ پر کالک تھوپ دی اس جنم جلی نے۔!'' ممانی جان بری طرح رو رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

میں نے شرمین کی طرف دیکھا۔ اس نے مجھے آنکھ سے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں آہستہ سے اٹھ کر باہر آگیا۔ باہر آکر شرمین نے بے اختیار میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بھائی خدا کے لئے رامین کو بچا لیجئے۔ ابو اسے جان سے ماردیں گے نہیں تو وہ خود کو ختم کرلے گی۔!''

''آخر ہوا کیا ہے۔؟'' میں نے زچ ہوکر پوچھا۔''تم لوگ کچھ بتاؤ گے بھی یا بس پہیلیوں پر ہی ٹالے رکھو گے۔!''

''جایئے آپ رامین سے خود پوچھ لیں۔۔!'' شرمین نے رامین کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

میں تیزی سے رامین کے کمرے کی طرف لپکا۔

''رامین۔۔!'' میں نے کمرے میں جھانکا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں اندازے سے آگے بڑھا۔''رامین کہاں ہو۔؟'' میں نے دروازے کے پاس سوئچ بورڈ تلاش کر کے لائٹ جلائی کمرا روشن ہوگیا لیکن رامین کہیں دکھائی نہیں دی، اچانک میری نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ پڑی ہوئی ایک گٹھری نما چیز پر پڑی۔ میں آگے بڑھا۔''میرے خدا۔۔۔!''

کیا یہ رامین تھی ابھی دو دن پہلے تو میں اس کو ہنستا، مسکراتا زندگی سے بھرپور چھوڑ گیا تھا۔''یہ کون ہے۔؟'' سپید لٹھے جیسا چہرہ۔ ہونٹ زرد خشک پپڑائے ہوئے، خوش قامت اتنی ننھی اتنی چھوٹی سی گٹھری کیسے بن گئی۔

''رامین۔!'' میں نے اس کا سر ہلایا۔''اٹھو اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔؟''

اس نے آہستگی سے اپنا سر اٹھایا۔ اس کی شفاف آنکھیں اتنی ویران، اتنی اداس، اتنی خالی تھیں کہ میں کانپ گیا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟'' میں نے گہرے دکھ سے پوچھا۔ وہ کچھ نہ بولی، بس خالی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ یوں جیسے مجھے جانتی ہی نہیں۔

''رامین۔۔رانی گڑیا۔۔!'' میں نے اسے پکارا۔ ''کیا ہوا ہے مجھے نہیں بتاؤ گی۔؟''

''کیا۔۔؟'' وہ میری طرف دیکھ کر بہت مدھم آواز میں بولی اور مجھے اپنی خشک ویران نگاہوں سے دیکھا۔

اس کے صبیح رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں جمی صاف نظر آ رہی تھی۔

''رامین مرگئی۔۔آپ کی رامین مرگئی۔۔!'' اس نے میرے ہاتھوں کو جھٹک دیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو۔؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''ایسی باتیں نہیں کرتے۔!''

''ہاں مگر میں تو بے قصور ماری گئی۔ خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔!'' وہ چیخی۔

''میں جانتا ہوں کہ میری رامین کوئی بری بات، برا کام نہیں کرسکتی۔ مجھے بھروسہ ہے تم پر۔!''

''سچ کہہ رہے ہیں آپ۔۔؟'' اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔

''ہاں۔۔۔!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ میرے سامنے ہے۔ تم کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی ہو۔!'' میں نے اس کو یقین دلایا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ بعض اوقات ہم پر وقت کی کدال اس بے رحمی سے چلتی ہے کہ ہمیں خود کو جاننے کے لئے، اپنے آپ کو ثابت کرنے کے لئے، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو گواہ کرنا پڑتا ہے۔

''میں۔۔میں تو صرف اس کو بچانا چاہتی تھی۔ مگر سب مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔!'' وہ ایسے بولی جیسے عالم خواب میں ہو۔ ''میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اس نے سب چوری کرلیا، میرا نام، میرا نمبر، میری شناخت۔ میں۔ میں نہ رہی۔۔وہی ہوگئی۔ وہ۔۔!'' اچانک وہ بری طرح رونے لگی۔

میں چپ ہی رہا۔ وہ بولنے پر آمادہ تھی۔ گھٹن کو باہر نکلنے کا راستہ چاہئے تھا۔ وہ میں اسے پورے خلوص سے دینا چاہتا تھا۔

''کیا۔۔کہاں۔۔؟'' اچانک وہ جیسے پٹڑی سے اتر گئی۔ اس کی ذہنی رو بھٹک گئی۔ ''میں تو نکاح کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ میں نہیں تھی۔ وہ تھی۔ وہ تھی یا میں۔۔۔؟'' اس کی ذہنی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی۔

واضح طور پر اس کی حالت کہہ رہی تھی کہ اس کو کوئی بہت بڑا ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ اور اسی کے زیر اثر وہ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔

''تو پھر نکاح ہوا یا نہیں۔۔؟'' میں نے اس کو اسی حالت میں رکھتے ہوئے پوچھنے کی کوشش کی۔

''نکاح کہاں ہوتا وہ تو ابو پستول لیکر آ گئے۔ اور فائرنگ کرنے لگے پھر اچانک انہوں نے مجھے گھسیٹ لیا۔!'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ پھر اچانک چونکی اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''میں کہاں ہوں۔؟''

☆☆☆

یہ ہنوز ایک راز تھا

رامین کی حالت پر مجھے بہت ترس آ رہا تھا۔ کومل سی، نازک سی رامین پر نا جانے کیا بیتی تھی کہ وہ ذہنی طور پر اس قدر ماؤف ہوگئی تھی۔

''تم اپنے گھر میں ہو۔ اپنوں کے پاس، گھبراؤ نہیں۔!'' میں نے اسے ہاتھ تھام کے تسلی دی۔

اس نے مجھے بڑی اجنبی نگاہوں سے دیکھا۔ یوں جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ آنکھوں میں اجنبیت معدوم ہونے لگی۔

''ارسل۔۔۔!'' اس نے آہستہ سے مجھے پکارا۔

''ہاں۔۔ میں ارسل ہوں۔۔!'' میں نے اسے تسلی دی۔

پتا نہیں کیا ہوا۔ اچانک وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس کے اندر کا غبار باہر نکلنے لگا۔ وہ کافی دیر روتی رہی، میں کچھ نہیں بولا۔ آنسوؤں سے اس کا اندر کا لاوا باہر آ رہا تھا۔ ذات کے اندر کتنے اور نا جانے کب سے سمندر بننے لگتے ہیں، اگر یہ سمندر، آتش فشاں اچانک پھٹ پڑیں تو پھر سب کچھ تباہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے ذات کی تہہ جہاں سے بھی تڑخ جائے وہاں سے گرد، غبار، سسکیاں، چیخیں، آنسو سب کو نکلتے رہنے دینا چاہیے۔ تب بندہ اندر سے پرسکون ہوتا ہے۔

پتا نہیں کب سے، کون کون سے بوجھ اٹھائے ہوئے تھی رامین، میں کچھ نہ بولا، کمرے میں آنسوؤں اور سسکیوں کی کراہیں گونجتی رہیں۔

اچانک ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ شرمین چائے اور بسکٹ، پانی کے ساتھ لیکر آئی تھی۔ ''بھائی آپ چائے پی لیں اور رامین کو بھی کچھ کھلائیں۔ اس نے کب سے نہیں کھایا۔!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''شرمین تم تو جانتی ہو نا میں بے قصور ہوں۔!'' اچانک رامین نے لپک کر شرمین کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔!'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''لیکن پہلے تم کچھ کھا پی تو لو، اسی طرح کی حالت سے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے اصل مجرم ہی تم ہو۔!''

''لیکن۔۔۔!'' رامین نے کہنا چاہا۔

''پہلے کچھ کھالو۔!'' ثرمین نے اسے ٹوکا۔

دونوں بہنوں کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہ سارا معاملہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، لیکن ایسا کیا ہوا۔ جو یہاں تک نوبت کیسے پہنچی، یہ ہنوز ایک راز تھا۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ پہلے رامین کو کچھ کھلایا پلایا جائے تاکہ اس کے اعصاب قابو میں آجائیں۔ اور وہ یکسوئی سے بات کر سکے۔

''میں پاگل نہیں ہوں۔!'' رامین نے مجھے غور سے دیکھ کر کہا۔ ''میں آپ کو سب کچھ بتانا چاہتی ہوں۔!''

''میں جانتا ہوں کہ تم پاگل نہیں ہو، لیکن تم پہلے یہ بسکٹ اور چائے لو، پھر آرام سے منہ ہاتھ دھوؤ، پھر تم سے باتیں کروں گا۔!''

''آپ کہاں باتیں کرتے ہیں آپ تو بس فوراً چلے جاتے ہیں۔!'' اس نے شکوہ کیا۔

''اچھا میں تب تک نہیں جاؤں گا جب تک تم اجازت نہیں دو گی۔!'' میں نے اس کو یقین دلایا۔

''سچ۔۔؟'' وہ خوش ہوگئی۔

''ہاں۔۔۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔ مجھے اس کی حالت کے سدھار پر اس کا ردعمل بہت اچھا لگا۔

وہ اٹھ گئی۔ اور منہ ہاتھ دھونے باتھ روم چلی گئی۔

''رامین تم فریش ہو جاؤ میں ذرا ممانی جان سے باتیں کرتا ہوں۔!'' میں نے کہا اور رامین کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں نے ممانی کے کمرے کے دروازے پر دستک دی، اور اندر داخل ہوگیا۔ ممانی جان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ جیسے کسی نے زندگی کی ساری رمق چھین لی ہو۔ ماموں جان اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ایک مضمحل سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر آئی۔ میں ان کے پاس جا بیٹھا۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر میں نے بات کا آغاز کیا۔

''کیا ہوا تھا ماموں جان کچھ تو بتایئے۔؟''

''اس نے کیا کہا۔۔؟'' ماموں نے الٹا مجھ سے پوچھا۔

''پہلے میں آپ کی بات سمجھ لوں پھر کوئی رائے دونگا۔!'' مجھے واقعی اندازہ ہو رہا تھا کہ بات کچھ اور ہے لیکن سمجھی کچھ اور جا رہی ہے۔

انہوں نے ممانی جان کی طرف دیکھا۔ وہ بولیں۔ ' بتایئے نا۔۔آخر سچائی اور حقیقت کا تو پتا چلے، میری بیٹی چاہے جو کچھ بھی ہو اتنا نہیں گر سکتی۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں۔۔ سمجھیں۔!'' ممانی جان آخر ایک ماں تھیں۔ ماں تو بیٹیوں کے اٹھنے بیٹھنے، پھرنے پر عقاب کی سی نگاہ رکھتی ہے۔

ماموں جان نے ایک گہری سانس لی، اور دھیمے سے بولے۔ ''کاش یہ سب جھوٹ ہی ہوتا۔ اگر میں نہ دیکھتا۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ ایسا ہے کہ کوئی بھی آنکھوں رکھنے والا اسے جھٹلا نہیں سکتا۔!''

''لیکن ماموں جان آنکھ تو اسی پر فیصلہ کرے گی نا جو کچھ اسے دکھایا جائے گا۔ اور یہ دکھانے والے پر منحصر ہے کہ وہ کیا دکھاتا ہے اور کس زاویئے سے دکھاتا ہے۔!''

''بیٹے تم صحیح کہہ رہے ہو، لیکن اگر دکھانے والے کی تصدیق ہو جائے تو پھر کیا کرو گے۔؟'' انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

''پہیلیاں کیوں بجھا رہے ہیں۔ سیدھے سبھاؤ بات کریں۔!'' ممانی جان نے انہیں ٹوکا۔

''اچھا۔!'' ماموں جان نے کہا۔ ''سیدھے سبھاؤ ہی سنو۔ مقصود کا نام تو سنا ہے نا تم لوگوں نے۔!'' انہوں نے ہماری طرف دیکھا۔ ''وہی مقصود جو شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ جس کے جوئے کے اڈے چلتے ہیں۔ منشیات فروشی میں ملوث ہے۔ قتل کے کئی مقدمات ہیں اس پر۔ اسی مقصود کا بیٹا تمہارا داماد بننے جا رہا تھا۔!''

مارے حیرت کے ممانی جان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔؟''

''میری بھی یہی حالت ہوئی تھی جب مجھے پتا چلا تھا روز مرتا تھا۔ روز۔!'' ماموں جان نے کہا۔ ''تین مہینے سے مجھے معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ عین میری ناک کے نیچے، میرے گھر میں، اور سب بے خبر تھے۔ لیکن نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ وہ تو بس میں نے اچانک ہی دیکھ لیا۔'' وہ ذرا دیر کو چپ ہو گئے۔

میں نے موقع غنیمت جانا اور کہا۔ ''ماموں جان اگر مناسب سمجھیں تو شروع سے سارا قصہ بتائیے۔!''

ماموں جان نے میری طرف دیکھا اور بولے۔

''ایک دن مجھے فون آیا کہ مقصود مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اور میرے لئے ایک کام ہے اس کے پاس۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ یہ مقصود وہ ہو گا جو شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہے۔ میں نے سمجھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے چند لوگوں سے کہا تھا کہ کوئی کام میرے لئے بھی دیکھیں، چنانچہ میں نے یہی سمجھا کہ کسی نے مجھ سے ملازمت کے حوالے سے بات کرنے کے لئے بلایا ہے۔ میں چلا گیا۔ اس نے ڈیفنس کا پتا دیا تھا۔ بہت بڑی کوٹھی، کئی کاریں پورچ میں کھڑی تھیں۔ میں نے جا کر اپنا نام بتایا اور کہا کہ مجھے مقصود صاحب نے بلایا ہے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اور جب میں مقصود صاحب سے ملا تو اسے فوراً پہچان گیا۔ وہ ایسی پوشیدہ شخصیت نہیں ہے۔''

مجھے دیکھ کر وہ بنا تمہید بولا۔ ''تم ہی تو صیف ہو رامین کے باپ۔!''

''ہاں۔۔!'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن یہاں میری بیٹی کا کیا ذکر، کیا تعلق ہے۔؟''

''یہی تو تعلق ہے اصل، ورنہ تمہارے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ تمہاری بیٹی سے میرے بیٹے کا آنکھ مٹکا چل رہا ہے۔ وہ تو کچھ پڑھ لکھ گئے ہیں۔ آج کے لونڈے، ورنہ یہ بے وجہ کا ٹنٹا ہم نہیں پالتے، جو پسند آئے اٹھا لائے، جی بھر گیا تو مار دیا یا کسی کوٹھے کو بیچ دیا۔ شادی تو ہم اپنی خاص برادری کے باہر کرتے ہی نہیں۔!''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔!'' غصے سے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس گھٹیا آدمی کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ میری بیٹی کا نام بھی اپنی زبان پر لائے میں نے کہا۔ ''تمہاری یہ فضول بکواس میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اور تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم تم سے رشتے داری کریں گے۔؟''

''یہ سوچنے موچنے کا کام ہم نہیں کرتے۔ ہم تو بس حکم دیتے ہیں، وہ تو لڑکا آ گیا ہمارے بیچ، ہمارا ہی۔!'' مقصود نے کہا۔ ''تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمارا ساتھ مل رہا ہے تمہیں، کیا پٹاخا لڑکی پسند کی ہے ہمارے لونڈے نے۔!''

مقصود کا لہجہ اتنا عامیانہ تھا کہ مجھے شرم آنے لگی۔ میں نے سوچا کہ یہ سب یقیناً کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ میں نے کہا۔

''شائد تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔!''

''اچھا۔۔!'' مقصود ہنسا۔''ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے تو تمہیں ثبوت دکھائیں۔!'' بدمعاشی میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔اگر ایسا ہونے لگے تو ہم چلا چکے اپنا کام۔نصیر کی جگہ صغیر کو اٹھالائیں۔اور 355 کی بجائے 553 پر قبضہ کرلیں۔تھانے کے بجائے چوکیدار کو حصہ دے آئیں۔!'' وہ قہقہہ مار کے ہنسا۔

اتنی دیر میں ایک بائیں تیئیس سالہ لڑکا اندر داخل ہوا۔اس پر نظر پڑتے ہی مقصود بولا۔''لو جی بھئی تمہارے کیا کہتے ہیں سسر آ گئے ہیں۔اب کیا کریں لونڈیا بھی منگوالیں۔؟''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔؟'' وہ نوجوان قریب آ گیا۔خاصا خوش شکل لڑکا تھا۔اور کسی حد تک مہذب بھی۔

''یہ۔۔یہ رامین کے والد ہیں۔؟'' اس نے قریب آ کر حیرت سے پوچھا۔

''لو تو تمہیں کیا اس کی اماں نظر آ رہی ہیں۔!'' مقصود نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

''پوچھ لو اس سے، کیوں بھئی ٹھیک ہے کب سے یہ چکر شکر چلا رہے ہو تم دونوں۔؟'' اس نے اپنے بیٹے سے کہا۔

''ابا جی۔۔!'' وہ بولا۔

''ابے کیا بکرے کی طرح ممیا رہا ہے، بدمعاش کا بیٹا بن، کسی لوئر ڈویژن کلرک کی اولاد نہیں ہے تو۔سیدھی طرح بول۔!'' وہ چنک گیا۔

''وہ دراصل ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔!'' اس نے قریب آ کر کہا۔

''کون تم دونوں۔۔؟''

''میں اور رامین۔۔!'' اس نے جواب دیا۔

''ممکن ہی نہیں۔۔!'' میں نے جواب دیا۔''میری رامین ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتی۔!''

''ارے کیا کہتے ہیں وہ کمپیوٹر بکسا، اٹھا لاؤ ادھر، دکھا اس کو۔!'' مقصود غصے سے بولا۔''بڑے عزت دار بنتے پھرتے ہیں۔دیکھوں میں بھی ذرا اس کی عزت، بہت ہوگئی، تیری وجہ سے باتیں سننا پڑ رہی ہیں مجھے۔بھلا کیا مجال جو کوئی اتنی باتیں کرے ہم سے، اور وہ بھی سوال و جواب۔!''

''جی ابا جی۔۔!'' وہ مڑا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلا گیا۔چند ہی منٹوں کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔اس نے آن کیا اور کلک کر کے فیس بک کا پیج کھول لیا۔او میرا خدا۔وہ رامین کی ہی کی تصاویر تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس مختلف کمنٹس۔۔کاش میں یہ سب دیکھنے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔میرا سارا غرور خاک میں مل گیا۔شرافت کا وہ علم جو صدیوں سے ہمارا خاندان اٹھائے ہوئے تھا۔ایک آن میں زمین بوس ہو گیا۔''

''بولو تو صیف اب کیا کہتے ہو۔!'' مقصود نے پوچھا۔

میں کیا کہتا۔چپ ہی رہا۔

وہ بولا۔''اب شرافت سے میرے بیٹے سے اپنی لڑکی کی شادی کردو، وہ کیا کہتے ہیں کہ جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔؟'' وہ ہنسا۔اپنی بات پر یا شائد میری بے بسی پر۔

میں وہاں سے کچھ بولے بغیر واپس آ گیا۔ کیا کہتا۔ پھر میں نے اسلم کے ذریعے ایک پستول خریدا پندرہ ہزار کا۔ مجھے پستول چلانا نہیں آتا لیکن اسلم نے مجھے بتایا تھا اس کو چلانے کا طریقہ۔ اگر میں اس شادی کو روک نہیں پایا تو خودکشی تو کرسکتا تھا۔ میں رامین کی نگرانی کرتا رہا۔ پھر جب یہ اور شگفتہ کالج جارہی تھیں تو میں نے دیکھا کہ ان کے کالج کے گیٹ کے پاس ہی ایک سوزوکی وین سے دو تین لمبے تڑنگے آدمی نکلے اور انہوں نے رامین کو دبوچ کر گاڑی میں ڈالا اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ میں سمجھ گیا وہ مقصود کے آدمی ہی ہونگے۔ میں نے سیدھا رخ اسی جگہ کا کیا جہاں پہلے گیا تھا۔ وہ لوگ وہاں بیٹھے تھے رامین ان کے درمیان تھی۔ ایک آدمی جو شکل و حلئے سے مولوی دکھائی دے رہا تھا۔ بیٹھا فارم پُر کررہا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نا تاؤ۔ پستول نکالا اور اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ میں نے رامین کو گھسیٹا اور یہاں لے آیا۔ وہ تو شکر ہے کہ بچیاں اسکول گئی ہوئی تھیں۔ ابھی میں تمہاری ممانی کو بتا ہی رہا تھا کہ پولیس آ گئی اور مجھے پکڑ کے لی گئی باقی کی کہانی تو تم جانتے ہی ہو۔!'' ماموں جان نے کہا اور چپ ہو گئے۔

کمرے میں ایک وحشت ناک سناٹا طاری ہو گیا۔

''پاپا۔۔!'' اچانک رامین کی آواز آئی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ وہاں رامین کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اس کا لیپ ٹاپ تھا۔

''یہ دیکھ لیجئے۔!'' اس نے لیپ ٹاپ ہمارے درمیان رکھا۔ ''یہ میرا آئی ڈی ہے۔ دیکھ لیجئے اس میں کیا کیا ہے۔ کون سی تصاویر، اپ لوڈنگ، ڈاؤن لوڈنگ کوئی تاریخ بھی میں نے ڈیلیٹ نہیں کی۔ لیکن میرا خدا جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں۔ ہاں یہ میں ضرور کہہ سکتی ہوں کہ میں نے ارشد کو دیکھا ضرور ہے۔ اکثر گرلز کالج کے باہر لڑکے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن نا تو میں نے کبھی اس پر توجہ دی اور نہ ہی بات کی۔!'' وہ بولی۔ ارشد مقصود کے بیٹے کا نام تھا۔

رامین کے انداز میں دکھ تو تھا۔ لیکن اس کے لہجے میں وہ اعتماد تھا جو سچائی کی طاقت سے عبارت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب صاف تھا کہ رامین کسی سازش کا شکار ہوئی ہے اچانک مجھے رامین کے الفاظ یاد آئے۔

''رامین۔۔!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ کسی نے تمہاری آئی ڈی، تمہارا نمبر چوری کرلیا تم کسی کو بچا رہی تھیں۔!''

'میں نے کہا تھا۔؟'' رامین بری طرح چونکی۔ اسے اپنی جذباتی کیفیت کے الفاظ شائد یاد ہی نہیں رہے تھے۔

''ہاں۔!'' میں نے کہا۔ ''تم یہ بتاؤ کہ تمہارا لیپ ٹاپ کون کون استعمال کرتا ہے۔؟''

''میرا لیپ ٹاپ تو کبھی کبھی شگفتہ استعمال کرلیتی ہے۔!'' اس نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ میں سمجھ گیا کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کررہی ہے۔

''دیکھو رامین یہ موقع کسی مصلحت سے کام لینے کا نہیں ہے۔!'' میں نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات تو ایسی ضرور ہے کہ جو تم اسے چھپا رہی ہو۔ اگر تم پورا سچ نہیں بتاؤ گی تو ایک ایسے گناہ میں گناہگار میں شمار کی جاؤ گی کہ جو کہ تم نے کیا ہی نہیں۔ ہم لوگ انسان ہیں۔ معمولی انسان۔ جو دلوں کے بھید نہیں جانتے۔ دلوں کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انسانوں کو تو ظاہر پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ ساری عمر کے لئے بدنامی اور بے اعتمادی

کے بجائے سچ بہتر ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نا ہو۔!''

''میرا لیپ ٹاپ کبھی کبھی شگفتہ استعمال کر لیتی ہے۔!'' بالآخر رامین نے حقیقت سے پردہ اٹھانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ''شگفتہ کو تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں۔ ہمارے محلے کے آخری گھر والی۔ ان کے مالی حالات اچھے نہیں لیپ ٹاپ وغیرہ وہ افورڈ ہی نہیں کر سکتی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کبھی کبھی میرا لیپ ٹاپ استعمال کر لیا کرے۔ میں نے اسے اجازت دے دی اس نے مجھ سے ای میل آئی ڈی بنانے کا طریقہ پوچھا۔ پھر فیس بک پر پیج بنانے کا طریقہ پوچھا۔ میں نے اسے سکھا دیا۔ اس میں میں نے کوئی ہرج نہیں سمجھا۔ ایک دن میں نے دیکھا تو اس پر میرے نام ایک ای میل آئی ہوئی تھی۔ جو کہ میرے لئے انجان تھی۔ میں نے شگفتہ سے کہا تو اس نے کہا۔ اس نے کسی کو میل کی تھی تو اس کا جواب آیا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ میری آئی ڈی استعمال نہ کرے مگر وہ ہنسنے لگی کہ میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھی۔ وہ مجھے ہی رامین سمجھتا ہے۔ اصل میں، میں اسے اپنی تصویر ای میل کرنا چاہتی تھی مگر غلطی سے تمہاری تصویر کلک ہو گئی۔ خیر آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ مجھے شدید غصہ آیا۔ مگر اس نے بہت معافی مانگی۔ میرے بچپن کی سہیلی ہے اس سے غلطی ہو گئی تھی میں نے اسے معاف کر دیا۔!'' رامین بتا کر چپ ہو گئی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شگفتہ رامین بن کر ارشد سے رابطے میں رہی اور اس طرح رامین کے نام سے اس کی محبت پروان چڑھتی رہی۔!'' میں نے رامین کی بات سن کر ساری بات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

رامین کچھ نہ بولی۔ نظر جھکائے پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ میں بنے پھول کو مسلتی رہی۔

''اس میں سارا قصور شگفتہ کا ہے ہمیں مقصود اور ارشد کو یہ بات بتانی چاہیے۔!'' میں نے کہا۔ ''تاکہ وہ غلط فہمی سے باہر نکلیں اب اگر وہ سچ جاننے کے بعد شگفتہ کے گھر رشتہ بھیجنا چاہے تو ہمیں کیا۔؟''

''یہ ممکن نہیں۔۔!'' رامین دھیمے سے بولی۔

''کیوں۔۔ کیا وجہ ہے۔؟''

''شگفتہ بہت معمولی شکل وصورت کی ہے۔ قد بھی اس کا بہت چھوٹا ہے تھوڑی موٹی بھی ہے۔ آپ لوگوں نے تو اسے دیکھا ہی ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ ارشد اس سے شادی کے لئے رضا مند ہو جائے گا پھر یہ کہ اس کے والد بہت سخت ہیں۔!'' رامین نے بتایا۔

''یہ تو اب ان دونوں کے معاملات ہیں۔۔!'' میں نے کہا۔ ''ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ تمہاری حفاظت کیسے ہو سکتی ہے۔ ویسے ماموں جان خدا کا شکر ہے کہ ہماری رامین بالکل بے قصور ہے۔ اس کی غلطی یہ ہے کہ اس نے اپنا لیپ ٹاپ استعمال کرنے کے لیے شگفتہ کو دیا۔!'' میں نے کہا۔

ماموں جان چند لمحے اس کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے بازو پھیلا دیئے۔ رامین دوڑتی ہوئی ماموں جان کے بازوؤں میں سما گئی۔ ''مجھے معاف کر دیجئے ابو۔۔ میری وجہ سے آپ کو بہت دکھ پہنچا۔!''

ماموں جان اسے اپنے سینے سے لگائے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔

ممانی جان نے اسے اپنے پاس کھینچا۔ ''میری بچی۔! کتنے عذاب سہہ لئے میری بچی نے۔!''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں شگفتہ کے گھر والوں سے بات کرنی چاہیے۔!'' میں نے کہا۔

''مگر اس کے والد بہت سخت ہیں وہ اس کو جان سے ماردیں گے۔!'' رامین نے خوف زدہ ہوکر کہا۔

''جب والدین اپنے بچوں پر بے جا سختیاں کرتے ہیں۔ دم گھوٹنے والی پابندیاں لگاتے ہیں تو پھر اولاد کوئی بھی نجات کا، کتھارسس کا طریقہ ڈھونڈ نکال لیتی ہے۔ چاہے وہ طریقہ صحیح ہو یا غلط۔!'' ماموں جان نے آہستگی سے کہا۔

''جدید زمانے کی ان سہولیات کو اپنانے میں کوئی ہرج نہیں، لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے صحیح استعمال کی تربیت دی جائے۔ ورنہ پھر جدیدیت عذاب بن کر مسلط ہو جاتی ہے۔!''

''یہی تو ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ہر نئی سہولت کو خوش آمدید کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر اس کے لئے مناسب ماحول نہیں بناتے۔!'' میں نے ماموں جان کی تائید کی۔ ''اگر ہم پہلے سے تیاریاں شروع کرلیں تو پھر کتنے ہی مرحلے جانگسل کیفیت کے بجائے نرم اور سہل ہو جائیں۔!''

''بہت ثقیل گفتگو ہوگئی۔!'' شرمین نے درمیان میں مداخلت کی۔ ''کیوں نا ایک اچھا سا کھانا ہو جائے۔!''

''ہاں۔۔!'' ماموں جان خوش دلی سے بولے۔ ''کھانے کے نام پر یاد آیا کہ مجھے تو سچ مچ بڑی زوردار بھوک لگ رہی ہے۔!''

''اس نے کب سے کچھ نہیں کھایا ہے۔؟'' ممانی جان نے رامین کی طرف پیار سے دیکھا۔ ''کل سے آج تک میری پھول سی بچی کتنی کملا گئی ہے۔ مانو کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔!''

''کیا فائدہ گزری کو یاد کرنے کا۔!'' ماموں نے انہیں ٹوکا۔ ''چلو کچھ کھانے کو لے آؤ۔!''

''میں لاتی ہوں۔!'' رامین جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''جب تک کھانا بنتا ہے کچھ ہلکا پھلکا تل دیتی ہوں۔!''

''ونگز اور شامی کباب پڑے ہیں۔ پانچ منٹ میں تل کر لاتی ہوں۔!'' ممانی جان بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئیں۔ ممانی جان، شرمین، رامین کچن میں چلی گئیں۔

''ارسل۔۔!'' ماموں جان نے ان کے جانے کے بعد مجھے مخاطب کیا۔ ''آج تم نے بیٹا ہونے کا حق ادا کردیا۔!'' انہوں نے میرے ہاتھ کو تھام کے کہا۔ ''آج مجھے لگ رہا ہے کہ میں صرف بچیوں کا ہی باپ نہیں، ایک بیٹے کا باپ بھی ہوں۔!''

''ماموں جان اللہ نہ کرے آپ کیوں اکیلے ہونے لگے۔ بس بعض اوقات حالات اور واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ تب ہی اندازہ ہوتا ہے کہ کون کیا کرسکتا ہے۔ آپ ہمیشہ سے میرے بڑے ہیں اور میں آپ کا وہی چھوٹا سا بیٹا۔!''

''اللہ سلامت رکھے۔!'' انہوں نے مسکرا کے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ جب تک کھانا تیار ہو آپ نہا لیں۔!'' میں نے انہیں مشورہ دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ بلا وجہ احسان مندی کی کیفیت میں مبتلا رہیں۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔!'' وہ مسکرائے اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔

ممانی جان نے کمرے میں جھانکا اور کہا۔''نہا کے جلدی آیئے گا۔کھانا تیار ہوا جاتا ہے۔!'' وہ کہتے ہوئے کمرے میں آ گئیں۔اور الماری کھول کر ماموں جان کے کپڑے نکالنے لگیں میں اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں آ گیا۔

اچانک میرے موبائل کی گھنٹی بجی میں نے اسکرین پر نمبر دیکھا نیا نمبر تھا۔''ہیلو اسلام علیکم۔!'' میں نے کہا۔

''وعلیکم اسلام۔۔کیسے ہیں آپ۔؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔جس کو میں ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔آواز سنتے ہی میری طبیعت جیسے بحال ہوگئی۔مہوش کی آواز نے مجھے بے حد نہال دیا تھا۔

''کہاں ہیں آپ گھر میں یا باہر۔۔؟'' اس نے پوچھا۔

''میں ماموں جان کے گھر آیا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا۔''آپ سنائیں کہاں ہیں یہاں یا وہاں۔؟''

''آپ بتایئے کہ یہاں یا وہاں میں کیا کیا شامل ہے۔؟'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''وہاں سے مراد تو یوکے ہے آپ کا شہر مانچسٹر،اور یہاں سے مراد ہمارا ملک ہمارا شہر ہمارا دل۔۔!'' میں نے آہستگی سے کہا۔پتا نہیں کیسے میرے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا۔

''جی۔۔؟'' اس کی حیرت سے بھری آواز آئی اور چپ ہوگئی۔

☆☆☆

بعض لوگوں سے اجازت لینا اچھا لگتا ہے

''سوری۔۔۔!'' میں نے اس کی خاموشی سے گھبرا کے کہا۔''شائد آپ کو برا لگا۔۔!''

''نہیں تو۔۔۔!'' اس کی آواز میں شرم و حیا اور تعلق کا ملا جلا امتزاج تھا۔ پتا نہیں کچھ جذبے کیوں اور کیسے آپ ہی آپ دل میں سرنگ بنانے لگتے ہیں۔ اوپر سے بندہ بہت مضبوط مگر اندر سے ڈھیلا ڈھالا سا۔ انتظار سے بھرپور۔

''آپ کیوں چپ ہو گئے۔!'' اس نے دھیرے سے کہا۔''میں تو آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مان سکتی۔!''

''اتنا حق دے رہی ہیں آپ۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پتا نہیں کیوں بعض لوگ آپ ہی آپ حق لینے لگتے ہیں۔ انہیں روکا بھی نہیں جا سکتا۔!''

''کب واپسی ہو رہی آنٹی کی۔!'' میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں۔

''آپ کو آنٹی کا انتظار ہے بس۔؟'' اس کے انداز میں شکوہ تھا۔

''آنٹی آئیں گی تو آپ آئیں گی نا۔!'' میں نے فوراً تو جیہہ پیش کی۔

''اچھا دیکھتے ہیں۔!'' وہ بولی۔''آپ تو ہمارے گھر نہیں آئے۔!''

''آپ نے دعوت ہی نہیں دی۔!'' میں نے کہا۔

''امی نے تو کہا تھا۔!'' وہ بولی۔

''مگر آپ لوگ تو چلے گئے تھے۔!'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ آتے۔!'' اس نے ہنس کے پوچھا۔ اور پھر خود ہی ایک دم چپ ہو گئی۔ میں تصور میں اس کے صبیح رخسار سرخ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''اگلے ہفتے آ رہے ہیں ہم لوگ، پاپا بھی ہمارے ساتھ ہونگے۔!'' اس نے بتایا۔

''یہ تو بہت اچھا ہے۔!'' اچانک جیسے بے پناہ مسرت نے مجھے گھیر لیا۔ جملے بھی سرشاری اور مسرت کا بے پناہ احساس دیتے ہیں۔ مجھے احساس ہونے لگا۔''میں امی کو بتاتا ہوں۔!''

''نہیں امی خود آنٹی کو فون کر دیں گی، مجھے تو آپ کو بتانا تھا۔!'' وہ دھیمے سے ہنسی۔

''شکریہ۔۔!'' میں نے جواب دیا۔

''کس چیز کا۔؟''

''مجھے بتانے کا۔۔!'' میں نے کہا۔''کیا میں آپ کو فون کرلیا کروں اس نمبر پر۔!'' میں نے سکرین پر نگاہ ڈالی۔

''پوچھ کر فون کرنے کی کیا ضرورت۔؟ آپ فون کر سکتے ہیں۔!''

''بعض لوگوں سے اجازت لینا اچھا لگتا ہے۔!'' میں نے کہا۔

''اور اگر بعض لوگوں سے اجازت لئے بغیر دل چاہے بات کرنے کا تو۔۔؟''

''تو پھر قائل ہونا پڑے گا۔!''

''کس کا۔۔؟''

''پہلی نظر کا۔۔پہلی ملاقات کا اور پھر محبت کا۔!''

وہ چپ ہوگئی ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ یہ محبت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ایک احساس کی طرح جو آپ ہی آپ روح پر چھا جاتا ہے۔ایک ایسا جذبہ جو زندگی کی دھارا بدل دینے پر قادر ہو۔

اچانک فون پر ٹک ٹک ہونے لگی۔شائد کارڈ ختم ہوگیا تھا۔میں نے فون بند کردیا۔

''کیا بات ہے بڑے کھلے کھلے نظر آرہے ہیں، خیالوں خیالوں میں مسکرایا جارہا ہے۔!'' شرمین نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

''کچھ نہیں۔۔!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔

''کچھ تو ہے کہ جس کی پردہ داری ہے۔غالب بے وجہ نہیں یہ عشق کی بیماری۔۔!'' وہ ہنسی۔

''یہ شعر غالب کا تو نہیں۔!'' میں نے شرمین کو گھورا۔''کیوں بچارے کی مٹی پلید کررہی ہو۔!''

''خیر پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ شعر غالب کا ہے۔دوسری بات یہ کہ یہ بچارے کیوں ہونے لگے۔ایسی مشکل اردو میں شاعری کرتے ہیں کہ پڑھنے میں دانتوں کو پسینہ آجاتا ہے۔!''

''یہ تم سے کس نے کہا یہ شعر غالب کا ہے۔؟'' میں نے جرح کی۔

''ہمارے کینٹین والے نے، اس کا نام غالب ہے اور وہ شاعر ہے اور اسی طرح دھڑلا شاعری کرتا ہے۔!'' شرمین نے اطمینان سے جواب دیا۔

''یہ دھڑلا شاعری کیا ہوتی ہے۔؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''غالب کینٹین والے فرماتے ہیں کہ تین چار شاعروں کو ملا جلا کر جو کچھ پانچویں کے لئے برآمد ہوتا ہے وہ دھڑلا شاعری ہوتی ہے۔ بندے کو بغیر خوف زدہ ہوئے پیش کرنا چاہیے۔!'' شرمین نے کہا۔

''ویسے آج کل بڑے مزے کی وبا چل رہی ہے۔'' میں نے کہا۔''اب ایک کتاب سے مواد لینا چوری اور کئی کتابوں سے سرقہ کرنا تحقیق کہلاتا ہے۔!''

''دیکھا سمجھ گئے نا آپ ہمارا نقطہ نظر خیر سے ماشاءاللہ ذہین تو آپ شروع سے ہی ہیں۔!'' شرمین نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔

''ویسے آپ باتوں باتوں میں گول کر گئے کہ آپ کیوں اکیلے اکیلے مسکرا رہے تھے۔!'' شرمین نے کہا۔

''تم تو بال کی کھال اتارنے بیٹھ جاتی ہو۔ میرے ایک دوست کا فون تھا۔!''

''ایک بات کہوں۔؟'' وہ اچانک بولی۔''برا تو نہیں مانیں گے آپ۔؟''

''نہیں۔۔ بھلا تم لوگوں کی بات کا برا ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔؟'' میں نے جلدی سے کہا۔

''آپ کچھ بدل سے گئے ہیں۔ لگتا ہی نہیں کہ آپ ہمارے ارسل بھائی ہیں۔!'' اس کے انداز میں گلہ بھی تھا اور شکایت بھی۔

''ارے ایسی کوئی بات نہیں۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔''بہت دنوں بعد آیا ہوں اس لئے تمہیں ایسا محسوس ہو رہا ہے میں تو وہی ہوں تمہارے لئے۔!''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ بعض لوگوں کو اگر اپنائیت کی چھاؤں میں ذرا غیریت کی دھوپ دکھائی دے تو وہ سب کچھ چھوڑ دیتے ہیں۔!'' شرمین نے کہا۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔!'' میں نے حیرت سے کہا۔''کیسی غیرت، کیسی اپنائیت، رشتوں میں ملنے نا ملنے کا ہی معاملہ نہیں ہوتا۔ اصل تعلق تو دل کا ہوتا ہے۔!''

''دل کا تعلق تو ملنے ملانے سے ہی پتا چلتا ہے۔!'' شرمین نے کہا۔''ملتے رہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قدر کہاں، کہاں اور کس کس دل میں ہے۔!''

''فلسفی ہوتی جا رہی ہو۔؟'' میں نے کہا۔

وہ ہنسنے لگی۔ تب ہی رامین نے آ کر کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی۔ اس رات سب بہت خوش تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے گھر میں خوشیوں نے ڈیرہ ڈال لیا ہو۔ ماموں جان خوش تھے۔ ممانی جان تو جیسے لگتا تھا کہ انہیں نجانے کیا دولت مل گئی ہے، بیٹی پر والدین کا اعتماد بحال ہو تو اس سے بڑھ کر کیا دولت ہو سکتی ہے۔؟ میں نے سوچا۔

''کہاں گم ہیں بھائی جان۔!'' نیلوفر نے کہا۔

''کہیں نہیں۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اب ہم آپ کو گم بھی نہیں ہونے دیں گے۔!'' شرمین ہنسی اور رامین کو دیکھ کر ہنسنے لگی۔ ان ہی خوشگوار باتوں میں کھانا ختم ہو گیا۔ میں نے ان سے اجازت لی۔ ماموں جان مجھے باہر تک چھوڑنے آئے تو میں ان سے کہا۔'' آپ فکر نہ کیجئے شگفتہ کے معاملے کو بھی دیکھ لیں گے۔!''

''اب مجھے کوئی فکر نہیں، کوئی بوجھ نہیں، میرا بیٹا جو میرے ساتھ ہے۔!'' انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

''شکریہ اس اعتبار کا۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔ انہوں نے پیار سے ایک ہلکی سی چپت لگائی۔

''ارے تم پیدل ہو، چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں، ایک منٹ ٹھہرو میں گاڑی نکالتا ہوں۔!'' ماموں جان نے کہا۔

''رہنے دیجئے ماموں جان رات بہت ہو گئی ہے۔ پھر آپ کو اکیلے آنا پڑے گا۔!'' میں نے انکار کر دیا۔''ابھی

مارکیٹ سے کوئی رکشہ یا ٹیکسی کر لیتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔!''

''اچھا چلو پھر میں تمہیں ٹیکسی اسٹینڈ تک چھوڑ آؤں۔!'' وہ بولے۔ ہم دونوں ٹہلتے ہوئے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چلنے لگے۔ جلد ہی ٹیکسی مل گئی۔ ماموں جان کو خدا حافظ کہہ کر میں ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے۔ رات تم بہت دیر سے سے آئے۔؟'' صبح امی نے مجھ سے پہلا سوال ہی یہ کیا۔ جب میں منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلا۔

''میں ماموں جان کی طرف گیا تھا۔ انہوں نے کھانے کے لئے روک لیا اس لئے دیر ہوگئی۔!'' میں نے عذر پیش کیا۔

''چلو اچھی بات ہے لیکن بیٹا فون کر دیتے۔!'' امی نے نرمی سے کہا۔

''غلطی ہوگئی۔۔!'' میں نے کہا۔

''چلو اب ناشتا کر لو۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

''امی بے فکری کے تھوڑے ہی دن ہیں گزار لینے دیں۔!'' نصرت نے ناشتا لگاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''پھر دیکھئے گا حضرت صاحب کی مصروفیات کیا رہتی ہیں۔؟''

''اب ایسا بھی نہیں ہے میرا بیٹا۔!'' امی نے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا توازن کو قائم رکھے گا۔!''

امی کی بات میں بہت گہرا فلسفہ تھا۔ واقعی جو لوگ شادی کے بعد رشتوں کے توازن کو دھیان میں نہیں رکھتے، ان کی ازدواجی زندگی تو متاثر ہوتی ہی ہے۔ چاندسی بہو لانے والے والدین بہن بھائیوں کے دل بھی تکدر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

''امی وہ رضوان بھائی آئے تھے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہ آیا تھا۔ بہت سعادت مند بچہ ہے۔ وہ تو ہر طرح سے تیار ہے۔ کہتا ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کرنا ہے تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔!'' امی نے بتایا۔

''آپ کیا مناسب سمجھتی ہیں۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''کسی بھی وعدے یا عہد کو، خصوصاً لین دین، کاروباری معاملات کو کرتے ہوئے لکھت پڑھت کرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ زبان اور خلوص اپنی جگہ اللہ اور رسولؐ کا حکم اپنی جگہ، میرا خیال ہے کہ معاہدہ کر لیا جائے۔!'' امی نے دلیل سے سمجھاتے ہوئے حدیث رسولؐ کا حوالہ دیا۔ ''جب حصہ، ذمہ داری، منافع تحریری طور پر طے ہو جائے تو پھر وقت کتنا ہی آگے کیوں نا بڑھ جائے، کسی قسم کی تلخی اور پے چیدگی پیدا نہیں ہوتی۔!''

''لیکن امی یہ پروجیکٹ کافی مہنگا ہوگا۔؟'' نصرت نے کہا۔ ''پلاٹ خریدنا، بلڈنگ بنوانا۔ اس کے بعد سامان وغیرہ کی خریداری۔!''

''میری بات ہوئی ہے تفصیل سے۔!'' امی نے کہا۔

''رضوان مارکیٹنگ اور پرچیزنگ کے تمام معاملات کا ذمہ دار ہوگا۔ پلاٹ، بلڈنگ اورانتظامی امور ہمارے ذمہ ہونگے۔ جو باہمی مشورے سے طے کرلئے جائیں گے۔!''

''امی نے تو سارا نقشہ ہی ترتیب دے لیا ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔''اس کا مطلب ہے کہ کام بہت تیزی سے کرنا ہوگا۔!''

''بالکل جی اب لمبی تان کے سونے کے دن گئے۔!'' نصرت نے شوخی سے کہا۔

''فرخندہ کا فون آیا تھا۔!'' امی نے کہا۔''وہ سب آٹھ دس دنوں میں آرہے ہیں۔میاں ان کے ساتھ ہی آرہے ہیں۔ وہ غالباً کوئی رسم ادا کرنا چاہتے ہیں۔!''

''یہ تو اور خوشی کی بات ہے۔!'' نصرت نے ہنس کر کہا۔

''اب ہم لوگ تیاریاں کرتے ہیں تمہاری شادی کی اور تم کرو تیاریاں اپنے بزنس کی۔۔راجہ بھیا۔!'' میں نے نصرت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر، آنکھوں میں محبت کا پیار ایک نور چمک رہا تھا۔ یہ بہنیں بھی مائیں جیسی ہوتی ہیں۔اچانک میرے ذہن میں خیال آیا۔

''کیا سوچ رہے ہو بھیا۔؟'' نصرت نے مجھے چونکایا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اشعر سے ملوں۔وہ کہہ رہا تھا کہ پلاٹ کی لوکیشن بہت اچھی ہے۔اس پر کنسٹرکشن میں کراؤنگا۔ پاپا کو بھی مجھ سے بزنس میں دلچسپی نہ لینے کی شکایت دور ہوجائے گی۔!'' میں نے کہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔!'' امی خوش ہوگئیں۔''اشعر کے پاپا تو اب ماشاء اللہ بہت بڑی کنسٹرکشن کمپنی چلا رہے ہیں۔ یوں ٹھیکے دار کی چالاکیوں کا خوف بھی دور ہوجائے گا۔!''

ناشتے کے دوران ہی اشعر کا فون آگیا۔''کدھر ہو۔؟'' اس نے پوچھا۔

''بڑی لمبی عمر ہے تمہاری، ابھی تمہارا ہی ذکر ہورہا تھا۔!'' میں نے کہا۔

''ذکر میرا مجھ سے بہتر جو تیری محفل میں ہو۔!'' اس نے گنگنا کے کہا۔''آجاؤ تمہارا انتظار ہی کررہا ہوں۔!''

''تم ہی آجاؤ۔!'' میں نے جواب دیا۔''آنا تو پھر ادھر پڑے گا۔شفیق خان سے ملنا ہے۔!''

''اچھا۔۔۔!'' وہ اچانک سمجھ گیا جیسے سب کچھ۔''ٹھیک ہے میں آجاتا ہوں۔!'' اس نے کہہ کر فون بند کردیا۔

☆☆☆

گھنٹے بھر کے بعد اشعر کی آمد کے ساتھ ہی میں باہر نکل آیا۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے یہی تھا کہ رامین کے معاملے میں مقصود اور ارشد کی غلط فہمی دور کی جائے تاکہ یہ مسئلہ حل ہوجائے، ورنہ بعد میں پھر کوئی مسئلہ کھڑا ہوگیا تو بات خراب بھی ہوسکتی ہے اور بدنامی تک بھی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

''کیا رہا رات۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

میں نے اس کو ساری صورتحال بتائی اور ساتھ اپنا خیال بھی دھرایا۔

''بات تمہاری ٹھیک ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں شفیق خان کو سسر سے فون کروانا پڑے گا۔!'' تاکہ ایک تو

مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور دوسرے یہ کہ بہر حال یہ بدمعاش لوگ ہیں اور طاقت کی زبان ہی سمجھتے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک اور بھی چیز کو سامنے رکھنا ہوگا۔!'' اس نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''کیا۔۔؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ جولڑکی شگفتہ ہے۔اس کے متعلق بھی تو سوچنا ہے۔ چلو ہم اپنی جان چھڑائیں گے تو سچ بولنا پڑے گا۔ ہمارے اثر و رسوخ سے وہ ہم سے تو باز آجائیں لیکن اگر وہ لوگ غصے اور انتقام کی کیفیت میں شگفتہ اور اس کے گھر والوں کے پیچھے پڑ گئے تو پھر کیا ہوگا۔؟''

''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔!'' میں نے اعتراف کیا۔واقعی میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

''سیاست سمجھو ارسل میاں۔!'' وہ بزرگانہ شفقت سے بولا۔''آخر کو ہم سٹوڈنٹ لیڈر رہے ہیں اور بقول شفیق خان تھانے دار تم ہمارے چمچے کڑچھے۔!'' وہ ہنسا بات کے آخر میں۔

''پھر شفیق خان کی طرف ہی پہلے چلتے ہیں۔!'' اس نے کہا اور گاڑی کا رخ تھانے کی طرف کر دیا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم نے کوئی حکمت عملی مرتب کر لی ہے۔!'' میں نے پوچھا۔

''کافی سمجھدار ہوتے جارہے ہو۔!'' وہ ہنسا۔''دیکھنا آج میں کیا کرتا ہوں۔تھانے دار شفیق خان کس طرح پیش آتا ہے ہم سے۔!''

جب ہماری لمبی چوڑی مرسڈیز بینز تھانے میں داخل ہونے لگی تو تھانے کے بڑے گیٹ پر مامور سپاہی نے ایڑیاں بجا کر سلیوٹ کیا۔

''دیکھا آپ نے۔؟'' اشعر نے میری طرف دیکھا۔''یہ وہی تھانہ ہے جہاں کل ہمیں نصیحتیں ،فضیحتیں وغیرہ وغیرہ مل رہی تھیں۔یعنی کہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔سمجھ رہا ہوگا کہ کوئی افسر اپنی پرائیوٹ گاڑی میں آیا ہے۔!'' اشعر نے گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا اور برآمدے میں داخل ہوگیا میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

''کیا حال ہے محرر صاحب۔؟'' اشعر نے کہا۔

''آپ پھر آگئے۔۔!'' محرر نے دانت نکالتے ہوئے پوچھا۔آج اس کا رد یہ بدلا ہوا تھا۔اس نے کل اپنے صاحب کا ہم سے تعلق اور رد یہ دیکھ لیا تھا۔

''ہاں بھئی پھر آ گئے ویسے تم نے پہچان لیا،پولیس والے تو کسی کو بھی پہچانتے نہیں۔!'' اشعر نے کہا۔

''بس جی جو پولیس والوں کو نہیں سمجھ سکتے پولیس والے انہیں کیسے پہچان سکتے ہیں۔؟'' محرر نے معنی خیز بات کی۔

''ابے کیا باتیں بگھار رہا ہے چل چھوڑ۔۔!'' حیدر خان نے آکر مداخلت کی اور ہم سے بولا۔''چلئے صاحب، صاحب بلا رہے ہیں۔!''

''واہ۔۔کو بکو پھیل گئی بات شناسائی کی۔!'' اشعر آج بڑے موڈ میں تھا۔

''اس نے پے در پے چھتر ول سے میری عزت افزائی کی۔!'' میں نے جواب دیا۔

''کیوں خوشبو کے پیچھے پڑے گئے خوشبودار،ہمیں تو ملنا ہے اس بدبودار موزے والے سے۔!''

''بے فکر رہیں صاحب آج انہوں نے پاؤں نیچے رکھے ہیں۔!'' حیدر خان ہنسا۔''ہم تو جو ملزم نہیں مانتا، اس کو صاحب کے موزے سنگھا دیتے ہیں وہ تو جی فرفر بولنے لگتا ہے۔!''

مجھے ہنسی آ گئی۔ حیدر خان اپنے صاحب کا مزاج آشنا تھا۔ سلطنت چھوٹی ہو یا بڑی، ہر حکمراں کو مصاحب اور چاپلوس مل ہی جاتے ہیں۔ یہ اہلیت اور نا اہلیت کا ایک ایسا امتزاج ہوتا ہے جس کے بغیر کام نہیں چلتا۔

ہم دونوں اس کے کمرے میں پہنچے تو وہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ ایک بندہ اسکی میز کے پاس مرغا بنا ہوا تھا اور دوسرا اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھ کر شفیق خان ہنسا۔''لو جی آ گئے اپنے شہزادے چل بھئی حیدر خان کچھ خاطر مدارات کا بندوبست کر۔!''

مرغا بنے شخص نے شائد یہ سوچا کہ تھانے دار صاحب کے کوئی خاص ملنے والے آئے ہیں اور صاحب کا موڈ اچھا ہے۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کے پیچھے کھڑے شخص نے ایک زوردار بید اس کی کمر پر رسید کیا۔''ابے یہ تیرے مہمان ہیں جو تو اٹھا ہے سواگت کرنے، سسرالی ہیں ایں۔!''

وہ کسمسا کر رہ گیا۔

''لو جی شہزادے دیکھو بھلا اب ہم پولیس والے خواہ مخواہ ہی بدنام ہیں، تشدد کرنے پر، دیکھو ذرا مرغا بنایا ہے۔ یہ تو وہ معصوم سی سزا ہے جو اسکول ماسٹر بچوں کو دیتے ہیں جی۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ جس کو والدین، استاد ادب نہیں سکھاتے انہیں۔۔!'' وہ سوچنے لگا۔

''اسے پولیس سکھا دیتی ہے۔!'' اشعر نے اس کا جملہ مکمل کیا۔

وہ ہنسنے لگا۔ اور پھر ان دونوں کی طرف رخ کر کے بولا۔''چل دوڑ جا۔۔صبح پھر آنا۔!''

وہ دونوں نکل گئے۔ وہ پوری طرح ہماری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔''ہاں جی۔۔اب فرماؤ۔۔!''

''تم سے ملنے کو جی چاہا آ گئے۔!'' اشعر بولا۔

''ہم پولیس والوں کے پاس تو جی اپنے رشتے دار نہیں آتے۔ بغیر ضرورت، بغیر علت، آپ تو جی بادشاہ بندے ہو بہانے کیوں کرتے ہو، حکم کرو۔!'' شفیق خان تھانے دار بہت کائیاں تھا۔

''پہلی بات تو اچھی خبر ہے۔۔!'' اشعر نے کہا۔''تم نے جس تھانے میں جانا ہے، بتا دو، تمہارا تبادلہ ہو جائے گا۔!''

''اچھا۔۔!'' اس کے باچھیں کھل گئیں۔''کب تک۔۔؟''

''جب تم ہمارا کام کر دو گے۔!'' میں نے کہا۔

''کام۔۔؟'' اس کی تیز نظریں میرے چہرے پر گڑ گئیں۔''کونسا کام۔۔؟''

''کام یہ ہے کہ۔۔۔!'' میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ اور رامین سے معلوم ہونے والی ساری صورت حال اس کو بتا دی۔

''ہونہہ۔۔!'' اس نے ساری بات سن کر ایک ہنکاری بھری۔''بدمعاشوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔!''

''ناممکن تو نہیں ہوتا۔!'' اشعر نے کہا۔''سب چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں، منشیات فروشی، جوا، کار چوری، قبضہ

گروپ، ہزارہا ثبوت ہوتے ہیں پولیس کے پاس۔درجنوں ایف آئی ار ،جو سیل ہوتی ہیں مناسب وقت کے لئے۔!'' اشعر ہنسا۔''اپنے تھانے دار جی بطخ کے بچے کو تیرنا کون سکھائے ،قانونی چلت پھرت کو تم سے بہتر کون جانتا ہے۔ایک طرف ترقی ،تعلقات، پیسہ۔دوسری طرف ذراسی بے نیازی۔!''

''لیڈر صاحب۔۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔''جو آپ چاہتے ہو، وہ ہوجائے گا۔مگر میری ایک شرط ہے۔!''

''کیا۔۔۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں وہ تھانا لونگا۔۔۔!'' اس نے ایک ایسی جگہ کا نام لیا۔جو پورے شہر میں معروف تھی۔

''ٹھیک ہے۔!'' اشعر نے حامی بھر لی۔

''تو بس سمجھو تمہارا کام ہوجائے گا۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔

''لیکن وہ تصاویر وغیرہ کا مسئلہ۔۔!'' میں نے کہا۔''وہ کیسے ضائع ہونگیں۔؟''

''بے فکر رہو بادشاہو۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔''ادھر بندے ڈیلیٹ ہوجاتے ہیں۔تصویر صاف کرنا کیا مسئلہ ہے۔!''

''بہت بہت شکریہ۔!'' میں نے ممنونیت سے کہا۔

''اصل میں، میں نے ایف آئی آر جان بوجھ کر نہیں کاٹی تھی۔'' شفیق خان نے کہا۔''مسئلہ بیٹی کا تھا۔لڑکی کی عزت کا، بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔میرے بھی بیٹی ہے۔اس لئے میں نے کہا تھا کہ گھر جا کر مسئلہ حل کرو۔!''

میں نے حیرت سے تھانے دار شفیق خان کی طرف دیکھا۔اس کی تیز نگاہوں سے میری حیرت پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''کیوں کیا پولیس والوں کے احساسات نہیں ہوتے۔ان کی بیٹیاں نہیں ہوتی ہیں۔؟'' اس نے سوال کیا۔

''کیوں نہیں ہوتی ہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔''مگر تم پولیس والے اپنے آپ کو اتنا دور رکھتے ہو کہ تمہارے متعلق کسی فرد کے لطیف احساسات جاگ ہی نہیں سکتے ،لوگ تمہیں بے حس، جذبات سے عاری، تشدد سے بھرپور ایک ایسی فورس سمجھتے ہیں کہ جن کے پاس ہر مسئلے کا حل بیہمانہ تشدد کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔!''

شفیق خان تھانے دار میری بات سن کر ہنسنے لگا۔''اگر یہ حکمت عملی نہ ہو تو لوگ ہماری بیوی بچوں، رشتے داوں کو اپنے حق میں سفارش کے لئے اٹھا لائیں۔پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جب سے میڈیا آزاد ہوا ہے اسے پولیس کا بے رحم ڈنڈا تو نظر آتا ہے مگر معاشرے کی وہ نالیاں نہیں دکھائی دیتی ہیں جن سے گند نکل کر معاشرے کو متعفن کر رہا ہے۔اب ہر ٹی وی پر کرائم ڈاکومنیٹریز پیش کی جارہی ہیں۔عورت کو جس طرح پیش کیا جارہا ہے۔حسین وجمیل، دلکش مسکراہٹ نچھاور کرنے والی، اسکرین پر جلوے بکھیرنے والی حسینہ۔پھر ان کے حصول کا جذبہ بھی تو بڑھتا جارہا ہے۔پھر جب گھی سیدھے ہاتھ سے نہیں نکلتا تو پھر انگلیاں ٹیڑھی کرتے ہیں اور پھر جرم کا آغاز ہوتا ہے۔!''

تھانے دار شفیق خان نے کہا۔اسی وقت اس کے موبائل کی گھنٹی بجی، اس نے فون اٹھایا اور بولا۔

''ذرا تھانے چلے آؤ تم نے بہت بڑا پنگا لیا ہے۔!''

☆☆☆

بس ایک پولیس مقابلے کی دیر ہے

''باقی باتیں ادھر ہوں گی۔!'' تھانے دار نے بڑی دبنگ آواز میں کہا۔''بعض لوگ جو ہوتے ہیں وہ دکھتے نہیں۔اور جو دکھتے ہیں وہ ہوتے نہیں۔پھر جب پنگا لیا ہے تو بھگتو۔!''اس نے فون بند کر دیا۔

''لو جی۔!اس کی تو نکل گئی ہوا۔۔وہ کیا کہتے ہیں سارا دم خم ہوا ہو گیا۔!''

''کس کا فون تھا مقصود کا یا ارشد کا۔؟''میں نے پوچھا۔

''نہ ارشد کا، نہ مقصود کا، اس کے کرتا دھرتا ماجے ٹنڈے کا۔!''تھانے دار شفیق خان نے بتایا۔

''ماجے ٹنڈے کا؟ بڑا عجیب نام ہے۔!''میں نے کہا۔

''بعض بدمعاش اپنا نام بگاڑ لیتے ہیں جان بوجھ کر، دراصل یہ ایک ہی ہاتھ سے زیادہ کام لیتا تھا۔نام تو اس کا ماجد ہے مگر ماجے ٹنڈے کے نام سے معروف ہے، اکثر لوگ اس کے نام کی وجہ سے اس کو ٹنڈا ہی سمجھتے ہیں، مگر بہت اچھا پہلوان ہے۔!''

''یہ بدمعاش اپنا نام کیوں بگاڑتے ہیں۔؟''اشعر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''دراصل یہ نفسیاتی طور پر خود اندر سے کمزور ہوتے ہیں۔اور جو بھی اندر سے نفسیاتی طور پر خوف زدہ اور کمزور ہوتا ہے۔وہ دوسروں کو مختلف طور سے خوفزدہ کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔اس کوشش میں وہ اپنے عجیب وغریب خوفزدہ کرنے والے نام رکھتا ہے، جیسے ٹنڈا تب یہی خیال آتا ہے کہ کسی گروپ سے لڑائی میں ہاتھ ٹوٹنے کے باوجود گروپ بنا کے بیٹھا ہے۔کوئی مرچی ہے تو کوئی پھاوڑا، الغرض جرم کی دنیا میں زیادہ تر کیس اسی قسم کے ہوتے ہیں۔!''

''شفیق خان آپ تو جرائم کی دنیا کے اتھارٹی ہیں۔کیسے آ گئے اس فیلڈ میں، آپ کو تو استاد ہونا چاہیے۔؟''میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

''استاد تو ہیں ہم۔!''تھانے دار شفیق خان نے ہنس کر کہا۔''مگر ذرا دوسری قسم کے، پڑھنا لکھنا شوق ہے ہمارا، شاعری سے شغف ہے، اور استاد قمر جلالوی سے عقیدت فرماتے ہیں۔بڑھا بڑھا کر جفائیں جھکا ہی دو گے کمر، گھٹا گھٹا کر قمر کو ہلال کر دو گے۔!''

تھانے دار شفیق خان نے بڑے ترنم سے استاد قمر جلالوی کا شعر پڑھا، کیا نزاکت سے استاد نے پورے چاند کو

گھٹا کر ہلال تک لے آنے کی سعی کی ہے۔ سبحان اللہ۔۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔!''

میں اور اشعر حیرت سے تھانے دار شفیق خان کو دیکھ رہے تھے، جس کے اندر حیران کر دینے کی بلا کی صلاحیت تھی انسان بھی کیا مجموعۂ اضداد ہے۔ ایک معمہ ہے سمجھنے، سمجھانے کا۔

ابھی ہم لوگ باتیں کر رہی رہے تھے کہ اچانک کئی گاڑیاں تھانے کی حدود میں آ کر رکیں۔ تھانے دار شفیق خان کے کمرے کی ٹنڈ گلاس کی کھڑکی سے بیرونی منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ دھڑ دھڑ دروازے کھلے اور بند ہوئے، ان میں سے پانچ سات آدمی برآمد ہوئے، ان کے قد خاصے لمبے تڑنگے تھے۔ ان کے چہرے، مہرے انداز اطوار صاف بتا رہے تھے کہ وہ کس دنیا کے رہنے والے ہیں۔

''لو جی آ گئے سسرالی۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔ ''ذرا دیکھنا ان کی اکڑ فوں۔!'' اس نے کہا اور دراز کھولی۔ اس میں سے ایک چھوٹا کنگھا، پیلی چھوٹی قینچی، ایک مونچنا، اور ایک چھوٹا آئینہ برآمد کیا۔ اور بڑے انہماک سے مونچنا ایک ہاتھ میں پکڑ کے دوسرے ہاتھ میں آئینہ پکڑ کے اپنی ناک کی اندرونی جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔

اتنے میں چار پانچ آدمی اندر داخل ہوئے، ان میں سے پہلے آنے والا آتے ہی بولا۔ ''کیوں بھائی کیا بات ہے؟ کیوں بلایا ہے تم نے ہم کو۔؟'' وہ چہرے سے چھٹا ہوا بدمعاش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سوال نے واضح کر دیا کہ وہ ماجا ٹنڈا ہے۔

''اوہ ذرا ٹھہر۔۔ مجھے ذرا ہاتھ کا کام نمٹانے دے، یہ سالے آج کل نائی بھی کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرتے۔!'' اس نے ماجے ٹنڈے کو بری طرح جھڑکا اور اپنی مونچھوں میں سے ایک بال اکھاڑا۔ ''ہیں جی۔۔ بھلا تھانے دار شفیق خان کی مونچھ میں سفید بال کا کیا کام۔؟''

ماجے ٹنڈے نے ہمیں دیکھا۔ کمرے میں دو ہی کرسیاں تھیں جن پر ہم بیٹھے تھے۔ چار کرسیوں کی قطار کافی دور کمرے کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ یعنی جو غیر ضروری ملاقاتی کمرے میں آئے وہ تھانے دار سے کافی دور بیٹھے۔ اس کی آمد پر ہم نے کوئی حرکت نہیں کی۔ اچانک چق اٹھا کر حیدر خان نے اندر جھانکا، اور سارے ماحول کو ایک نظر میں بھانپ لیا اور غڑاپ سے اندر آیا۔

''لو جی۔۔ آپ سب صاحب کی میز کے گرد جمگھٹا لگائے کائے کو کھڑے ہو، دیکھتے نہیں صاحب ضروری کام کر رہے ہیں۔!'' اس نے ان پانچوں کو کہا۔ ''چلو جی وہ کرسیاں پڑی ہیں بیٹھو۔۔ صاحب فارغ ہوتے ہیں تو بلا لیتے ہیں۔!''

''یہ کون سا ایسا ضروری کام ہے۔؟'' ماجے ٹنڈے نے غرا کے کہا۔ ''ہمیں تھانے بلا کر خود مونچھیں بنانے میں لگ گئے۔!''

''لو جی۔۔ مرد کی تو شان ہی مونچھیں ہیں،۔ جو مرد ہوتے ہیں وہ ان کا سب سے زیادہ دھیان رکھتے ہیں ماجے بھائی۔!'' حیدر نے بڑی لجاجت سے کہا اور ہنسا۔ واضح طور پر اس نے لحیم شحیم ماجے ٹنڈے کے کلین شیو ہونے پر طنز کیا تھا۔

''حیدر بھائی۔۔!'' ماجے ٹنڈے نے کہا۔ ''ہم بھی تو مصروف ہیں، دیکھو شفیق خان نے بلایا ہم چلے آئے۔!''

''لو جی۔۔ اب ایسی بھی کیا بے تکلفی اور لاپرواہی کہ تم تھانے دار صاحب کا نام لیکر بات کرو۔'' حیدر خان نے

اسے ٹوکا۔ ''ہم تو حد ادب میں صاحب کا نام بھی نہیں لیتے۔ ہم کیا سارا علاقہ ہی ان کی رعایا ہے۔ پوچھو لو، یہ بیٹھے ہیں تھوڑی دیر پہلے ہی نصیرا ڈیڑھ گھنٹے مرغا بن کر گیا ہے۔ روز آتا ہے ڈیڑھ گھنٹے کی کلاس لینے۔ ہمارے سر کا نام لیا تھا۔ بے ادبی سے، صاحب ویسے تو نرم دل ہیں مگر ہیں تو تھانے دار اور وہ بھی خان صاحب۔ جی حاکم کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی دونوں سے ڈرنا بہتر ہے۔ نجانے کب دونوں الف ہو جائیں۔!''

میں بے اختیار حیدر خان کی مزاج شناسی اور صورت حال کو سمجھنے کی صلاحیت پر عش عش کر اٹھا۔ کیا مزاج آشنائی ہے۔ کیا ایک دوسرے کی فطرت کو سمجھنے کا باہمی ربط ہے۔

ماجے ٹنڈے نے کہا کچھ نہیں، خاموشی سے جا کر کرسی سنبھال لی، اس کی دیکھا دیکھی باقی نے بھی کرسیاں سنبھال لیں۔

شفیق خان نے کنکھیوں سے دیکھا اور بولا۔ ''وہ کیا ہے اپنا ماجے، تم بھی کچھ دیکھ کے ہاتھ نہیں ڈالتے، نام سنا ہے تم نے مرزا شمشیر جنگ کا۔؟''

''ہاں سنا ہے۔!'' بے اختیار ماجا ٹنڈا کھڑا ہو گیا۔ ''کیوں کیا ہوا۔؟''

''لو جی۔۔ لگتا ہے شلوار گیلی ہو گئی۔!'' حیدر خان نے تڑکا لگایا۔

''لو جی کیا کہتے ہیں کہ کیا ہوا۔؟ ان سے پنگا لے لیا۔ ابے انٹیریئر منسٹری جانتا ہے، وزارت داخلہ جس کے تحت یہ سارے محکمے آتے ہیں۔ حاکم لوگوں سے پنگا لے لیا تو نے۔ بس ایک پولیس مقابلے کی دیر ہے۔ اور سب فشوں، دھواں یعنی کہ بس رہے نام اللہ کا۔!''

میں نے دیکھا کہ پریشانی ان کے چہروں سے صاف پڑھی جا رہی تھی۔ تب مجھے ادراک ہوا کہ مجرم ہوں یا شریف، حاکم ہوں یا بدمعاش، سب کے علیحدہ علیحدہ دائرے ہیں۔ کوئی کسی کے دائرے میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ خصوصاً نچلے دائرے والے تو تصور بھی نہیں کر سکتے۔

''مگر ہوا کیا۔ کیا غلطی ہو گئی۔؟'' ماجے ٹنڈے نے کہا۔ ''کچھ بتاؤ گے تو پتا چلے گا۔!''

''فائلیں کھل گئیں، رشتے داریاں ڈھونڈی جا رہی ہیں۔!'' تھانے دار شفیق خان نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''تم نے پنگا جو اتنا بڑا لے لیا، دن دھاڑے وہ بھی رانا شمشیر جنگ کی بھتیجی اٹھا لی۔!''

''ایں۔۔!'' ماجے ٹنڈے کی حیرت دیدنی تھی۔ اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر نیچے گر پڑا تھا۔

''ہاں جی کیا کہتے ہیں کہ تم نے سوچا ہی نہیں کہ کس کی لڑکی اور کس خاندان کی اٹھا رہے ہو۔ تم جانتے ہو رانا شمشیر جنگ کو، بڑے بڑوں کا پتا پانی ہوتا ہے ان کے آگے۔ لو جی مجھے تو یوں لگتا ہے کہ تمہاری بدمعاشی کا لائسنس ختم۔!''

تھانے دار شفیق خان نے نہایت اطمینان سے کہا۔ اور بڑے مزے سے کنگھا، آئینہ، قینچی اور مونچھنا اندر دراز میں رکھا۔ اور زور دار آواز سے دراز بند کر دی۔

''آپ ہی کچھ کرو۔ تھانے دار جی۔!'' اچانک ماجے ٹنڈے نے آگے بڑھ کر تھانے دار کے پیر پکڑ لئے۔

''میں کیا کروں۔؟ میں کیوں بلاوجہ افسران کا عتاب مول لوں۔ کیا کہتے ہیں۔طویلے کی بلا، بند کے سر، نہ قصور میرانا، ساجھا، پھر کیا کروں؟۔ سوکھے دھانوں پر پانی کہاں پڑے اور کیوں پڑے۔۔ ایں جی۔؟'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔

''تھانے دار جی بس کسی طرح اس مصیبت سے جان چھڑا دو۔ حرجا خرچا منہ مانگا جو چاہے کرو۔!''

''وہ لڑکا چاہتے ہیں چھدا ہوا۔!'' آنکھیں نکلیں، پاؤں ٹوٹے، ہاتھ غائب۔!'' تھانے دار شفیق خان نے بڑی موثر تصویر کشی کی۔''جب عزت کا معاملہ آ جائے تو پھر کوئی معاف نہیں کرتا۔!''

''ارے نہیں۔!'' وہ بری طرح رو پڑا۔''میری جان لے لو، میرے بدن پر سوراخ کرلو، مگر میرے بچے کو کچھ نہ کہو۔!'' اچانک وہ بدمعاش سے ایک باپ، ایک سرپرست بن گیا۔

''کیا کروں۔؟'' تھانے دار شفیق نے بڑے مربیانہ انداز میں پوچھا۔''بغیر کسی مٹھائی کے خطا معاف کراؤں، کیوں مجھے جوتے پڑاؤ گے۔ میری تو گئی پٹی۔ نانا بابا۔۔!''

''بولو۔۔ بولو تو سہی۔!'' ماجے ٹنڈے نے بے بسی سے کہا۔

''جو کہوں گا مان لے گا۔؟''

''آپ کہہ کر تو دیکھو۔!'' ماجے ٹنڈے نے کہا۔

''مقصود سے پوچھ لو۔!'' تھانے دار شفیق خان نے مشورہ دیا۔

''وہ گدھا۔۔ اور۔۔۔!'' ماجے ٹنڈے نے کئی وزنی گالیاں اس کو دیں، وہ کیا کرے گا۔ تمہیں تو پتا ہی ہے کہ فیصلے میں کرتا ہوں۔!''

''دیکھو عزت کا معاملہ ہے، اوپر سے نیچے تک سب بری طرح تپے ہوئے ہیں۔ منسٹری کے آرڈر ہیں، پورا پولیس ڈویژن ہل گیا ہے۔ تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے تو وہ لیپ ٹاپ میرے حوالے کرو، پھر 971 میں کھوکھا جمع کرادو۔ لڑکے کو دوبئی یا پھر یو کے بھیج دو۔ سال دو سال تک نظر نہ آئے۔ مقصود کو اپنے کسی دوسرے اڈے پر منتقل کردو۔ سال دو سال میں سارا مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ پھر سب وہی ہو جائے گا۔ ویسے بھی جب تک لڑکی کی شادی وادی ہو چکی ہوگی، کیا خیال ہے۔؟'' اس نے کہا۔

''منظور ہے۔!'' ماجے ٹنڈے نے بلا تامل کہا۔ اور اپنے ایک آدمی کی طرف رخ کر کے بولا۔''ارشد کو اٹھا اور سیدھا دوبئی لے جا۔ میں جب تک نہ کہوں خبردار جو ادھر منہ بھی کیا۔ تھانے دار جی مجھے نمبر دو، ابھی تمہارے لئے کھوکھا شفٹ کرواتا ہوں۔!''

تھانے دار شفیق خان نے اسے ایک نمبر لکھ کر دیا۔ اس نے فون پر بڑی تیزی سے کسی کو وہ نمبر میسج کیا اور ساتھ ہی فون پر بولا۔''دس منٹ میں سارا کام ختم کرو۔!'' پھر اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کئے۔ اور بولا۔''ارشد سے کہو مجھے اپنا لیپ ٹاپ فوراً بھیجے۔ بلکہ تو لیکر میرے پاس پہنچ۔!'' اس نے فون بند کر دیا۔

ہم دم بخود یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔

''لو جی یہ تو بڑا ہی عجیب ہو گیا۔ بھلا کوئلوں کی دلالی میں ہم ہاتھ بھی نہ کالے کریں۔؟'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔ ''ہمیں کوئی گھانس نہیں بلکہ گھانس کیا تنکا بھی نہیں۔ اے آسماں نہ ہوا تا بے مہر۔!''

''کہو۔۔کہو۔۔۔!'' ماجے ٹنڈے نے کہا۔ ''تمہاری کیا خدمت کریں تھانے دار جی۔؟''

''وہ تمہارے بھتیجے کی آنکھ میں تنکا پڑ گیا ہے کرولا XLI کا، ہماری تنخواہ تو تم جانتے ہی ہو۔!'' شفیق خان نے کہا۔

ماجے ٹنڈے نے اس کی طرف دیکھا۔ شفیق خان ہنس دیا۔ ماجے ٹنڈے نے کوئی نمبر ملایا۔ ''ہاں تمہارے پاس کوئی XLI کھڑی ہے۔ اچھا ادھر بھیج دو میرے پاس فوراً۔ لیٹر بھی بنا کے بھیج دینا۔ ادھر بیٹھا ہوں تھانے میں۔!''

اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اسی وقت اس کے فون پر میسج ٹیون آئی۔ اس نے پڑھا اور فون کی اسکرین شفیق خان کی طرف کی۔ ''لو دیکھ لو، شفٹ ہو گیا کھوکھا۔!''

''چلو کام تو ختم ہوا۔!'' شفیق خان نے کہا۔ اسی وقت ایک طوفانی رفتار سے موٹر سائیکل اندر داخل ہوئی اور اس پر سے اتر کر ایک آدمی ہاتھ میں بریف کیس لئے ہمارے کمرے کی طرف بڑھا۔ واضح طور پر وہ ارشد کا لیپ ٹاپ لیکر آیا تھا۔ اس نے اندر آ کر لیپ ٹاپ ماجے ٹنڈے کو دیا۔ ماجے ٹنڈے نے وہ لیپ ٹاپ شفیق خان کو پکڑا دیا۔ شفیق خان نے لیکر نیچے رکھ دیا۔

''اب تم جاؤ۔۔ رات تین بجے چھاپا ماروں گا تمہاری طرف، کچھ چرس، افیم دو چار جواری ملنے چاہئیں۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔ ''اس سے پہلے لڑکا دوبئی چلا جائے اور ہو سکے تو مقصود کو بھی بھیج ہی دو۔ ذرا مجھے آسانی ہو جائے گی۔!''

''ٹھیک ہے۔!'' ماجے ٹنڈے نے کہا۔ ''میں چلتا ہوں۔!''

''چلنے کو یہاں سب تیار بیٹھے ہیں۔!'' تھانے دار شفیق خان نے بے نیازی سے کہا۔ وہ لوگ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ پھر اچانک ماجے ٹنڈے نے دوبارہ انٹری دی۔ ''وہ تم سے ایک بات کہنی تھی۔؟''

''کہو۔۔؟'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔

''دو چار مہینوں کے لئے بھتا بڑھا رہا ہوں میں۔ آخر خرچا بھی تو پورا کرنا پڑتا ہے۔!''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے مگر میرے تھانے کی حدود میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔!''

''بے فکر رہو پہلے کبھی شکایت کا موقع ملا۔!'' ماجا ٹنڈا کہہ کر باہر نکل گیا۔

''یہ کیا کیا آپ نے۔؟'' اس کے جاتے ہی اشعر نے کہا۔

''لو جی یہ اپنا لیپ ٹاپ بلکہ تم ہی رکھو، اس میں سے فضولیات صاف کر لو۔!'' اس نے لیپ ٹاپ اٹھا کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

''لیکن میں تو کچھ اور پوچھ رہا ہوں۔!'' اشعر نے کہا۔ ''اس کا جواب دو۔!''

''دیکھو جی بچے جی۔!'' تھانے دار شفیق خان نے مربیانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ دنیا جو ہے نا۔ بڑے حساب کتاب سے چلتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ تمہارے تصور میں بھی یہ بات آ سکتی ہے کہ تم اس سے لیپ ٹاپ واپس لے سکتے

ہو۔ اتنی آسانی سے اپنی جان چھڑا سکتے ہو۔اس طرح کہ وہ نہ صرف بھیگی بلی بن جائے بلکہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ جائے۔؟''

''نام تو تم نے میرے سسر کا استعمال کیا۔!'' اشعر نے جرح کی۔

''بالکل کیا۔مگر کیا تم اس طرح کر سکتے تھے جیسے میں نے کیا۔؟تم کیا کرتے،فون کرواتے،کسی کو بیچ میں ڈالتے ،کیا ہوتا نتیجہ۔بظاہر اچھا ہوتا مگر پھر مستقل ایک خوف سا لگا رہتا۔میرا علاقہ، میرا تھانہ، میں اندر کا آدمی۔قانون کی طاقت میرے ساتھ۔اپنے سارے ڈیپارٹمنٹ کو سمجھتا ہوں، اور ان لوگوں کی نفسیات کو بھی ، یہ جتنی بدمعاشیاں ہوتی ہیں ہمارے بل پر ہوتی ہیں۔ہمیں معلوم ہے کہ کب کس کو کتنا اور کہاں تک رکھنا ہے۔اس نے اسی کی قیمت ادا کی ہے۔صحیح آدمی صحیح طریقے سے بات کرے تو بات نتیجہ دیتی ہے۔اگر صحیح بات کوئی غلط آدمی کرے، بے اختیار آدمی کرے تو وہ ہذیان بن جاتی ہے۔بے تکی بات۔اس کو معلوم ہے کہ پولیس کیا کر سکتی ہے۔؟''

''اشعر یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ہمیں کیا۔ہمیں تو وہ کچھ مل گیا جو ہم چاہتے تھے اتنی آسانی سے، جو ہمارے وہم وگمان میں نہیں تھا۔!'' میں نے کہا۔

''لیکن اگر رانا شمشیر جنگ کو پتا چل گیا۔؟'' اشعر نے سوال کیا۔

''تم سے دوبارہ انہوں نے پوچھا اس مسئلے کے متعلق۔؟'' تھانے دار شفیق خان نے سوال کیا۔

''نہیں۔!''

''وہ پوچھیں گے بھی نہیں۔ وہ بہت مصروف آدمی ہیں۔ اور ان لوگوں کی اتنی ہمت نہیں کہ وہ جا کر سوال کریں۔!'' تھانے دار شفیق خان ہنسا۔

''یہ 971 کیا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ میرا دوبئی کا اکاؤنٹ نمبر ہے۔ ادھر دوبئی ،شارجہ، یو کے کوئی نہیں بولتا۔فون کے کوڈ نمبر ہی ملکوں کے نام ہوتے ہیں۔اس نے پیسے میرے اکاؤنٹ میں منتقل کئے ہیں۔!'' شفیق خان نے صاف صاف کہا۔

''میں نے جس تھانے کی بات کی تھی وہ تھانا چار سے پانچ کروڑ میں بکتا ہے۔لیکن اب کیا قانون کی بدمعاشی کر کے پیسے جمع کروں۔ویسے بھی میری ملازمت میں دو برس رہ گئے ہیں۔اب آرام سے گزاروں گا۔پنشن ملتی رہے گی گزارا ہو جائے گا۔!''

''لیکن تم نے اتنی تیزی سے ساری پلاننگ کیسے کی۔؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پولیس والے خود سے پلاننگ نہیں کرتے، پلاننگ تو سامنے والا دیتا ہے۔ان کے تاثرات، ان کے انداز کو پڑھ لو، کھیل شروع ہو جاتا ہے۔خوف کی چادر کو اتنا گہرا، اتنا بڑا، اتنا تاریک کر دو کہ بندہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے، اور اسی دہشت کی ٹرانس میں آ کر تمہاری مرضی پر بہہ نکلے۔!'' تھانے دار شفیق خان نے کہا۔''مقصود کی ساری بدمعاشی ماجے ٹنڈے کے دم قدم سے ہے۔ ماجا ٹنڈا بے اولاد ہے۔اور اب تک مقصود کے دو جوان لڑکوں کی لاشیں اٹھا چکا ہے۔ارشد کو تنکا چبھنا بھی برداشت نہیں اسے۔اکیلا رہ گیا ہے یہ بھانجا۔یہی اس کی کمزوری ہے۔اسی کمزوری کو میں

نے پھندا بنا دیا۔اور اس وقت تک کستا رہا جب تک کہ وہ بے دم نہیں ہو گیا۔!'' تھانے دار شفیق خان کے لہجے میں انسانی نفسیات کا برسوں کا آزمایا ہوا تجربہ بول رہا تھا۔

وہ خاموش ہو گیا۔کمرے میں ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ پھر میں نے کہا۔''آپ کا بہت بہت شکریہ۔آپ نے ہمیں بہت بڑی الجھن سے بچا لیا۔اب اجازت دیجئے۔!'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔اشعر نے میری تقلید کی۔ ہم ہاتھ ملا کر باہر نکل آئے۔ لیپ ٹاپ میرے ہاتھ میں تھا۔اشعر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور جب ہم باہر نکل رہے تھے تو بغیر نمبر پلیٹ کریم کلر کی XLI تھانے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے ساختہ ہنس پڑے۔

☆☆☆

کام بہت تیزی سے شروع کرنے تھے۔ تین چار دن تو رضوان بھائی کے ساتھ معاہدے کی تکمیل کے حوالے سے گزر گئے۔ دوسری طرف پلاٹ والے اسٹیٹ ایجنٹ سے رابطہ کر کے پلاٹ کی ڈیل بھی فائنل ہو چکی تھی۔ کاغذات کی تصدیق وغیرہ کا کام اشعر نے سنبھال لیا تھا۔اس کے والد نفیس مرزا کو بھی لوکیشن بہت پسند آئی تھی۔ وہ بھی خوش تھے کہ چلو اشعر کا دل کام میں لگا۔ ہم اس شاپنگ مال کو چار منزلہ بنانا چاہتے تھے۔ ہر فلور کے دو حصے ،جن میں دل کھول کے لوگ شاپنگ کر سکیں، ایک مکمل شاپنگ سنٹر۔ یہ آئیڈیا رضوان بھائی کا ہی تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ لوگ وقت بچانے کے لئے اب ایسی جگہوں کا رخ کرتے ہیں جہاں وہ بیک وقت کئی چیزیں خرید سکیں۔ اور پھر ویسے بھی لوگ ورائٹی سے متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ان کو انتخاب کرنے میں مسئلہ نہیں ہوتا۔

بلڈنگ کی ڈیزائننگ اب اشعر کی ذمہ داری تھی۔ متعلقہ اداروں سے نقشہ پاس کروانا اور دیگر معاملات اشعر نے ہی سنبھال لئے تھے۔

امی اور نصرت زور و شور سے رسم کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

مجھے سر پر پڑنے والی ان اچانک مصروفیات میں موقع ہی نا ملا کہ میں جا کر لیپ ٹاپ رامین کو دے آتا۔ میں نے خود دیکھنا مناسب نہیں سمجھا، ایک شام میں ماموں جان کے ہاں چلا گیا۔ممانی جان مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں بولیں۔''ابھی تمہارا ہی ذکر خیر ہو رہا تھا۔ ماشاءاللہ بڑی عمر ہے تمہاری۔!''

رامین نے کہا۔''یہ تو حسب سابق بھول گئے ہونگے کہ کوئی ماموں جان بھی ہیں۔!''

''بالکل ہی بھول جاتا میں۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔''مگر ایک نک چڑھی بھلانے نہیں دیتی۔!''

''اچھا تو میں نک چڑھی ہوں۔!'' وہ غصے سے بولی۔''ذرا دیکھیں تو سہی کتنی پیاری ناک ہے میری۔!''

''بالکل خطرناک سی۔!'' شرمین نے درمیان میں مداخلت کی۔اور پھر میرے ہاتھ میں لیپ ٹاپ دیکھ کر بولی۔ ''کیا بات ہے کوئی دفتر جوائن کر لیا کیا۔؟''

''جی نہیں۔!'' میں نے کہا۔''مجھ سے نوکری کی پابندی برداشت نہیں ہوتی۔!''

''پھر کیا کریں گے۔؟'' رامین نے پوچھا۔''اپنا بزنس کریں گے۔؟''

''ماموں جان کدھر ہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم ادھر ہیں۔!'' ماموں جان کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔ان کے ہاتھ میں کچھ سامان تھا۔شائد وہ ابھی ابھی مارکیٹ سے آرہے تھے۔

ماموں جان کو سلام کر کے میں نے انہیں بتایا۔''ماموں جان یہ ارشد کا لیپ ٹاپ ہے۔اس کو دیکھ کر اس میں ساری چیزیں ڈیلیٹ کر دیں۔اور اب یہ تم ہی رکھو۔!'' میں نے رامین کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا۔۔!'' مارے حیرت کے رامین کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔''یہ آپ کو کیسے ملا۔؟''

''آم کھاؤ، پیڑ نہ گنو۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔''بے فکر ہو جاؤ وہ دبئی چلا گیا ہے۔کم از کم سال دو سال کے لئے،اور اب اگر آیا بھی تو کم از کم اس جگہ کا رخ نہیں کرے گا۔!'' میں نے تسلی دی۔

''مگر پھر بھی بیٹا آخر یہ کرشمہ ممکن کیسے ہوا۔؟'' ماموں جان بھی اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکے۔''کچھ بتاؤ تو سہی۔!''

''یہ سب تھانیدار شفیق خان کی مہربانی سے ممکن ہوا ہے۔!'' میں نے انہیں ساری صورتِ حال بتانے سے گریز کیا۔

''اللہ کا شکر ہے۔!'' ممانی جان اٹھ کھڑی ہوئیں۔''میں ذرا شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔اللہ تعالیٰ شفیق خان کو خوش رکھے،اگر ایسے نیک پولیس افسر ہو جائیں تو پھر سارا معاشرہ ہی سدھر جائے۔!''

''میں بھی ذرا تازہ دم ہو جاؤں پھر بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔!'' ماموں جان بہت خوش تھے اس خبر سے۔وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔

کمرہ خالی ہو گیا۔

''سنئے۔!'' رامین نے آہستگی سے کہا۔

''کہو۔۔!'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں، ہونٹ کپکپا رہے تھے، اور بدن لرز رہا تھا۔

''مم۔۔میں کیسے شکریہ ادا کروں۔؟'' اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''اپنوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔بات عزت کی تھی، میں کیسے غافل رہ سکتا ہوں بھلا۔؟'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''نہیں۔۔اس کا شکریہ ادا نہیں کر رہی ہوں میں۔!'' اس نے دھیمے سے کہا۔''شکریہ تو میں اس بات کا ادا کر رہی ہوں کہ جب ابو کا،امی کا اعتبار مجھ پر سے ختم ہو گیا تھا۔تب آپ نے بغیر جانے،بغیر پوچھے مجھ پر بھروسہ کیا۔!''

''کیسی باتیں کر رہی ہو۔تمہاری زندگی کا ایک ایک لمحہ میرے سامنے ہے،اور میں جانتا ہوں کہ میری رامین کچھ غلط نہیں کر سکتی۔!''

''میں آپ کی رامین ہوں۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔''یاد رکھئے گا۔!''

''کیا مطلب۔۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔اسی وقت ماموں جان غسل خانے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چلی گئی۔

''اب خوش ہے میری بیٹی۔!'' ماموں جان نے جاتی ہوئی رامین کو مسکرا کے دیکھا۔''اور اس گھر کی خوشیاں لوٹانے کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔!''

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ ماموں جان۔!'' میں نے احتجاج کیا۔''کیا یہ میرا گھر نہیں۔؟''

ماموں جان ہنسنے لگے۔تھوڑی دیر میں ممانی جان بھی شکرانے کے نفل پڑھ کر آ گئیں،اور چائے میں ہمارے ساتھ شریک ہو گئیں۔

میں نے کہا۔''اگر آپ محسوس نہ کریں تو ایک بات کہوں۔؟''

''لو بھلا اس میں محسوس کرنے کی کیا بات ہے۔کہو تو سہی۔!'' ممانی جان نے بادام کا حلوہ میری پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اب اس بات کا تذکرہ کسی سے مت کیجئے گا۔حتیٰ کہ امی جان سے بھی،اس لئے کہ جو بات ختم ہو گئی،سو ختم ہو گئی۔!''

''اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔!'' بے ساختہ ممانی جان نے کہا۔''کتنے احسان کرو گے ہم پر۔!'' ان کی آنکھوں میں ممنونیت بھرے آنسو چھلک آئے۔

''اب ایسے مت کہیں۔!'' میں نے گھبرا کے کہا۔میرا انداز کچھ ایسا تھا کہ رابعہ ہنسنے لگی،اور پھر اس ہنسی میں سب شامل ہو گئے۔

اچانک میرے موبائل کی گھنٹی بجی،میں نے چونک کر دیکھا۔اسکرین پر مہوش کا نمبر تھا۔

''معاف کیجئے گا میں ذرا فون سن لوں۔!'' میں اندر سے اٹھ کر باہر آ گیا۔''ہیلو اسلام علیکم۔!'' میں نے کہا۔

''وعلیکم اسلام۔کیسے ہیں آپ۔کیا کر رہے تھے،فون ریسیو کرنے میں اتنی دیر۔!'' مہوش کے لہجے میں بے حد اپنائیت تھی۔

''وہ ذرا ماموں جان کے ہاں آیا تھا۔کمرے سے باہر آنے کے بعد ہی فون ریسیو کیا۔!'' میں نے کہا۔''کب آ رہے ہیں آپ سب گھر۔!'' میں نے پوچھا۔

''کیوں آپ کو انتظار ہے۔؟'' اس نے برجستہ پوچھا۔

''ہاں پہلی بار کوئی انتظار اچھا لگ رہا ہے اور وہ بھی تمہارا انتظار۔!'' میں نے بے ساختہ کہا۔وہ چپ ہو گئی۔ خاموشی کا لمحاتی وقفہ بے حد طویل تھا۔

☆☆☆

میں اپنی خواہش سے دست بردار ہو جاتی ہوں

مجھے اچانک ایک وحشت سی ہونے لگی، انتظار کی کیفیت وحشت کو بھی جنم دیتی ہے۔ یہ محبت کیا ہوتی ہے۔ کیسے دل میں گھر کرتی ہے اور کیسے فرد کی حیاتی کی ساری بُنت کو بدل دیتی ہے۔ لمحوں میں خوشی، لمحوں میں دکھ، مایوسی اور گریز کا امتزاج فرد کو کس قدر زوالی کیفیتوں سے ہم کنار کر دیتا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔ ''چپ کیوں ہو گئیں۔!''

''بس ایسے ہی۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔

''پھر بھی کوئی بات تو ہے۔!'' میں نے کہا۔ ''بتاؤ تو سہی۔!''

''بس آپ کو اپنی ایک خامی بتانا چاہتی ہوں۔!'' وہ بولی۔ ''برداشت کر لیں گے آپ۔؟''

''خامی کیا ہو گی آپ میں، آپ تو قدرت کی مرتب کی ہوئی ایک غزل ہیں۔!'' میں نے مسکرا کے شوخی سے کہا۔ نجانے کیوں جب مہوش کا فون آتا تھا تو میری طبیعت بے حد نہال ہو جاتی تھی۔

''میں بہت شدت پسند ہوں۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔ ''میری محبت میں قیامت کی شدت ہے۔''

''اچھا۔۔!'' میں نے کہا۔ ''مجھے محبتوں کی شدتوں کا کوئی تجربہ نہیں۔ بلکہ یہ کہئے کہ اب سے قبل مجھے محبت کا بھی کوئی تجربہ نہیں۔!''

''آپ بہت سادہ، بہت اچھے ہیں۔!'' وہ بولی پھر اچانک بات بدل کر بولی۔ ''کیا کر رہے تھے ماموں جان کے ہاں۔؟''

''ماموں جان سے ملنے آیا تھا۔!'' میں نے اسے بتایا۔

''اچھا۔آ آ۔!'' اس نے اچھا کو بہت لمبا کھینچا۔ اور پوچھنے لگی۔ ''آپ گھر کب جائیں گے۔؟''

''کیوں خیریت۔ حکم ہو تو ابھی چلا جاؤں۔!'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''ہاں بس گھر آ جائیں میں آپ سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔!'' اس کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

''میں پیچھے مڑا تو رامین کھڑی تھی اور بہت غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو۔!'' نجانے کیوں میں جھینپ سا گیا۔ مجھے لگا کہ جیسے میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں۔

''کچھ نہیں۔!'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''بس ایسے ہی کھڑی تھی۔!''

''اچھا۔۔ میں ذرا ممانی جان سے اجازت لے لوں، پھر چلتا ہوں۔!'' پتا نہیں کیوں مجھے اس کی نگاہوں سے خوف آنے لگا۔

''ابو عشاء پڑھنے مسجد چلے گئے ہیں اور امی بھی عشاء کی نماز کے لئے کھڑی ہو گئی ہیں۔!'' اس نے مجھے بتایا۔

''اچھا تو پھر میرا سلام کہہ دینا، میں جا رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔!'' میں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر باہر آ گیا۔ پتا نہیں مجھے کیوں اتنا عجیب سا لگنے لگا تھا۔ میں نے اس سے پہلے اپنی ایسی کیفیت محسوس نہیں کی تھی۔

☆☆☆

میں شام کو گھر آیا تو امی اور نصرت بڑے زور و شور سے کسی معاملے میں گفتگو کر رہی تھیں۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی نصرت نے کہا۔ ''لیجئے ارسل بھی آ گیا۔ اب آپ اس کی بھی رائے لے لیں۔!''

''کیا بات ہے۔ جو آپ دونوں اس قدر زور و شور سے مذاکرات فرما رہی ہیں۔!'' میں امی کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''میں اپنا زیور تڑوا کر تمہاری دلہن کے لئے کچھ بنوا رہی ہوں۔ نصرت اپنے کڑے بھی دے رہی ہے۔ میں منع کر رہی ہوں تو یہ بگڑ رہی ہے۔!'' امی نے مجھے بتایا۔

''تو کیا میں اپنے اکلوتے بھائی کے لئے کڑے بھی گفٹ نہیں کر سکتی۔؟'' نصرت نے لاڈ سے کہا۔ ''ایک ہی تو میری بھاوج آنے والی ہے۔!''

''ویسے امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔!'' میں نے امی کی تائید کی۔ ''تمہارا سارا زیور اب پنکی کی امانت ہے۔!''

''اللہ تم لوگوں کو خوش رکھے، امی کا سایہ سر پر سلامت رکھے، پنکی کو کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔ انشاء اللہ۔!'' نصرت نے جواب دیا۔ ''کیا آپ لوگ میری یہ چھوٹی سی خوشی بھی پوری نہیں کر سکتے۔؟''

''تمہاری ہر خوشی ہمارے لئے اہم ہے، قابل قدر ہے۔ لیکن اگر امی ایسا کرنے سے منع کر رہی ہیں تو اس کی کوئی نا کوئی ٹھوس وجہ ضرور ہو گی۔!''

''چلیں ٹھیک ہے، مجھے بتا دیں میں اپنی خواہش سے دست بردار ہو جاتی ہوں۔!'' نصرت نے تیزی سے کہا۔

''دیکھو بیٹا۔'' امی نے رسانیت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ارسل کی شادی میں سب ہی آئیں گے، تمہارے سسرال والے بھی ہونگے۔ شادی میں عورتوں کی فطرت ہوتی ہے۔ ان کی ٹوہ ہوتی ہے کہ دلہن کو کیا ملا ہے اور کیا جہیز لائی ہے۔ تمہارے کڑوں والی بات تمہاری ساس کو پتا چلے گی تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گی اور ان کا الزام یہی ہو گا کہ تمہارے پیسے کھائے جا رہے ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم کوئی ہلکی پھلکی چیز دے دو تو بہتر ہے۔ ورنہ تم نے تو سب سے قیمتی چیز اپنا بھائی، اپنی بھاوج کو گفٹ کر دیا ہے۔!'' آخری فقرہ امی نے مسکرا کے کہا۔

نصرت امی کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔ ''لیکن میرا تو سارا زیور انہوں نے رکھ لیا ہے۔!'' ''وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔؟''

''اس لئے تو میں کہہ رہی ہوں۔ جو زیور اب تمہارے پاس ہے وہ تو میں نے تمہیں بنوا دیا۔ خدا نے تمہیں بیوہ

بنا دیا لاوارث تو نہیں ہو، کیوں کوئی تمہارا حق، تمہاری آرزؤ کو مارے، وہ اسی بات پر شروع ہو جائیں گی۔ بیٹا مارنے والے کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے، بولتے کی زبان کون پکڑے گا۔؟''

نصرت چند لمحے سر جھائے امی کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہوئی بولی۔'' ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔!''

''مگر تم دل چھوٹا نا کرو۔!'' میں نے نصرت سے کہا۔اس کی کیفیت مجھ سے چھپی نہ رہ سکی۔ مایوسی اور لاچارگی اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔''تم ساری رسمیں کرنا، اور دل بھر کے بھائی سے نیگ لینا۔!''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔!'' وہ خوش ہوگئی۔

اسی وقت پنکی کمرے سے باہر نکلی اور بولی۔''ماموں دوکان۔۔ چیز لا۔!''

''چلو میں تمہیں کچھ دلا دوں۔!'' میں نے پنکی کو گود میں اٹھا لیا اور پوچھا۔''آپ لوگوں کو بھی کچھ منگوانا ہے۔؟''

''ہاں ذرا وہ فہرست لانا نصرت۔!'' امی نے نصرت سے کہا۔نصرت نے ایک کاغذ امی کو پکڑا دیا۔

''یہ سامان لیتے آنا۔!'' امی نے کہا۔

''میں بھی چلوں۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''ماما چل۔۔ ماما چل۔۔!'' پنکی نے شور مچایا۔

''جاؤ تم بھی چلی جاؤ۔!'' امی نے کہا۔''میں ذرا دوسرے کام دیکھ لوں۔!'' امی نے کہا اور پیسے مجھے تھما کے اٹھ گئیں۔ ہم تینوں باہر آ گئے۔ میں نے گیراج سے گاڑی نکالی اور مارکیٹ کا رخ کیا۔ پنکی حسب معمول اگلی سیٹ پر بیٹھی کھڑکی کے شیشے سے ناک ٹکائے باہر کا منظر دیکھنے میں مگن تھی۔

☆☆☆

''کیا کر رہے ہو۔؟'' اشعر کا فون آیا۔

''کچھ نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔''یار وہ ذرا شاہانہ کو لیکر ڈاکٹر کی طرف جانا ہے تم بھی آ جاؤ۔!''

''کیوں خیریت تو ہے نا۔؟'' میں نے پوچھا۔اس سے پہلے اشعر نے کبھی اس قسم کی بات نہیں کی تھی۔

''خیریت تو ہے لیکن مجھے نجانے کیوں ڈر لگ رہا ہے۔!'' اشعر کے لہجے میں یقیناً کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونک گیا۔

''بتاؤ کیا بات ہے۔۔ سچ بتا۔!'' مجھے پریشانی لاحق ہوگئی۔

''یار شاہانہ کو بہت تھکن سی رہتی ہے۔بعض اوقات بخار بھی آ جاتا ہے۔کل ہم لوگ کھانے پر گئے تھے اچانک اسے چکر آیا تو وہ گر پڑی۔تھوڑی دیر کے لئے تو جیسے بے ہوش ہوگئی تھی۔ میں نے پہلی بار اس کی یہ کیفیت دیکھی تھی۔ میں گھبرا گیا۔اور کھانا چھوڑ کر اسے ہاسپٹل لیکر گیا۔ ڈاکٹر متین اللہ کے پاس۔!'' اشعر نے بتایا۔متین اللہ ان کے فیملی ڈاکٹر کا نام تھا۔انہوں نے کچھ ٹیسٹ لکھے ہیں جو اسی وقت کروا لئے اب ان کی رپورٹ آنی ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا

ہے۔!''

مجھے بے حد حیرت ہوئی اشعر اتنے چھوٹے دل کا تو نہ تھا۔''یار گھبرا کیوں رہے ہو۔ میں ابھی آجاتا ہوں تم دل کیوں چھوٹا کرتے ہو۔انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔!''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔!'' اشعر نے کہا۔''یار مجھے اس سے سچ مچ محبت ہوگئی ہے۔میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔!'' وہ رونے لگا۔دل پھینک اشعر پر کیسا وقت آگیا تھا۔

سچ ہے کہ جب محبت اپنا نزول کرتی ہے تو ریگ کو نخلستان بنا دیتی ہے۔تاریکی کو اُجال دیتی ہے۔زندگی کی نئے سرے سے تفہیم کر دیتی ہے۔

میں اشعر کے گھر جانے کے لئے نکلا ہی تھا کہ اشعر کا دوبارہ فون آگیا۔''یار ہم ڈاکٹر متین اللہ کے ہاں جانے کو نکل ہی رہے ہیں۔تم بھی وہیں آجاؤ۔!''

میں نے اچھا کہہ کر گاڑی کا رخ متین اللہ کے پولی کلینک کی طرف کر دیا۔ڈاکٹر متین اللہ پہلے ہمارے محلے میں ہی کلینک کرتے تھے۔کلینک کے دوران بھی انہوں نے اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلے گئے۔آٹھ برس یورپ اور امریکا میں رہے۔پھر پاکستان واپس آگئے اور اپنا جو کچھ پیسا کما کر لائے تھے اس سے ایک شاندار پولی کلینک قائم کیا۔مگر آدمی وضع دار اور بامروت تھے۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا بھی رکھی تھی۔

دونوں خوبیوں نے پرانے مریضوں کو دوبارہ تو ملایا ہی، نئے مریض بھی بے تحاشا ہو گئے۔ان کی پرسنالٹی بے حد دلکش تھی عورتیں، بچے ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔وہ مجھے بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے۔میں جب ڈاکٹر متین اللہ کے کلینک پہنچا تو مجھے اشعر کی گاڑی پارکنگ لاٹ میں سامنے ہی نظر آگئی۔گویا اشعر مجھ سے پہلے پہنچ گیا تھا۔

میں اندر پہنچا تو حسب معمول مریضوں کا رش لگا ہوا تھا۔ڈاکٹر متین اللہ اپنے کیبن میں بیٹھے تھے، اور شیشے کے کیبن میں بیٹھے وہ دونوں مجھے دکھائی دے گئے۔میں نے ہولے سے شیشے کے دراوزے پر دستک دی، اشعر نے میری طرف دیکھا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔میں کیبن میں داخل ہو گیا۔

''اسلام علیکم ڈاکٹر صاحب۔!'' میں نے ان کو سلام کیا۔

وہ ایک لمحے میں پہچان گئے اور سلام کا جواب دیتے ہوئے خوش دلی سے بولے۔''اچھا تو ارسل تم بھی آ گئے۔بھئی تمہارے دوست کا پچنا ابھی تک نہیں گیا۔ذرا سی بیماری میں گھبرا جاتا ہے۔!''

''یہ تو شروع ہی سے تھوڑے دل کا ہے۔!'' میں نے کہا۔اور شاہانہ کی طرف اشارہ کیا۔''مگر اب یہ ان پر منحصر کہ یہ اپنے ہونے والے میاں جی کو کس قدر دل گردے کا مضبوط بناتی ہیں۔!''

''میں تو کہتی ہوں کہ مجھے کچھ نہیں ہوا۔مگر ان کو تسلی ہی نہیں ہوتی۔!'' شاہانہ ہنسی۔مگر میں نے محسوس کیا اس ہنسی میں وہ کھنک، وہ تازگی نہیں تھی جو کہ اس کا خاصا تھی۔

''کیا بیماری نکلی، رپورٹس کیا آئی ہیں۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''الٹی ہو گئی سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا۔۔۔دیکھا آخر اس بیماریٔ دل نے کام تمام کیا۔!'' ڈاکٹر متین

اللہ ہنسے۔ وہ بہت زندہ دل اور دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔''ارے نوجوانوں کو بیماریٔ دل سے آگے نہیں جانا چاہیے، یہی روگ کافی ہے زندگی کے لئے۔!''

''لیکن پھر بھی کچھ تو بتایئے۔!''اشعر نے کہا۔

''اصل میں کچھ بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے لئے مریض کی ہسٹری جاننا بہت ضروری ہوتا ہے، اس لئے میں شاہانہ کے والدین خصوصاً ان کی امی سے ملنا چاہوں گا۔لیکن دھیان رکھو کہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہیں جتنا کہ تم سوچ رہے ہو۔!''ڈاکٹر متین اللہ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔!''اشعر نے کہا۔''میں ایک دو دن میں شاہانہ کی امی کو ساتھ لیکر آؤں گا۔آپ جو بھی تفصیل سے پوچھنا چاہیں پوچھ لیجئے گا۔!''

''چلو اب اچھے بچوں کی طرح جاؤ کوئی اچھے سے ہوٹل میں اچھا سا ڈنر کرو۔!''انہوں نے ہلکے سے ڈانٹا۔ مریض کتنا ہی پریشان کیوں نہ ہو۔مرض کیسا ہی کیوں نا ہو، ڈاکٹر متین اللہ کی تسلی وتشفی والی اپنائیت بھری گفتگو اس کو آدھا تندرست کر دیتی تھی۔

ہم لوگ انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئے۔''گاڑی میں بھی لایا ہوں اور تم بھی۔!''اشعر نے کہا۔''کہو تو ڈرائیور بلوالوں ایک گاڑی وہ لے جائے گا۔!''

''اب ڈرائیور کہاں آئے گا ویسے بھی تو گھر جانا ہی ہوگا۔تمہارا کیا پروگرام ہے۔؟''میں نے پوچھا۔

''چلو یار اچھا سا کھانا کھاتے ہیں۔!''اشعر نے کہا۔''چلو تاج چلتے ہیں۔!''

''ٹھیک ہے۔تم آگے چلو میں پیچھا کرتا ہوں۔!''میں نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا۔اشعر نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی آگے بڑھادی، میں نے بھی گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔

تھوڑی دیر میں ہم لوگ تاج پہنچ گئے۔تاج کا بوفے پورے شہر میں مشہور تھا۔ہم گاڑیاں پارکنگ میں لگا کر ٹہلتے ہوئے بوفے کے لئے بنے مخصوص حصے میں آگئے۔حسب معمول کافی رش تھا۔

ویٹر نے ہماری راہ نمائی میز تک کی اور تعظیم دے کر چلا گیا۔''چلو بھئی اپنی اپنی پسند کی چیزیں لائیں۔!''

''میرے لئے آپ ہی لے آئیں۔!''شاہانہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔اس کے ماتھے پر پسینے کے ہلکے ہلکے قطرے چمک رہے تھے۔

''بھابھی جی۔!''میں نے گلاس میں پانی انڈیلا اور اس کی طرف بڑھایا۔''لگتا ہے کہ آپ تھک گئی ہیں۔لیجئے تھوڑا سا پانی پی لیجئے۔!''

''شکریہ۔۔!''شاہانہ نے گلاس تھام لیا۔

''میں کچھ لیکر آتا ہوں تم دونوں باتیں کرو۔!''اشعر نے کہا اور کھانے کی طرف بڑھ گیا۔

''مجھے اچھا لگا آپ کی دوستی دیکھ کر، اشعر آپ کے متعلق بہت باتیں کرتے ہیں۔!''شاہانہ نے کہا۔

''سچ پوچھیں تو ہمارے درمیان پہلی بار کوئی دوسرا آیا ہے۔یعنی آپ۔!''میں نے ہنس کر کہا۔''اشعر سچ مچ آپ

کو بہت چاہتا ہے۔آپ کی طبیعت کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے۔!'' میں نے اسے بتایا۔

''کیا آپ کے دوست بہت زیادہ رومانٹک ہیں۔؟'' اس نے دھیمے سے پوچھا۔

''ارے وہ سب دل بہلانے کے طریقے ہیں۔خوش شکل ہے۔ پیارا ہے۔لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے اس سے دوستی کے لئے مرے جاتے ہیں پھر سٹوڈنٹ لیڈر بھی رہا ہے۔آپ کو تو پتا ہی ہے کہ بولنے والا اگر خوبصورت بھی ہو تو پھر ایک انار، سو بیمار والا معاملہ ہو جاتا ہے۔!''

''یہ دوست کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں یا صفائی دے رہے ہیں۔؟'' شاہانہ مسکرائی۔

''بھابھی جی شک نہ کیجئے گا۔اشعر دل کا بہت صاف، بہت پاک ہے۔!'' میں نے فوراً ہی کہا۔

''اچھا لگا کہ آپ نے مجھے اتنی جلدی بھابھی کے درجے پر فائز کر دیا۔!'' وہ بولی۔

''یہ تو قدرت کے کام ہیں۔وہ جوڑے بناتا ہے آپ یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔؟''

''شائد آپ اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ اشعر بہت۔۔بہت زیادہ خوبصورت ہیں۔ پیسہ اور تعلیم بھی ان کا مسئلہ نہیں پھر انہوں نے کیوں مجھ سے شادی کی ہامی بھری۔؟'' شاہانہ نے آہستگی سے کہا۔

میں اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا۔دفعتاً مجھے اس کی بیماری سمجھ میں آ گئی۔وہ بیمار نہیں تھی۔نفسیاتی طور پر خوف زدہ تھی۔اشعر کو حاصل کرنے کے بعد اس کو کھو دینے کے خوف میں مبتلا تھی۔اور پیار کے چھن جانے کا خوف انسان کے ریشے ریشے سے زندگی کا رس چھین لیتا ہے۔اگر کوئی مجھ سے چند ہفتے قبل پوچھتا کہ محبت کیا ہے۔اس کی اثر پذیری کیا ہے۔کس طرح رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔تو شائد میں اس قسم کی باتوں کو حماقت اور خلل ہے دماغ کا کہہ کر نظر انداز کر دیتا۔مگر جب سے مہوش میری زندگی میں آئی تھی۔زندگی کا مفہوم ہی بدل گیا تھا۔

''کہاں گم ہو گئے ہیں آپ۔؟'' شاہانہ نے مجھے چونکایا۔

''کچھ نہیں۔!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔''آپ کی بات سن کر سوچ رہا تھا کہ آپ شائد چھن جانے کے خوف میں مبتلا ہیں۔!''

اس نے میری طرف جن نگاہوں سے دیکھا انہوں نے بتا دیا کہ میں نے بالکل صحیح کہا۔

''آپ اتنی تیزی سے تجزیہ کیسے کر لیتے ہیں۔؟'' شاہانہ نے حیرت سے کہا۔

''میں صرف سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اور اشعر کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔وہ واقعی آپ پر مرتا ہے۔!''

شاہانہ کچھ نہ بولی۔مگر ایک گہری سانس اس کے لبوں سے ضرور خارج ہوئی۔

''یہ تم لوگ کیا بذریعہ ٹیلی پیتھی گفتگو فرما رہے ہو۔!'' اشعر نے مختلف چیزوں سے بھری دو تین پلیٹیں ٹیبل پر رکھیں۔

''دیکھو شاہانہ تمہیں کچھ اور چاہیے۔؟'' اشعر نے کھانوں کی طرف اشارہ کیا۔

''بڑے بے مروت ہو تم۔۔!'' میں نے کہا۔''شاہانہ بھابھی کے سامنے مجھے اس طرح نظر انداز کر رہے ہو گویا میں کوئی بن بلایا مہمان ہوں۔!'' میں نے مصنوعی غصے کا مظاہرہ کیا۔

''لو بھلا تم سے زیادہ کون اہم ہو گا۔یہ تو میں شاہانہ کے لئے لایا ہوں کیونکہ از روئے شریعت نان و نفقہ کی ذمہ

داری شوہر کی ہوتی ہے۔ وہ دیکھو ہمراہ نان معہ سالن وسیخ کباب۔!'' اشعر نے نہایت اطمینان سے کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔ ''اب تم جلدی سے اٹھو اور میرے لئے اور اپنے لئے ،لذیز غذاؤں کے کوہ ہمالیہ اٹھالاؤ۔!'' وہ ہنسا اور کوک کا ایک لمبا گھونٹ لیا۔

شاہانہ ہنسنے لگی۔

میں اسے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور کھانا لینے چل دیا۔ ان ہی خوشگوار باتوں میں کھانا کھاتے ہوئے اچانک شاہانہ نے مجھ سے سوال کیا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔؟''

''جی بالکل پوچھئے۔!'' میں نے کہا۔ ''آپ کو تکلفات کی کیا ضرورت۔؟''

''آپ کا اپنی منگنی یا شادی کا کیا پروگرام ہے۔؟''

''اگر تمہارے ذہن میں کوئی رشتہ ہے تو یہ بعد از محال ہے۔!'' اشعر نے درمیان میں مداخلت کی۔

''اچھا۔ کیا ان کی منگنی ہوگئی ہے۔؟'' شاہانہ نے پُر استعجاب لہجے میں کہا۔ ''آپ نے ذکر نہیں کیا۔؟''

''دراصل اس بات کو چند ہی دن ہوئے ہیں۔ امی کی کوئی سہیلی ہیں ان کی صاحبزادی ہیں۔ امی کی پسند ہے تو پھر میں نے ہاں کردی۔!''

''تو آپ کی کوئی اپنی پسند نہیں تھی اتنی اچھی تو شخصیت ہے آپ کی۔!'' شاہانہ نے بے ساختہ کہا۔

''کیوں نہیں پسند ہے۔!'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کون۔۔؟'' اشعر نے بے پناہ اچنبے سے مجھے دیکھا۔

''ارے وہی جو امی کی پسند ہے۔ وہ مجھے بھی اچھی لگنے لگی۔!''

''اوہ۔!'' اشعر نے گہرا سانس لیا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تو نے کوئی وارداتِ عشق کرڈالی ہے۔ بغیر مجھے بتائے، بغیر مجھ سے مشورہ لئے۔!''

''کہاں میری اتنی تاب ومجال۔!'' میں نے ہاتھ جوڑے۔ ''شاہانہ بھابھی محبت کے حوالے سے اپنا اپنا نظریہ ہے۔ کوئی پہلی محبت کا قائل ہے۔ کسی کو عمر بھر پوجتے رہے دوسرے کو خبر نہیں ہوتی۔ پھر اسی طرح حسن بھی بہت مختلف، بہت کیف آور ہوتا ہے۔ یہ تو فرد کے محسوس کرنے پر ہے۔ لیلیٰ کی صورت میں مجنوں کو خدا نظر آتا ہے۔ جب عشق فرد کی ذات سے بلند ہوکر آفاقی سچائیوں سے متصل ہوجائے تو پھر عشق مجازی سے، عشق حقیقی کا سفر شروع ہوجاتا ہے۔ جس کا نہ کوئی انت ہے نا منتر۔!''

''صحیح کہہ رہے ہو۔!'' اشعر نے کہا۔

''مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھا کہ مجھے شاہانہ میں کیا نظر آیا، جو میں اس کو دل دے بیٹھا۔!''

بات اچانک نازک موڑ پر آگئی تھی۔ مجھے منہ پھٹ اور بے باک اشعر کی فطرت کا پتا تھا۔ بات کہنے میں وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔ چاہے کچھ بھی ہو، کوئی اسے اظہار سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے شاہانہ کی طرف دیکھا۔ وہ

اشعر کو بے حد غور سے دیکھ رہی تھی۔ میز کے کنارے کو اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑا تھا کہ اس کی انگلیوں کے ناخن سفید پڑ گئے تھے۔

اشعر نے کہنا شروع کیا۔ ''میں نے بہت سوچا، بہت کھوجا، اپنی تمام پرانی دوستوں کو یاد کیا۔ خوبصورت، ایک سے ایک حسین چہرہ، حسن و رعنائیوں کے مرقعے، لیکن پھر شاہانہ میں کیا تھا۔ جس نے مجھے اپنا اسیر کیا۔؟'' وہ ایک لمحے کو رکا، اور ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ کہنے لگا۔ ''عورت فقط حسن اور متناسب بدن کا نام نہیں۔ عورت میں نسوانیت اور نسائیت ہونی چاہیے۔ یہ مجھے شاہانہ میں ملا۔ اس کے اندر کا اعتماد، اس کے اندر کا سکون، دنیا کے معاملات سے بے نیازی اور قناعت۔ یہ چیزیں بہت دھیمے سے محسوس ہوتی ہیں، کیونکہ یہ چیختی چلاتی آوازیں نہیں ہوتی ہیں۔ روح سے سرگوشیاں ہوتی ہیں۔ یہ وہ چیز تھی جو مجھے کسی لڑکی میں نہیں ملی۔ ظاہری حسن تو بیکار ہے۔ ایکسرے ایشوریا رائے کا ہو یا مادھوری ڈکشت کا، شاہانہ کا ہو یا کوئی کچرا چننے والی عورت کا۔ اندر کا، اصل کا اسٹرکچر ایک ہے۔ قدرت صرف رنگ و کھال کے امتزاج سے ایسے زاویئے تخلیق کر دیتی ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور کس قدر تعجب کی بات ہے کہ حسین سے حسین عورت ہو یا مرد، جب آپ کو ان کی قربت میسر آتی ہے تو بس چند دنوں تک فتح یابی کا احساس رہتا ہے۔ پھر وہ فقط مرد اور عورت رہ جاتے ہیں۔ اور یا پھر اُن کے لئے یہ حسن رہ جاتا ہے جن کی رسائی سے یہ باہر ہوتے ہیں۔ میں نے تو روح کی سرگوشی سن لی۔ اس روح کی جو حسن ازل سے، صانع حقیقی سے حیات کو مستعار لیتی ہے۔!'' اشعر نے کہا اور چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ آج تک کسی مرد نے حسین سے حسین عورت کی اس طرح تعریف نہیں کی ہو گی اس طرح نہیں سراہا ہو گا۔

''اشعر۔۔!'' شاہانہ نے اسے پکارا۔ اس کی آواز میں عجیب طرح کی کپکپاہٹ تھی۔

''ہونہہ۔!'' اشعر بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی شدتوں سے مخاطب تھے کہ میں وہاں سے اٹھ گیا۔ شائد انہیں اندازہ ہی نہیں تھا۔ محبت کس قدر خوابناک کیفیت کا مظہر ہوتی ہے کہ فرد کو اتنا بدل دیتی ہے کہ فرد کے ہر لفظ میں نغمگی، راعنائی، دلربائی اور تاثر بھر جاتا ہے۔ جو بندے کو شہد کر دیتا ہے۔ مصری کر دیتا ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ تب ہی میرے موبائل پر بیل ہوئی۔ میں نے موبائیل اسکرین پر نمبر دیکھا مہوش کا نمبر تھا۔

''ہیلو السلام علیکم۔!'' مجھے اس وقت اس کا فون آنا بہت اچھا لگا۔

''وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ۔؟'' مہوش نے سوال کیا۔

''سوال جواب بعد میں کیجئے گا پہلے یہ بتایئے کہ مجھے گھر آنے کا حکم دیکر آپ نے فون کیوں نہیں کیا۔؟'' میں نے فوراً ہی شکایت کی۔

''گویا ہمارا انتظار تھا آپ کو۔!'' وہ ہنسی۔ ''ہم بھی تو انتظار کرتے ہیں آپ کے فون کا۔!''

''میں نے تو اس لئے نہیں کیا کہ مبادا آنٹی کہیں کہ دیکھو کیسا بے تاب ہو رہا ہے لڑکا۔!'' میں نے فوراً ہی عذر

پیش کیا۔

''اب خیر ماما ایسی بھی نہیں ہیں۔انہیں پتا ہے کہ میں فون کرتی ہوں آپ کو، میں اپنی ماما سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتی ہوں۔!'' وہ بولی۔

''چلو آئندہ میں بھی فون کروں گا۔ویسے تمہارے آنے میں اب کتنے دن رہ گئے ہیں۔!''

''دن گزارنے بھاری لگ رہے ہیں آپ کو۔؟'' اس نے ہنس کر کہا۔مہوش کی گفتگو میں بڑی برجستگی ہوتی تھی۔

''میں زیادہ تو اچھی گفتگو نہیں کرسکتا۔لیکن میں نے کہا تھا کہ مجھے تمہارا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔!''

''شکریہ۔شکریہ۔!'' مہوش نے شوخی سے کہا۔''بس چند دن رہتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ آپ کو سرپرائز دوں گی۔!''

''میں منتظر ہوں۔!''

''ارے یہ شور کیسا ہورہا ہے آس پاس۔؟'' مہوش نے چونک کر پوچھا۔

''ہم یہاں تاج آئے ہوئے تھے اشعر اور شاہانہ کے ساتھ۔!'' میں نے جواب دیا۔''یہاں بہت سارے لوگ جمع ہیں۔!''

''اس وقت تو وہاں گیارہ بج رہے ہونگے۔؟'' مہوش نے پوچھا۔

میں نے گھڑی دیکھی واقعی سوا گیارہ بجے تھے۔''صحیح کہہ رہی ہو۔!'' میں نے جواب دیا۔

مگر وہ اپنی دھن میں کہہ رہی تھی۔

''آٹھ بجے ہوں تو آپ ماموں جان کے ہاں ہوتے ہیں۔گیارہ بجے دوستوں اور ان کی بیویوں کے ساتھ۔ گھر میں ہوں تو نصرت اور امی کے ساتھ۔میرے ساتھ کب ہوتے ہیں آپ۔؟'' اس کا لہجہ بے حد عجیب ہوگیا۔

میں اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا۔مہوش یہ کیا کہہ رہی ہے۔؟

☆☆☆

ہر انداز میں ایک جادو ایک طلسم ہوتا ہے

''اچھا ناراض کیوں ہوتی ہو۔؟'' میں نے کہا۔''ابھی تھوڑی دیر میں گھر پہنچتا ہوں تو تمہیں اتنی لمبی کال کروں گا کہ تم کہو گی بس کریں۔!''

''کہیں ایسا ہو ہی نا جائے۔!'' وہ قدرے ناراضگی سے بولی۔''کبھی تو کوئی ایسا وقت ہو کہ آپ صرف مجھ سے باتیں کریں۔!''

''کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ٹھیک ہے میں انتظار کرتی ہوں۔!'' وہ بولی اور فون بند کر دیا۔

''کیوں بھئی ہمیں چھوڑ کر کیوں چلے آئے۔؟'' اچانک اشعر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بس ذرا وہ فون آ گیا تھا۔!'' میں نے جواب دیا۔

''مہوش کا ہوگا۔؟'' اشعر نے جواب دیا۔''کیا باتیں ہوئیں، کتنا بے چین لگ رہے ہو چہرے سے۔؟'' اشعر نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔

''کیوں چھیڑ رہے ہیں۔آپ ارسل بھائی کو۔!'' شاہانہ نے میری طرف داری کی۔

''ارے چند ملاقاتوں میں ہی اس کی طرف داری، کیا ہو گیا ہے زمانے کو، نظر لگ گئی یارانے کو۔!'' اشعر نے ایک مصنوعی آہ بھری۔

میں نے دیکھا کہ شاہانہ کا چہرہ بہت کِھلا کِھلا سا ہے۔اس کی کیفیت میں ایک خاص قسم کی سرشاری تھی۔ جو صرف محسوس ہو سکتی تھی۔ بتلائی نہیں جا سکتی تھی۔انسان بھی اپنے اندر کیسے کیسے اندیشے، وہم، وسوسے پالتا، بہلاتا رہتا ہے۔کبھی یہ وسوسے سانپ بن کر سچ مچ ڈس لیتے ہیں۔اور کبھی یہ وسوسے فقط راستے کی دھول ثابت ہوتے ہیں جو مسافر کا ایک خاص حد تک پیچھا کر سکتے ہیں۔اور پھر تھک کر فرش خاک ہو جاتے ہیں۔

''میرا خیال ہے کہ کوئی ایسی خاص بات ہے جو ارسل گم ہو گئے ہیں۔!'' شاہانہ نے مسکرا کے کہا۔

''ظاہر ہے محبوب کی ہر بات میں، ہر انداز میں ایک جادو ایک طلسم ہوتا ہے۔ بلاوجہ تو کوئی اسیر نہیں ہوتا۔!'' اشعر نے مسکرا کے کہا اور شاہانہ کی طرف دیکھا۔شاہانہ مسکرا دی۔

''اگر میرے موضوع سے دل بھر گیا ہو تو کچھ کہوں۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''بالکل کہو۔!'' اشعر نے کہا۔''ہم نے تو سنی ہے ساری عمر آپ کی۔!''

''خیر اب اتنے بھی اچھے نہیں ہو، یوں کہوں کہ سنائی ہے ساری عمر۔!''

''میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں کی چونچیں چلتی ہی رہیں گی، امی پریشان ہو رہی ہونگی۔!'' شاہانہ نے ہمارے درمیان مداخلت کی۔

''کمال ہے اے حسیں، ہمارے لب لعلیں کو چونچیں قرار دے دیا۔!'' اشعر نے ایک آہ بھری۔''اے چرخِ نیل فام یہ دن بھی دکھانا تھا تو نے ہمیں۔؟''

''آپ کو تو تھیٹر کرنا چاہئے۔!'' شاہانہ بے ساختہ ہنسی۔''ایکٹنگ بہت اچھی کر لیتے ہیں آپ۔!''

''بھئی ہم نے ہمیشہ ہی یہ کہا کہ یہ دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہر شخص اداکار، اپنے اپنے حصے کی اداکاری کر کے چلا جاتا ہے۔!''

''حضرت یہ آپ کا ارشاد نہیں، شکسپیئر کا کہنا ہے۔!'' میں نے فوراً ٹوکا۔

''ناہنجار۔!'' اشعر نے غصے سے مجھے گھورا۔''نہیں جانتا کہ بڑے آدمیوں کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے، وہ کیا کہتے ہیں اس کو یونیورسل ٹروتھ، آفاقی سچائی۔!''

''اب آفاق سے نیچے اتریئے، یہ بل دیجئے۔!'' میں نے کہا۔

''سچ ہے کہ حساب کتاب احساسات لطیف کو فنا کر دیتا ہے۔!'' اس نے پرس نکالنے کے لئے بیک پاکٹ کو ہاتھ مارا اور پرس کھینچا۔

ویٹر اس کی باتوں کو حیرت سے سن رہا تھا۔ اشعر نے بل پڑھا اور پیسے اس میں رکھے اور بولا۔''چلئے جناب محفل دوستاں ہوئی برخواست۔!''

یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ہم سے بے فکر، بے پرواہ، خوش وخرم کوئی نہیں۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اچانک اشعر رکا اور میری طرف آ کر بولا۔

''دیکھا کیا علاج کیا میں نے شاہانہ کا۔ اب خوش ہے نا۔؟''

''کیا مطلب تم سمجھتے تھے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اور کیا۔؟'' وہ آہستگی سے بولا۔''لڑکیوں کی رگ رگ سے واقف ہوں میں، مجھے معلوم ہے کہ کہتی کیا ہیں اور سوچتی کیا ہیں۔ مجھے اس کی فکر ہے۔ کیونکہ مجھے اس سے سچ مچ محبت ہوگئی ہے۔!'' اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔''تم سچ مچ بہت بدل گئے ہو۔ مجھے بہت اچھا لگا۔!''

''یار ہم نہیں بدلتے ہمیں بدل دیتا ہے محبت کا طاقت ور جذبہ۔!'' وہ مسکرایا اور خدا حافظ کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

میں گھر آیا تو رات کے ڈیڑھ بجے رہے تھے۔ امی سو گئی تھیں، نصرت نے دروازہ کھولا۔ ''اتنی دیر کر دی بھیا۔!'' اس نے نیند بھری آواز میں کہا۔ ''جلدی آجایا کرو، کھانا لاؤں۔؟''

''کھانا میں نے اشعر کے ساتھ کھا لیا ہے۔ آپ آرام کرو، میں دراوزے لاک کرلوں گا۔!'' میں نے کہا۔ خدا حافظ کہہ کر وہ چلی گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا، ضروریات وغیرہ سے فارغ ہوکر میں نے عشاء کی نماز ادا کی اور اس کے بعد اطمینان سے لیٹ کر مہوش کا نمبر ملایا۔ اس نے پہلی ہی بیل پر فون ریسو کرلیا۔ ''اسلام علیکم۔!'' وہ بولی۔

''وعلیکم السلام کیا حال ہیں۔؟'' میں نے خوش دلی سے پوچھا۔

''ہماری کیا فکر آپ کو۔ کب سے فون کا انتظار کر رہی تھی۔!'' اس کے انداز میں شکوہ تھا۔

''دراصل وہ آنے میں دیر ہوگئی لیکن اب گھر آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کر رہا ہوں کہ تمہیں فون ملا رہا ہوں۔!'' میں نے کہا۔ ''یوں لگ رہا ہے کہ تم جیسے ناراض ہو۔!''

''نہیں۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔ ''کبھی کبھی آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ مجھ کو اہمیت نہیں دیتے۔!''

''ایسے نہیں سوچتے۔!'' میں نے کہا۔ ''ہر شخص کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اور تم تو میرے لئے بہت خاص ہو۔!''

''اچھا۔!'' وہ ہنسی۔ ''کتنی خاص۔؟''

''خاص کا پیمانہ تو نہیں ہوتا لیکن وقت ثابت کر دیتا ہے کہ فرد کی زندگی میں کس کی کیا اہمیت ہے۔!'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''تم اپنے آپ کو دوسروں کے مقابل نہ سمجھا کرو، امی اور نصرت تمہیں بہت پیار کرتی ہیں۔!''

''اور آپ۔۔؟'' وہ بے ساختہ بولی۔

''میں۔۔۔!'' میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اسے کیا جواب دوں۔ میں چپ رہا۔

''بتایئے نا۔۔!'' اس نے اصرار کیا۔

''تم نے کہا نا کہ میں بہت شدت پسند ہوں۔ ہے نا۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''جی۔۔!''

''بعض لوگ اپنی شدت پسندی کا اظہار بے ساختہ کر دیتے ہیں اور بعض اپنی محبتوں کے اظہار میں آہستگی کے قائل ہوتے ہیں، مجھے ایسا ہی سمجھ لو۔ مگر۔!'' میں چپ ہوگیا۔

''مگر کیا۔۔۔؟'' وہ بے تابی سے بولی۔ ''مگر کیا۔۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔؟''

''میری محبت پر یقین رکھنا، زندگی میں مجھے پہلی بار اگر کوئی اچھا لگا ہے تو وہ تم ہو۔!'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن میں شائد پوری طرح اظہار پر قادر نہیں۔!''

''آپ کتنا اچھا بولتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ سنتے رہو، باتیں کرتے رہو۔!'' وہ بولی۔ ''اور یونہی باتوں باتوں میں رات گزر جائے۔!''

''صبح بہت کام ہیں۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''اب سو جاؤ۔۔۔!''

''اب نیند نہ آئے گی ہم کو جاناں۔۔بے خواب کر گیا تیرا جمال مجھے۔!''اس نے ہولے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

امی نے سچ مچ میرے لئے کتنی اچھی لڑکی پسند کی ہے۔ میں سوچا۔ بے پناہ پیار کرنے والی، چاہنے والی۔ یہ بڑوں کے فیصلے کتنے اچھے ہوتے ہیں۔ میں نے نیند کے گہرے سمندر میں اترتے ہوئے سوچا۔ اور پتا نہیں کب نیند کے ہلکورے مجھے بے خبر کر گئے۔

☆☆☆

میں صبح اٹھا تو طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی۔ امی نے مجھے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھ کر کہا۔''آج تمہاری کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے۔ ذرا میرے ساتھ چلنا ہے۔!''

''جہاں جی چاہے چلئے۔ آپ کے حکم سے زیادہ تو کوئی مصروفیت نہیں۔!'' میں نے کہا۔''کہاں جائیں گی آپ۔؟''

''توصیف کے گھر چلنا ہے۔!'' امی نے کہا۔''میں چاہتی ہوں کہ ان لوگوں سے مشورہ بھی کرلوں ساری عمر توصیف نے ہمارا خیال رکھا ہے، ہر طرح سے تمہارے لئے کھڑا رہا۔!'' امی کے لہجے میں توصیف ماموں کے لئے بے پناہ محبت تھی۔

''تمہارے ماموں جان کے احسانات کا بدلہ تو اُتار ہی نہیں سکتے، مدد فقط روپے پیسے کی نہیں ہوتی۔ آسرے کی، دھیان کی بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو سارے جہاں بھر کی خوشیاں دے۔!''

''ناشتا تیار ہے کر لو جلدی سے۔!'' نصرت نے کہا۔''امی میں تو کہہ رہی ہوں کہ رامین کو کچھ دنوں کے لئے بلا لیجئے۔ شادی کا گھر ہے ڈھولکی وغیرہ بجائیں گے، کچھ ہلا گلا کریں گے۔!'' نصرت نے تجویز پیش کی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔!'' امی نے بڑے پیار سے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔''میں لیتی آؤ گی اِنہیں۔!''

''کتنا مزا آئے گا۔'' نصرت خوش ہو رہی تھی۔

''کتنا۔؟'' میں نے پوچھا۔''دو چار کلو، دو چار من۔!''

''من ہی من میں لڈو پھوٹ رہے ہیں بھیا۔!'' نصرت ہنسی۔''چہرہ تو دیکھو کیسے کھلا پڑ رہا ہے، امی دیکھئے گا ارسل پر ابھی اتنا روپ ہے، تو دولہا بن کر کیا رنگ چڑھے گا۔ سب دیکھتے ہی رہ جائیں گے دولہا میاں کو۔!'' اس کے انداز میں بے حد فخر تھا۔

''اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے۔!'' امی نے کہا اور اپنے سامنے رکھے ہوئے سامان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

شائد امی نے ماموں جان کو فون کر دیا تھا سب ہی بے حد منتظر تھے۔ گھر سے نکلتے نکلتے بارہ بج گئے تھے۔ وہاں کھانا بڑے اہتمام سے تیار تھا۔ رامین، شرمین، نیلوفر، رابعہ سب ہی امی جان سے بہت پیار سے ملیں، سب ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔

''آپا جان جب بھی گھر میں آتی ہیں مجھے تو پہلے کے دن یاد آنے لگتے ہیں۔!'' ماموں نے بہت خوش تھے۔''کیوں ریحانہ تمہیں نہیں لگتا ہے کہ جیسے دن پیچھے کو پلٹ جاتے ہیں۔!''

''صحیح کہتے ہیں آپ۔!'' ممانی جان نے بھی بڑی خوش دلی سے تائید کی۔''مجھے تو اپنے دلہناپے کے دن یاد آجاتے ہیں۔کتنی محبت اور پیار دیا ہے آپا جان نے ہمیں۔!''

''محبت یکہ طرفہ تو نہیں ہوتی بھابھی جان۔!'' امی نے کہا۔وہ ہمیشہ ہی چھوٹی ہونے کے باوجود ممانی جان کو بھابھی جان ہی کہتی تھیں۔''یہ تو ایک دوسرے کے تعلق کو تسلیم کرنے سے ہی آگے بڑھتی ہے۔!''

''دیکھا۔۔!'' رامین نے میرے کان میں سرگوشی کی۔''کیا گفتگو چل رہی ہے۔کیا کہیں گے آپ اس کو۔!''

''میں بولوں۔!'' نیلوفر شوخی سے بولی۔

''کہو۔۔کہو۔۔!'' شرمین نے اپنی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائی۔''آپ کیوں پیچھے رہیں۔!''

''مجھے تو یہ انجمن ستائش باہمی کا جلسہ لگ رہا ہے۔!'' نیلوفر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اس کی بات اتنی برجستہ تھی کہ ہم لوگ کوشش کے باوجود اپنی ہنسی نہ روک پائے۔

''اے لڑکیوں کیا ٹھٹھے مار رہی ہو۔؟'' ممانی جان نے چونک کر ہم سب کی طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں امی ارسل بھائی حسب معمول کھانے کا پوچھ رہے تھے۔!'' شرمین نے بات بنائی۔

''ہاں۔۔۔ہاں چلو کھانا لگاؤ۔!'' ممانی جان نے حکم صادر کیا۔سب لڑکیاں اٹھ گئیں۔

''آپا جان آپ جس خوشخبری کا ذکر کر رہی تھیں وہ تو سنائیے۔!'' ماموں جان نے پوچھا۔

''وہ یاد ہے ہمارے محلے میں رہتی تھیں حاجی غلام علی صاحب کی صاحبزادی،فرخندہ غلام علی، میری کلاس فیلو۔!''

''ہاں۔۔ہاں۔۔!'' ماموں جان نے کہا۔''مجھے یاد ہے آپ کی بہت عزیز سہیلی تھیں۔خیریت تو ہے نا۔کیا ہوا۔؟'' ماموں نے گھبرا کے پوچھا۔

''وہ چلی گئیں تھیں شادی کے بعد یو کے، چند دن پہلے ہی ملاقات ہوئی تھی ان سے۔اب پاکستان واپس آ گئی ہیں،ان کی بیٹی ہے مہوش۔!''

''جی۔۔۔!'' اچانک جیسے ماموں جان کا چہرہ بجھ سا گیا۔شائد انہیں آگے کی بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

امی اپنی ہی دھن میں کہہ رہی تھیں۔''ان کی بیٹی مہوش پسند کی ہے ارسل کے لئے۔ماشا اللہ بہت پیاری ہے۔!''

''یہ تو اچھی بات ہے۔؟'' ماموں جان نے بڑی تیزی سے اپنے تاثرات کو کنٹرول کر لیا۔

''میں نے سوچا کہ آپ لوگوں سے بھی مشورہ کر لوں۔!'' امی نے کہا۔

''بالکل ہم حاضر ہیں۔یہ تو گھر کی شادی ہے۔!'' ماموں جان نے کہا۔

''بھابھی جان میں تو چاہتی تھی کہ ارسل کے لئے اپنی ہی بچی لاتی،مگر جب رامین انٹر میں تھی تو میں نے بھابھی

جان کا عندیہ لیا تھا۔ تو انہوں نے کہا سلیم بھائی کا خیال ہے اپنے بیٹے کے لئے۔ اس لئے پھر میں نے کچھ نہیں کہا۔ ویسے بھی شریعت میں رشتے پر رشتہ مانگنا برا ہے۔ ورنہ مجھے تم لوگوں سے بھلا کون پیارا ہے۔؟'' امی جان نے کہا۔

میں نے دیکھا کہ ممانی جان کا چہرہ جیسے ایک دم سفید پڑ گیا ہو۔

''آپا جان جوڑے تو نصیب سے بنتے ہیں ہم اور آپ تو صرف خواہش کر سکتے ہیں۔!'' ماموں جان نے ہنس کر کہا۔ ''لیکن اتنی اہم خبر آپ بغیر مٹھائی کھلا رہی ہیں۔!''

میں ان سے بہت دور تو نہیں تھا جو ماموں جان اور ممانی جان کے تاثرات کا اندازہ نہ کر پاتا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ امی جان نے سب کے متعلق کتنا کچھ سوچا ہوا تھا۔ لیکن ممانی جان کا اپنا فیصلہ تھا۔ سلیم ممانی جان کے بڑے بھائی تھے۔ کافی خوش حال اور ایک بڑے عہدے پر فائز، ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ شائد اسی لئے ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہن کے ہاں رشتہ کریں گے۔ اور جب اس بات کا امی کو علم ہوا تو پھر انہوں نے مزید کہنا مناسب نہیں جانا۔ مگر نجانے مجھے کیوں لگا کہ ماموں جان کو اس صورت حال کا علم ہی نہیں تھا۔

''ارسل کیا گاڑی سے مٹھائی نہیں نکالی۔؟'' امی نے مجھے آواز دی۔

''جی میں لیکر آتا ہوں۔!'' میں اٹھ گیا گاڑی میں سے مٹھائی کا ڈبہ نکال لایا۔ امی نے اپنے ہاتھ سے ڈبہ کھولا اور اس میں حبشی حلوہ تھا۔ ماموں کی پسندیدہ مٹھائی۔

''یہ لو منہ میٹھا کرو۔!'' امی نے حلوے کا پیس ماموں جان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے حلوہ لے لیا۔ پھر امی نے ممانی جان کو دیا۔

''یہ کیا کھایا جا رہا ہے۔ اکیلے ہی اکیلے۔!'' رامین نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں جگ گلاس کی ٹرے تھی۔

''ارے بیٹا ارسل کی بات چیت طے ہوگئی ہے اس کی شادی کا سوچ رہے ہیں۔!'' امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لو تم بھی کھاؤ۔!''

''جی۔۔!'' رامین آگے بڑھی اور حیرت سے میری طرف دیکھا۔ پھر اچانک ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

''ارے یہ کیا ہوا۔۔؟'' ممانی جان چونکیں۔

''کچھ نہیں امی، ٹرے چھوٹ گئی ہاتھ سے۔!'' شرمین نے کہا اور رامین سے بولی۔ ''تم جاؤ میں ٹوٹے ہوئے کانچ اٹھا لیتی ہوں۔!'' رامین خاموشی سے چلی گئی۔

اتنی دیر میں نیلوفر اور رابعہ نے دسترخوان لگا دیا۔ ''آیئے پھوپھی جان کھانا تیار ہے۔!''

''چلیں آپا جان پہلے کھانا کھا لیں پھر باتیں کرتے ہیں، ویسے بھی ان معالات میں تو آخر تک تیاریاں چلتی رہتی ہیں۔!'' ماموں جان مسکرائے۔

مگر میں نے محسوس کیا کہ کہیں نا کہیں ماحول میں افسردگی کا تاثر ہے۔

''وہ نصرت کہہ رہی تھی کہ بچیوں کو لے آؤں، ذرا کچھ ڈھولکی وغیرہ رکھے گی وہ۔!'' امی نے کہا۔

''بالکل۔!'' ماموں جان نے کہا۔ ''ایک آدھ روز میں ان کے سکول، کالج میں چھٹی کی درخواست دیکر میں ان

کو آپ کے ہاں لے آؤں گا۔تم لوگوں کے کوئی امتحان کوئی ٹیسٹ وغیرہ تو نہیں ہو رہے۔؟''

''میرے ٹیسٹ دو دن میں ختم ہو جائیں گے۔!'' رابعہ نے کہا۔''نیلو سے آپ پوچھ لیں۔!''

''میں بھی اسی ہفتے فارغ ہو جاؤں گی۔!'' نیلوفر نے کہا۔

یوں بہت ساری باتیں دیکھتے ہی دیکھتے طے ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے کہ خالی رسم یا منگنی سے بہتر نہیں کہ شادی کی تاریخ مقرر کر لی جائے۔!'' ماموں جان نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''بات تو ٹھیک ہے ہمارے کون سے کئی بچے ہیں جو بلاوجہ کے تکلفات کئے جائیں اور معاملہ جتنا طول کھینچتا ہے، اسی قدر باتیں بھی نکلتی ہیں۔!'' امی نے ماموں جان کی تائید کی۔''کیوں بھابھی جی آپ کی کیا رائے ہے۔؟''

''صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔!'' ممانی جان نے جواب دیا۔''آپ لڑکی والوں سے پوچھ کر تاریخ ہی طے کر لیں۔!''

لڑکے کی بری بازار میں کھڑی، اب تو بڑی سے بڑی تیاری بھی مہینے بھر میں ہو جاتی ہے۔!'' ماموں جان نے ہنس کر کہا۔

''سچ کتنا مزہ آئے گا۔!'' نیلوفر نے خوش ہو کر کہا۔''ارسل بھائی دولہا بن کر کتنے پیارے لگیں گے۔ میں تو ارسل بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھوں گی۔!''

''جی نہیں۔۔!'' رابعہ نے فوراً مداخلت کی۔''گاڑی میں سب سے چھوٹے بیٹھتے ہیں۔ پنکی اور میں بیٹھیں گے۔آپ سب پیچھے پیچھے آیئے گا۔!''

''لو بھئی یہاں تو بڑے بوڑھوں نے پروگرام ہی فائنل کر دیا۔ ہمارا کیا کام۔؟'' ماموں جان ان دونوں کی باتیں سن کر ہنسنے لگے۔

ان ہی خوشگوار باتوں میں کھانا ختم ہو گیا۔اور طے یہ پایا کہ تاریخ طے ہونے پر لڑکیاں ہمارے گھر آ جائیں گی اور گانے بجانے وغیرہ میں بھرپور حصہ لیں گی۔اس کے بعد ہم لوگ نے چائے وغیرہ پی اور چلنے کی اجازت لی۔

ماموں جان نے کہا۔''آپا جان جو کام ہو وہ بتا دیجئے گا میں روزانہ صبح و شام چکر لگا لوں گا۔!''

''اللہ جیتا رکھے، تم لوگوں کے سوا کون ہے میرا۔!'' امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اچھا اب اس خوشی کے موقع پر روئیں مت۔!'' شرمین نے امی سے لپٹ کر کہا۔''دیکھئے گا سب کتنا اچھا ہو گا۔!''

''ارے یہ رامین کہاں ہے۔؟'' امی نے چونک کر پوچھا اور ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ اپنے کمرے میں ہے۔انگوٹھے پر چوٹ لگ گئی ہے۔!'' شرمین نے بتایا۔

''اچھا۔!'' امی بولیں۔''میرا پیار دینا، چلو بیٹا۔!''

سب دروازے تک چھوڑنے آئے ماموں جان باہر نکل آئے انہوں نے دروازہ کھولا امی جان بیٹھ گئیں۔''اے

توصیف ذرا رکنا۔!''

''جی آپا جان۔!'' ماموں جان نے کہا۔'' کہیئے۔!''

''یہ لو۔۔۔!'' امی جان نے ایک لفافہ ان کو تھمایا۔

''یہ کیا ہے۔؟'' ماموں نے حیرت سے پوچھا۔

''اے تم اتنے بڑے کب سے ہو گئے کہ ہم سے سوال و جواب کرنے لگے۔؟'' امی جان نے انہیں گھرکا۔

''لیکن پھر بھی۔!''

''ڈانٹ کھانے کی عادت ابھی تک گئی نہیں تمہاری۔!'' امی جان نے ہنس کر کہا۔

ماموں جان ہنسنے لگے اور لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ان سے رخصتی مصافحہ کر کے میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس کی اور گلی سے باہر نکل آیا۔

میں نے بیک ویو مرر میں دیکھا۔امی بہت خوش تھیں۔ان کے چہرے پر بڑی روشنی تھی۔

اچانک امی نے مجھے مخاطب کیا۔''ارسل۔۔۔!''

''جی۔۔!''

''اگر میں نے تمہارے لئے مہوش کی بجائے کوئی اور لڑکی پسند کی ہوتی تو کیا تم اس کو قبول کر لیتے۔؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں امی۔!'' میں نے جواب دیا۔''یہ تو آپ کا حکم ہے جو میں مانتا، چاہے وہ مہوش ہو یا کوئی اور۔!''

امی کچھ نا بولیں۔میں نے پوچھا۔''امی کیا کوئی بات ہے۔؟''

''ابتداء میں میرا خیال تھا کہ رامین کو تمہارے لئے مانگ لوں مگر پھر انہوں نے کہا کہ سلیم بھائی اپنے بیٹے کیلئے سوچ رہے ہیں۔اس لئے چپ ہو گئی۔!'' امی نے کہا۔''میں کیا کرتی۔؟''

''رامین۔۔۔!'' میں نے حیرت سے کہا۔''میں نے تو کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

''مہوش کے متعلق کب سوچا تھا۔؟'' امی نے مسکراتے ہوئے پیار سے کہا۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں نے نا تو کبھی لڑکیوں کے متعلق سوچا اور نہ ہی شادی کے متعلق۔ میں نے تو ہمیشہ سے یہ سوچا کہ یہ سارے معاملات بڑوں کے کرنے کے ہوتے ہیں لہٰذا ان میں سر کھپانے کی کیا ضرورت۔؟'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے تو خدا کا شکر جتنا بھی کروں کم ہے۔اس دور میں اللہ نے مجھے اتنے سعادت مند بیٹے سے نوازا۔''

''امی یہ سب آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے۔!''

''جگ جگ جیو، دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔!'' امی نے بڑے پیار سے دعا دی۔

''امی اگر برا نہ مانیں تو ماموں جان کو آپ نے کیا دیا تھا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے پچاس ہزار روپے دیئے ہیں توصیف کو، میرا ایک ہی تو بھائی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ بچیوں کے

کپڑے وغیرہ بنانے میں پریشانی نہ ہو، ویسے تو اللہ کا شکر ہے کہ توصیف کو کوئی کمی نہیں، لیکن بیٹا خوشیوں کے موقع پر اپنوں کو یاد رکھنا، ان کو شامل رکھنا، اور تحفے تحائف دینا بہت اچھا ہوتا ہے۔اور پھر خون کے رشتے تو صرف محبت اور توجہ ہی مانگتے ہیں۔!'' امی نے رسانیت سے سمجھایا۔

مجھے اپنی ماں پر بے حد پیار آیا۔ واقعی میری ماں جیسی عورتیں کم ہی ہونگیں، ایسی ہی خواتین خاندان کو تسبیح کے دانوں کی طرح پرو کر رکھتی ہیں۔

☆☆☆

فرخندہ آنٹی یو کے سے آ گئی تھیں۔مہوش اور ان کے والد بھی واپس ان کے ساتھ آئے تھے۔آنے کے دوسرے ہی دن مہوش کے والد کے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا تھا۔ تین چار دن وہ سب وہاں مصروف رہے۔اس کے بعد فرخندہ آنٹی کے ہاں امی بھی تعزیت کے لئے ہو آئیں۔تقریباً دسیوں کے بعد فرخندہ آنٹی کا فون آیا کہ وہ ہمارے گھر آنا چاہتی ہیں اور مہوش کے والد بھی ہمراہ ہونگے۔

امی نے انہیں جمعے کے دن، رات کے کھانے پر بلا لیا۔اور ساتھ میں ماموں جان کو بھی بلوا لیا۔

''تمہارے دوست اشعر کی شادی کے متعلق کیا فیصلہ ہوا؟'' امی نے مجھے ساری صورت حال بتاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب۔۔؟'' میں نے پوچھا۔''میں سمجھا نہیں۔؟''

''ارے بھیا۔۔!'' نصرت ہنسی۔''صحیح معنوں میں تمہارا ایک ہی تو جگری یار ہے، اس کی شادی بھی ان ہی دنوں نا ہو کہ جب تمہاری بات ہو، یہ مطلب ہے امی کا۔!'' نصرت نے وضاحت کی۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کی شادی میں بھرپور طریقے سے شریک ہو، اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ تم دونوں کی شادیوں میں مناسب وقفہ ہو۔!'' امی نے جواب دیا۔وہ میری اور اشعر کی دوستی سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔ دوست تو ہمارے بہت سے تھے۔لیکن جو تعلق اشعر اور اس کی فیملی کا ہم سے تھا وہ کسی اور دوست سے کم ہی تھا۔

''میں ابھی پوچھتا ہوں۔!'' میں نے امی سے کہا اور اشعر کا نمبر ملایا۔

''بڑی عمر ہے تمہاری۔!'' وہ سلسلہ ملتے ہی چہکا۔''ابھی تمہارا نام ہی لیا تھا امی نے کہ تمہارا فون آ گیا۔یار تم تو ولی یا پھر شیطان۔ خیر ولی تو تم ہی ہو نہیں سکتے۔۔ بچا شیطان۔!''

''کیا بات ہے۔ بہت چہک رہے ہو؟۔!'' میں نے ہنس کر پوچھا۔''کیوں بھائی کی یاد آ رہی تھی۔!''

''وہ ہنسنے لگا۔''اچھا تو مجھے اپنا بھائی بنا لیا۔ خیر سنو، امی پوچھ رہی تھیں کہ ارسل کے گھر والوں کا کیا پروگرام ہے شادی کا۔ میں نے امی کو بتایا تھا کہ آنٹی نے تمہارے لئے لڑکی پسند کر لی ہے۔اب بات آخر مراحل میں پہنچ چکی ہے۔''

مجھے اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''حسن اتفاق ہی ہے کہ یہی بات یہاں ہو رہی ہے کہ اشعر کی شادی کا پروگرام جان کر پھر دوسرا پروگرام بنایا جائے۔!''

''یعنی دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔!'' وہ گنگنایا۔

''صحیح محاورہ غلط جگہ بولا ہے آپ جناب نے۔!'' میں نے کہا۔''شادی ہم دونوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ ہورہی ہے۔آپس میں نہیں۔!''

''ارے تو بابا غصہ کیوں ہوتے ہو۔؟'' میں اپنا محاورہ واپس لیتا ہوں صحیح وقت کے لئے۔!''

''چلو آنٹی کی بات کراؤ امی سے۔!'' میں نے کہا اور فون امی کو تھما دیا۔

☆☆☆

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

محبت سے بڑھ کر کیا تحفہ ہوسکتا ہے

رسمی سلام دعا کے بعد اشعر کی امی نے بتایا کہ شاہانہ کے والدین چاہتے ہیں کہ آئندہ دو چار مہینے کے اندر شادی ہوجائے۔ جبکہ اشعر کا کہنا ہے کہ وہ اپنا پلازہ مکمل کئے بغیر شادی نہیں کرے گا۔

''تو پھر میں آئندہ دو ایک ماہ میں شادی کی تاریخ طے کرلیتی ہوں تاکہ پھر دونوں ہی ایک دوسرے کی شادی میں اچھی طرح شریک ہوسکیں۔!'' امی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''بالکل۔۔۔!'' اشعر کی امی بولیں۔''میں بھی آؤں گی ایک دو دن میں مبارک باد دینے۔!''

''ضرور آیئے آپ کا ہی گھر ہے۔!'' امی نے بڑے خلوص سے کہا پھر دو چار رسمی جملوں کے بعد امی نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

''لو جی انشاء اللہ سارے معاملات اچھے طریقے سے ہوجائیں گے۔ اشعر نے مجھے بتایا تھا کہ تقریباً چھ ماہ لگ جائیں گے، پلازہ مکمل ہونے میں اس دوران تمہاری شادی بھی بخیر وعافیت ہوچکی ہوگی۔!'' امی بہت خوش تھیں۔

''امی جان آپ کے ذہن میں کیا وقت ہے۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''میں تو چاہتی ہوں کہ اگلے ماہ ہی شادی کردوں۔!'' امی نے کہا۔''اللہ کا شکر ہے کہ ہماری طرف سے ساری تیاری مکمل ہے۔ بس مہوش کو لے جاکر کپڑوں کے ناپ ہی تو دینا ہیں، زیورات وغیرہ بھی وہ اپنی پسند سے لے لے گی۔ تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔؟'' امی نے ہماری طرف دیکھا۔

''ہمیں کیا اعتراض، کیا خیال ہوسکتا ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ دولہا میاں سے پوچھ لیں۔!''

''مجھے کیا کہنا ہے۔؟'' میں نے کہا''جو چاہے امی کریں۔!'' میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

امی اور نصرت ہنسنے لگیں۔''کتنا شرمیلا ہے میرا بھائی۔!'' نصرت کی آواز آئی۔

☆☆☆

ماموں جان معہ فیملی صبح تقریباً گیارہ بجے آ گئے تھے۔ ماموں جان بہت خوش تھے۔ بار بار مجھے دیکھتے تھے اور کہتے۔''دیکھیں آپا جان ماشاء اللہ کتنا بڑا ہوگیا ہے۔ شادی کے لائق ہوگیا ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب بچے بڑے ہوجاتے ہیں۔!''

''ہاں بھیا۔!'' امی نے کہا۔''وقت کا کام تو بیتنا ہے، سو بیتے گا، ہمارے چہرے پر بس بڑھاپے کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔!''

''ارے کیوں افسردگی کی باتیں کرتے ہیں۔ اچھی اچھی باتیں کریں۔ اللہ نے یہ دن دکھایا، اللہ بس خوشیاں قائم رکھے۔!'' ممانی جان نے ٹوکا۔

''بھابھی جان ٹھیک کہتی ہیں۔!'' امی نے اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسو دوپٹے میں جذب کر لئے۔!

''لیکن بھابھی جان خوشیوں کا بھی تو عجیب ماجرا ہے کہ ہمیشہ وہ وقت بھی یاد آتا ہے۔ جب وقت ہمارا نہیں تھا۔ تنہائی یاد آتی ہے۔ بچھڑے ہوئے یاد آتے ہیں۔ آج ارسل کے پاپا ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے۔ مگر انہیں تو دونوں کی خوشیاں بھی دیکھنا نصیب نہ ہوئیں۔!''

''ابھی آپ ہی تو کہہ رہی تھیں کہ وقت بیت جاتا ہے۔ پھر یہ آنسو کیوں، آج اللہ نے یہ دن دکھایا ہے، جو آئے گا، وہ جائے گا ضرور۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔!'' ماموں جان نے دھیمے سے کہا۔''دکھ، سکھ، غم اور خوشی ان دونوں کا امتزاج کے بغیر زندگی کیا ہے۔ روکھی پھیکی۔!''

''جیسے نیلوفر کی ہنڈیا۔!'' اچانک رابعہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

امی نے چونک کر اسے دیکھا اور بے ساختہ ہنسنے لگیں۔''ادھر آؤ۔۔!'' انہوں نے رابعہ کو پاس بلایا، دبلی پتلی شوخ رابعہ امی کے پاس آ گئی۔

''کتنی پیاری باتیں کرتی ہے۔!'' امی نے اسے پیار کیا۔''یہ چڑیاں ہیں آنگن کی۔ دانا چگتی، منڈیر پر اُچھلتی، چہچہاتی، نجانے کس آنگن میں جا کر پنکھ پھیلائیں گی۔!''

رابعہ نے بڑے لاڈ سے پھوپھی جان کے گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

''آپا جان آپ کی دعائیں ساتھ رہیں تو سب اچھا ہوگا۔!'' ممانی جان نے بڑے پیار سے بیٹیوں کو دیکھا۔

اسی وقت نصرت نے آ کر امی سے کہا۔''امی ذرا آ کر گوشت علیحدہ کر دیجئے۔!''

''چلو میں بھی چلتی ہوں۔!'' ممانی جان کھڑی ہو گئیں۔

امی اور ممانی جان دونوں کچن کی طرف چلی گئیں۔

ماموں جان میری طرف متوجہ ہوئے۔''کیوں بھئی دولہا میاں ہم سے کیا تحفہ لیں گے۔؟''

''ماموں جان آپ کی محبت سے بڑھ کر کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔؟'' میں نے کہا۔

''بھئی محبت کے علاوہ بھی تو بتاؤ۔؟'' وہ مسکرائے۔''کیا پروگرام ہے شادی کے بعد۔ کہیں گھومنے پھرنے جانے کا ارادہ ہے یا پھر ملک سے باہر جاؤ گے۔؟''

''پتا نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔''میں نے تو اس موضوع پر سوچا ہی نہیں۔!''

''سوچنا چاہئے۔!'' ماموں جان نے کہا۔''زندگی اس قدر، مصروف اور پیچیدہ ہو گئی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ صبح کب ہوئی اور شام۔ دیکھتے ہی دیکھتے برسوں نظروں سے یوں پھسل جاتے ہیں کہ اچانک ہی تھکن کا احساس

ہونے لگتا ہے۔!'' ماموں جان کے انداز میں بے حد ٹھہراؤ تھا جو عمر اور تجربے کی بھٹی سے گزر کر حاصل ہوتا ہے۔

''شادی کے ابتدائی دن میاں بیوی کی ذہنی ہم آہنگی کے لئے بے حد ضروری ہوتے ہیں۔ جبکہ ہم بھرے گھر کے لوگ سوچتے ہیں کہ اب بہو آ گئی ہے تو پھر اب کہاں جانا۔!''

وہ ٹھہرے اور میری طرف دیکھنے لگے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہی سنہرے دن یاد رہ جاتے ہیں ورنہ پھر سب کچھ مصروفیت کی نذر ہو جاتا ہے۔!''

''تمہاری یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ تم بہت تیزی سے مخالف کی بات اور احساسات کو سمجھ لیتے ہو۔ یہ خوبی کاروبار اور زندگی کے معاملات میں بہت ساتھ دیتی ہے۔!''

''اچھا۔۔!'' مجھے حیرت ہوئی۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کوئی خوبی کی بات ہے۔!''

ماموں جان میری بات سن کر ہنس دیئے۔

☆☆☆

سب کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ رامین مجھے کچھ چپ چپ سی لگی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے تم کچھ چپ چپ سی نظر آ رہی ہو۔؟''

''میں تو خوب بول رہی ہوں۔!'' وہ مسکرائی مگر مجھے لگا کہ اس کی مسکراہٹ میں تازگی کا عنصر مفقود ہے۔

''پتا نہیں۔!'' میں نے دھیمے سے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ تم اندر ہی اندر پریشان ہو، کوئی بات ہے، کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ۔؟''

''کوئی مسئلہ، کوئی بات نہیں۔!'' رامین نے کہا۔ ''اور ویسے بھی سوچنے سے کیا حاصل۔؟ کون سا ہماری مرضی سے کچھ ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے اوپر والا، ہوتا تو وہی ہے۔!''

''بات تو ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن اگر اوپر والے کی مرضی سے چلنا ہے اور چلے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تو پھر کوئی مصیبت یا آزمائش جو چاہو کہہ لو۔ پھر منہ بسورنے کے بجائے ہنس کر گزار دیں۔!''

''کچھ باتیں کہنے میں تو اچھی لگتی ہیں مگر عمل کرنے میں پتا نہیں کیا کیا قیامتیں رونما ہوتی ہوں۔!'' اس کا لہجہ مجھے خشک سا لگا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو، اگر چاہو تو مجھے اپنے معاملے میں شریک کر لینا، مجھ سے جو بھی ہو گا میں ہمیشہ حاضر ہوں۔!''

''نا بنیں ایسا شجر سایہ دار، جو کہ دھوپ میں کھڑا رہ کر خود پر اتنا جبر کرنا پڑے۔!''

''جب سایہ دینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر موسموں کا کیا ڈر۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔ اسی وقت ممانی جان نے اسے آواز دی اور وہ تیزی سے میرے سامنے سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

آنٹی فرخندہ اور ان کے شوہر شام کو تقریباً چھ بجے کے قریب آئے۔ ان کا نہایت پرتپاک استقبال ہوا۔ آنٹی فرخندہ توصیف ماموں جان سے مل کر بھی بہت خوش ہوئیں۔ توصیف ماموں جان ان سے چھوٹے تھے۔ وہ بولیں ''اے جہاں آراء دیکھو تو سہی آج ماشاءاللہ توصیف بھائی چار بچیوں کے باپ اور خود کس عمر کو پہنچ گئے۔ ورنہ گول مٹول توصیف کو ہم لوگ گھنٹوں گود میں اٹھائے اٹھائے پھرا کرتے تھے۔!''

توصیف ماموں جان کے ساتھ ساتھ دیگر بھی ہنس پڑے۔ شرمین بولی۔ ''آنٹی۔۔ ننھے منے ابو کیسے تھے۔؟''

''ارے بالکل گڈے جیسے، گوری رنگت، گلابی ہونٹ، بھرے بھرے پھولے پھولے سے گال، سنہری بال جو دیکھتا تھا بے ساختہ گود میں اٹھا لیتا۔ تمہاری پھوپھی سے تو کئی بار میری لڑائی ہو جاتی تھی ان کو لینے میں۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا۔ دو بہنیں تھیں ہم سے بڑی۔ غرض بڑے مزے میں تھے توصیف میاں۔ گودوں گودوں کھیلتے رہتے۔!''

فرخندہ آنٹی کے انداز میں اتنی بے ساختگی اور محبت تھی کہ تمام لوگوں سے ان کی اجنبیت کا احساس چند ہی لمحوں میں معدوم ہو گیا۔ وہ جو صبح سے لڑکیوں، ماموں، ممانی کے دل میں تھا کہ لڑکی والے آئیں گے۔ وہ معاملہ جیسے فضا میں تحلیل ہو گیا۔

ممانی جان نے سرگوشی میں امی جان سے کہا۔ ''آپا جان اللہ کرے جیسی فرخندہ باجی ہیں ویسے ہی ہنس مکھ اور پیار بھری مہوش ہو تو سمجھ لیجئے کہ گھر تو جنت ہو گیا۔!''

''انشاءاللہ۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

سب لڑکیاں ہی فرخندہ آنٹی میں بے حد دلچسپی لے رہی تھیں۔ ماموں جان اور مہوش کے والد مظہرالحق صاحب آپس کی گفتگو میں مصروف تھے۔ مجھ سے ان کی رسمی سلامی دعا ہوئی تھی۔ انہوں نے حال چال پوچھا اور بس پھر اس کے بعد وہ دونوں آپس میں بات چیت میں مصروف ہو گئے۔

گھر میں بڑی خوشی کا سا سماں تھا۔

اچانک میرے فون پر میسج ٹیون گنگنائی۔ میں نے دیکھا۔ اسکرین پر مہوش کا نمبر نمایاں تھا۔ میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے مہوش کا نمبر ملایا۔ اس نے فوراً ہی ریسیو کر لیا۔ ''کیا حال ہیں کیسی ہو، کیا سوچ رہی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''لہجے سے تو آپ بہت خوش لگ رہے ہیں۔!'' مہوش بولی۔ ''میرے ابو کیسے لگے آپ کو، کیا۔ کیا باتیں ہوئیں۔؟''

''وہ تو مجھ سے زیادہ توصیف ماموں میں دلچسپی لے رہے ہیں، خدا خیر کرے۔!'' میں نے شرارتاً کہا۔

وہ ہنس پڑی۔ ''ابو کے خیالات آپکے بارے میں بہت اچھے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ جب تم لوگوں کو پسند ہے تو پھر میری بھی پسند ہے۔!''

''تم لوگوں سے کیا مراد ہے۔؟''

''جیسے جانتے نہیں۔!'' وہ غصے سے بولی۔ ''یہ آپ مرد لوگ بار بار کیوں کہلوانا چاہتے ہیں۔!''

''اور مردوں کا تو مجھے پتا نہیں کہ وہ بار بار کیا کہلوانا چاہتے ہیں، مگر تم نے تو مجھ سے ایک بار بھی نہیں کہا۔؟'' میں نے جواب دیا۔

''کیا ہر بات براہ راست کہنا ضروری ہے۔؟'' وہ دھیمے سے بولی۔ ''آپ کو میرے طرز عمل سے اندازہ نہیں ہوتا۔ احساسات تو خود گواہی ہوتے ہیں۔ ان کو مزید گواہی کی کیا ضرورت؟''

''اچھا لگتا ہے کہنا۔!'' میں نے کہا۔ ''اپنے جذبات کی، احساسات کی، محبت کی پذیرائی ہونا اچھا لگتا ہے۔ کہنا اچھا لگتا ہے۔ سننا اچھا لگتا ہے لرزتے لب اور پلکوں کا بار بار جھپکانا اچھا لگتا ہے۔!''

''مصور تو میں ہوں۔ لیکن گفتگو سے تصویر آپ کھینچ دیتے ہیں۔ اتنی موثر تصویر کشی کہ دل چاہتا ہے۔ کہ اور کہو۔!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ہم دونوں کے بیچ خاموشی چھا گئی۔ ہم صرف فون پر ایک دوسرے کی سانس لینے کی آواز سن رہے تھے۔

''چپ کیوں ہوگئیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ آپ بھی کہئے۔!'' اس کا لہجہ بے حد محجوب تھا۔

''کیا تاریخ مقرر کریں گی تمہاری امی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو ان کو پتا ہوگا۔!''

''اچھا۔۔۔!'' میں نے کہا۔ ''وہ تو کہہ رہی ہیں کہ تقریباً چھ ماہ کے بعد مناسب رہے گا۔!''

''مگر وہ تو اگلے مہینے کا کہہ رہی تھیں۔!'' وہ بات کاٹ کر بے حد تیز لہجے میں بولی۔ بے ساختہ ایک قہقہہ میرے حلق سے آزاد ہوگیا۔

''مجھے بدھو بنا رہے تھے۔؟'' اس نے غصے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

اسی وقت رابعہ نے کمرے میں جھانکا اور بولی۔ ''بھائی جان آپ کو پھوپھی جان بلا رہی ہیں۔!''

''اچھا چلو میں آتا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا۔ اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

ٹی وی لاؤنج میں سب جمع تھے۔ مہوش کی امی نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بولیں۔ ''اصل تو یوں ہوتا ہے کہ لڑکے والے آتے ہیں اور رشتے کی درخواست کرتے ہیں۔ مگر مظہر کی خواہش ہے کہ جو معاملات جس جگہ بھی خوش اسلوبی سے طے کر لئے جائیں بہتر وہی۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ لوگ کب تک شادی کے لئے آمادہ ہیں۔؟''

''میں تو چاہتی ہوں کہ یہ نیک فریضہ آئندہ ماہ ہی سرانجام پا جائے کیوں توصیف۔؟'' امی جان نے ماموں جان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک۔۔!'' ماموں جان نے کہا۔ ''ویسے بھی نیک کام میں دیر کیوں، مگر مہوش کی امی، ابو کی رائے بھی لے لی جائے تو بہتر ہے۔!''

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔!'' مہوش کے والد مظہر الحق بولے۔

''آج چاند کی چار تاریخ ہے۔ آئندہ ماہ کی سات تاریخ چاند کی کیسی رہے گی۔ چڑھتے چاند میں شادی کہتے ہیں

کہ مبارک ثابت ہوتی ہے۔!'' امی نے کہا۔ ''ہفتے کا دن پڑ رہا ہے۔ جمعے کے دن نکاح اور مہندی کر لیتے ہیں مبارک دن ہے۔!''

''اے جہاں آراء تم نے تو ماشاءاللہ سارا پروگرام ہی طے کر لیا ہے۔!'' فرخندہ آنٹی نے ہنس کر کہا۔

''یہی پروگرام تو سب سے اہم ہے۔!'' امی نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر طے ہو گیا۔؟'' توصیف ماموں نے پوچھا۔ ''یہ دن تاریخ حتمی ہے۔؟''

''انشاءاللہ۔۔!'' فرخندہ آنٹی نے کہا۔

''مبارک ہو۔!'' ممانی جان نے سب سے پہلے اٹھ کر امی جان کو مبارک باد دی، پھر فرخندہ آنٹی اور مظہرالحق صاحب اور پھر مجھے گلے لگا کر بولیں۔ ''جگ جگ جیو، اللہ تعالیٰ جوڑی سلامت رکھے۔ آباد رہو۔ خوش رہو۔!'' ان کی محبت میں، ان کے لہجے میں، ان کے روم روم سے خلوص کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اب کیا سوکھے منہ سے ہی مبارک چلے گی، پھر کچھ میٹھا بھی ہو گا۔!'' ماموں جان نے خوش دلی سے کہا۔

''نصرت مٹھائی لے کر آؤ۔!'' امی نے آواز دی، اسی وقت شرمین اور نصرت ٹرے لیکر اندر داخل ہوئیں۔ اس میں مٹھائی اور دیگر لوازمات تھے۔

فرخندہ آنٹی نے اپنے پرس میں سے ایک انگوٹھی نکالی اور کہنے لگیں۔ ''ہم لوگ منگنی وغیرہ تو نہیں کرتے، مگر اس خوشی کے موقع پر اگر اجازت ہو تو یہ انگوٹھی ارسل کو پہنا دوں۔؟''

''بالکل پہنائیں آپ کا بیٹا ہے۔!'' امی نے خوش دلی سے کہا۔

فرخندہ آنٹی نے مجھے انگوٹھی پہنائی۔ پچیس ہزار روپے سلامی دی۔ امی نے بھی ایک بہت خوبصورت طلائی کڑا فرخندہ آنٹی کو دیا کہ یہ آج کے موقع کی مناسب سے مہوش کو دے دیجئے گا۔

نصرت نے مجھے مٹھائی کھلائی۔ امی کو کھلائی۔ سب نے کھائی ایک دوسرے کو کھلائی اس کے بعد کھانا لگایا گیا اور ان ہی خوشگوار باتوں میں کھانا ختم ہوا۔ خواتین آپس میں رسموں کے حوالوں سے بات چیت کرتی رہیں میں تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔

کتنی جلدی، کتنی حقیقتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ابھی چند ہفتے قبل میری زندگی میں کسی کی محبت تو کجا، کسی لڑکی کا بھی وجود نہیں تھا۔ پھر اچانک مہوش میری زندگی میں داخل ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے میری زندگی کا ایک اہم ترین جز بن گئی۔ یہ محبت، یہ تعلق، یہ اپنائیت کیسے ایک دوسرے کا حصہ بن جاتی ہے۔ کیسے روح سے روح کا تعلق جڑ جاتا ہے۔ وہ کون سی کشش ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے مل کر ہی مکمل ہوتی ہے۔ دنیا میں صبحِ ازل سے محبت ہوتی ہوئی ہے اور شام ازل تک جاری رہے گی۔ لیکن اس کے باوجود کہ لاکھوں کروڑوں محبت کی کہانیاں لکھی گئیں، سنیں گئیں، پڑھی گئیں۔ یہ تجربہ ہر فرد کے لئے بے حد دلکش تحیر آمیز اور نئے جذبے، نئے دروا کرنے والا ہے۔

''کیا بات ہے ارسل بھائی کیا سوچ رہے ہیں۔؟'' اچانک شرمین نے مجھے چونکایا۔

''کچھ نہیں۔!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''دروازے پر کیوں کھڑی ہو، اندر آ جاؤ۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''بہت بہت مبارک ہو۔!'' اس نے کہا۔

''کیا بات ہے رامین نظر نہیں آرہی ہے۔ ویسے بھی کچھ چپ چپ سی لگ رہی ہے وہ، کیا طبیعت خراب ہے۔!'' میں نے رامین کے متعلق سوال کیا۔

''بھائی سردیوں میں ذرا سی بھی بے احتیاطی سے نزلہ زکام ہوجاتا ہے۔!'' شرمین نے بتایا۔''اس وجہ سے سر میں درد ہے اور اس وقت تو وہ نصرت باجی کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹا رہی ہے۔!''

''اچھا۔۔!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ کو مہوش کیسی لگیں، تصویر میں تو بہت پیاری ہیں۔ نصرت باجی نے دکھائی ہے۔!'' شرمین نے پوچھا۔

''اچھی ہیں امی کی پسند ہیں۔ اس لئے مجھے ہاں کہنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔!'' میں نے کہا۔

''اب اتنے بے چارے بھی مت بنئے، وہ تو واقعی اتنی پیاری ہیں کہ کون انکار کرسکتا ہے۔؟'' شرمین کے لہجے میں سچ مچ کی ستائش تھی۔

''پتا نہیں۔!'' میں نے کندھے اچکائے۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ کو اچھا لگ رہا ہے ان کی تعریف سننا۔!'' شرمین ہنسی۔

''تمہیں کیسے پتا۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کے تاثرات سے ارسل بھائی، آپ تو اتنے صاف، اتنے سادہ ہیں کہ آپ کو اپنے تاثرات چھپانے بھی نہیں آتے ہیں۔!'' وہ ہنسنے لگی۔

اسی وقت نیلوفر کمرے میں داخل ہوئی۔''ارسل بھائی آپ کے سسرال والے تشریف لے جارہے ہیں کیا ان کو رخصت نہیں کریں گے۔؟''

'چلو۔۔چلو۔۔!'' میں جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

میرے اس پھرتیلے انداز پر دونوں بہنیں ہنسنے لگیں۔''اللہ۔۔ بھائی جان آپ نے فرماں برداری میں بہوؤں کو بھی مات کردیا۔!''

نیلوفر ہنسنے لگی۔ میں اپنی جلد بازی پر خود ہی جھینپ گیا۔

میں باہر نکلا تو وہ جانے کو تیار تھے۔ مجھے خدا حافظ کہہ کر فرخندہ آنٹی اور مظہر الحق انکل چلے گئے۔

ماموں جان نے ان کو رخصت کرنے کے بعد واپس ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے کہا۔''شرمین بیٹے اب ذرا ایک اچھی سی چائے پلواؤ۔!''

''ابھی بناتی ہوں۔!'' شرمین نے کہا۔

''میں بنا دیتی ہوں۔!'' نصرت اٹھنے لگی۔

''ارے نہیں باجی صبح سے آپ کام کرے چلی جارہی ہیں۔ ذرا بیٹھیں میں بنا کر لاتی ہوں سب کے لئے۔!'' شرمین نے انہیں روکا۔

''لو بھلا میں اکیلے کہاں لگی رہی تم سب نے بھی تو میرا ساتھ دیا۔!'' نصرت نے کہا۔

ماموں جان نے امی کو مخاطب کیا۔'' آپا جان تقریباً ایک مہینہ ہی رہ گیا ہے شادی میں۔ مہمانوں کی فہرست بنا کر کارڈ چھپنے کے لئے دے دیئے جائیں، کھانے کے معاملات تو اب ون ڈش تک ہی محدود رہ گئے ہیں، اس لئے اس میں زیادہ تردود کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ باقی ہال کونسا پسند کرنا ہے یہ دیکھ لیجئے۔!''۔

''ہال تو پاپا مہمانوں کی تعداد کے مطابق ہی ہوگا، پہلے مہمان تو فائنل ہو جائیں۔!'' نیلوفر نے کہا۔

''دیکھو ہماری بیٹیاں کتنی سمجھدار ہوگئی ہیں۔!'' امی نے پیار سے اپنی بھتیجی کو دیکھا۔

''پھوپھی جان میں اپنے اسکول میں ایونٹ ڈیزائنر ہوں۔ اپنے اسکول کے سارے فنکشن میں ہی اسسٹ کرتی ہوں۔!'' نیلوفر نے بتایا۔

''ماشاءاللہ نظر نہ لگے، یہ پرائیویٹ اسکول ہوتے تو مہنگے ہیں، مگر بچوں کی صلاحیتوں کو نکھارتے ضرور ہیں۔!'' امی نے حوصلہ افزائی کی۔

''میرا خیال ہے کہ سات، آٹھ سو کے درمیان مہمان ہو ہی جائیں گے۔!'' ماموں جان نے حساب لگایا۔

''گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ حلقہ احباب بھی وسیع ہوتا ہے، پھر ہمیں مہوش کے مہمانوں کو بھی تو شامل کرنا ہے۔ ولیمے میں انہیں یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ ہم نے انہیں صرف سو، ڈیڑھ سو مہمان لانے کو ہی کہا تھا۔ انہیں تو بہت لانے تھے اگر ان کی اکلوتی بیٹی ہے تو ہمارا بھی اکلوتا بیٹا۔!'' ماموں جان نے بہت بامعنی بات کہی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تو صیف، اسی قسم کا ہنگامہ نصرت کی شادی میں کیا تھا ان کی ساس نے، حالانکہ ہم نے بالکل ان کی رائے پر چھوڑا تھا۔ انہوں نے خود ہی کہا کہ ہم سو مہمان لائیں گے تو ہم بھی سو ہی کہتے رہے، مگر انہوں نے اسی بات کو طعنہ بنا لیا کہ سو افراد بلائے ہیں نصرت کے گھر والوں نے۔ ہم تو اپنے بھرے پُرے خاندان میں نکو بن کر رہ گئے۔'' امی نے گزشتہ تجربے کی روشنی میں ماموں جان کی بات پر صاد کیا۔

پتا نہیں کتنی باتیں تھیں جو نکلی چلی آ رہی تھیں۔ نکاح کے لئے حق مہر کی بات پر امی نے کہا۔''یہ تو بھئی لڑکی والوں کا حق ہے۔ نصرت کا مہر میں نے پچاس ہزار رکھا تھا۔ وہ جو چاہیں رکھیں اسلام نے یہ حق لڑکی والوں کو دیا ہے تو ہم کیوں مداخلت کریں۔؟''

''کیا مہر مقرر کرنے کا حق اسلام نے لڑکی والوں کو دیا ہے۔؟'' نیلوفر نے پوچھا۔

''ہاں بیٹی۔!'' امی نے بتایا۔''مہر معروف وہ بہتر ہے جو لڑکی کے خاندان میں مقرر کیا جاتا ہو، مثلاً لڑکی کی ماں ،اس کی نانی یا خالہ وغیرہ کا مہر، ویسے بھی فی زمانہ دو چار ہزار کی وقعت ہی کیا رہ گئی ہے۔ دودھ پلائی کی رسم کے لئے پچیس ہزار وصول لئے جاتے ہیں۔ شادی کا جوڑا پچیس ہزار سے پانچ لاکھ میں بنوایا جاتا ہے تو پھر مہر کے نام پر دل چھوٹا کیوں۔ جہاں دلوں میں کجی ہو، وہاں حق بات کو نا ماننے میں ہزار دلیلیں نکال لی جاتی ہیں۔!''

''پھوپھی جان کبھی ہمارے سکول میں لیکچر دینے کے لئے آیئے گا۔!'' نیلوفر نے کہا۔''آپ کی باتیں بہت اچھی ہیں۔ ہمیں تو اسلامیات کی ٹیچر بھی ایسی باتیں نہیں بتاتی ہیں۔!''

''بیٹا۔۔!'' امی نے ایک گہری سانس لی۔''اسلام کو جب مذہب بنالیا جائے تو پھر وہ منجمد تالاب بن جاتا ہے۔اسلام تو مکمل دین ہے۔ضابطہ حیات ہے۔زندگی کی ہر الجھن کی سلجھن اس میں ہے۔مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہم اس کو ہدایت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا ضرورت کی وجہ سے۔!''

امی کی بات جاری ہی تھی کہ ثرمین چائے کی ٹرے اٹھالائی۔اس نے سب کو چائے دی۔

''نہیں۔۔ میں نہیں پیوں گا مجھے سخت نیند آرہی ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔''میں سوؤں گا بارہ بج رہے ہیں۔!''

''ارے بارہ بج گئے۔!'' ماموں جان نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔''چلو بھئی جلدی جلدی چائے پئیں پھر گھر چلیں۔۔!''

''لو گھر جانے کی کیا ضرورت بھلا۔؟'' امی نے خفگی سے کہا۔''اتنا بڑا گھر کس لئے ہے۔میں نے سارے کمرے صاف کروادیئے ہیں۔آرام سے رہو۔اور اب شادی تک جانے کا نام نہ لینا۔!'' امی نے کہا۔

''اچھا۔۔!'' ماموں جان نے کہا۔وہ امی سے کسی بھی معاملے میں بحث نہیں کرتے تھے۔

''اگر سکول کالج کا مسئلہ ہوگا تو بچیاں یہیں سے چلی جائیں گی۔طاہر کو کہہ دیا ہے میں نے، ڈرائیور صبح سے آجائے گا۔!'' امی تمام معاملات ہی جزئیات کے ساتھ مکمل کرنے کی عادی تھیں۔کوئی کچھ نہ بولا۔سب باتیں کرنے لگے۔

میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور آتے ہی لیٹ گیا۔نیند کی بے چین پری مجھے آغوش میں لینے دوڑی اور اس سے پہلے کہ وہ کامیاب ہوتی اچانک وہ آگئی۔

☆☆☆

دل کی لگی چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی

وہ آ گئی۔ بے پناہ اُداس۔ یاسیت زدہ۔ مجروح، نازک ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئیں، اداس آنکھیں، ویران نگاہیں پھول سا چہرہ کملایا ہوا۔ وہ حسن، وہ سراپا جو رعنائی، نکہت کا پیکر تھا۔ آج خزاں رسیدہ درخت کی مانند تھا۔

''کیا ہوا تمہیں۔۔۔ یہ کیسی حالت بنالی تم نے۔؟'' میں بری طرح بے چین ہو گیا۔

''تمہارے بن کیا حالت ہو گئی ہے میری۔؟'' وہ دھیمے سے بولی۔ اس کے لہجے میں بلا کا دکھ تھا۔ رنج تھا۔ تاسف تھا۔

''جس قدر بھی چلتی ہوں تمہاری راہ میں، اتنی ہی منزل دور ہوتی جاتی ہے۔!'' وہ بولی۔ اس کی آواز میں بے پناہ تھکن رچی ہوئی تھی۔

''مم۔۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔؟'' میں نے اس کے نرم و نازک ہاتھ کو تھام لیا۔ جو بے حد سرد ہو رہا تھا۔

''تم۔۔!'' وہ مسکرائی۔ اس کی آواز میں درد تھا۔ سوز تھا۔ روح کو جھلسانے والی تپش تھی۔ ''تم کیا کر سکتے ہو۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم۔۔۔!''

''کیا نہیں معلوم۔؟'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''تم کچھ بتاؤ تو سہی، کچھ سمجھاؤ تو سہی۔!''

''پیاس ہے صدیوں کی پیاس۔!'' وہ کہنے لگی۔ ''کیسے مٹ سکے گی۔ کاتب تقدیر کی مرضی کے آگے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کوئی پھر نہیں سکتا۔ اپنے مقسوم سے۔!''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔؟'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''مرے محبوب تم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ سفر تو ہمارا مقدر ہے۔ ہماری بے چینی، بیقراری، دل کی آگ تمہاری اُور چلنے پر اُکساتی ہے، دل کی لگی چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔ دیکھو پیر ہمارے۔ آبلہ پا۔ زخم خوردہ پاؤں میں چھالے۔ لبوں پر آہ و فریاد کے نالے، مگر سب سینے کے سمندر میں گھٹ جاتے ہیں۔!''۔

تب میں نے دیکھا۔ اس کے بے پناہ نازک، سفید کبوتر جیسے پاؤں میں بے پناہ چھالے تھے۔ کچھ بھرے بھرے سے، کچھ پھوٹ بہے تھے، کسی میں سے خون رس رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم۔!'' میں نے بے ساختہ اس کے پیروں کو ہاتھ لگایا۔ ''کیوں کر رہی ہو۔؟''

''موت سب سے خوبصورت تب ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے پیاروں کے درمیان، اپنی محبت کی بانہوں میں آئے، میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے تمہاری بے چینیاں، بے قراریاں حاصل ہیں۔!'' وہ بڑے جذب سے بولی۔
''بس تمہاری محبت کے سہارے کا ہر لمحہ، میرے لئے زیست کا سامان بن جاتا ہے۔ ورنہ میں تو ہمت ہار چکی ہوتی۔!''

اس نے پاؤں سمیٹ لیے۔ اور میرے سر میں اپنی مخروطی انگلیاں دھیمے دھیمے کنگھی کیں۔ اس کی ٹھنڈی انگلیوں میں نجانے کیا طلسم تھا کہ میرے اوپر خمار سا طاری ہونے لگا۔ اور پھر نجانے کب وہ میرے ہوش وخرد کی دنیا سے اوجھل ہوگئی۔ میں گہری نیند کے سمندر میں اتر چکا تھا۔

☆☆☆

گھر میں امی نے ایک میلے کا سا سماں کر دیا تھا۔ پتا نہیں کون، کون سے رشتے داروں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ مجھے تو بہت سے لوگ کافی عرصے کے بعد ملے، مگر ان کے انداز میں یوں لگتا تھا کہ جیسے سب برسوں کے جانے پہچانے ہیں۔ کہیں بھی کسی سے بھی اجنبیت کا احساس ہی نہیں لگ رہا تھا۔ یہ سب امی کے ملنے جلنے کا کمال تھا۔ اب مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ امی جان اپنے خاندان میں، ملنے جلنے والوں میں کس قدر مقبول ہیں۔ ماموں جان نے پچاسیوں قسم کے کارڈ لا کر دکھا دیئے تھے۔ مہندی کے، ولیمے کے، بارات کے، ڈھولکی، مایوں۔ غرض ہر قسم کے کارڈز کی بہار تھی۔ میں نے کارڈز کی پسند کا معاملہ امی اور لڑکیوں پر چھوڑ دیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر اگر سب ہی کا استحقاق تسلیم کر لیا جائے تو کتنے ہی معاملات میں آسانی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ساتھ دلوں میں وسعت اور قدر بھی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یوں بھی دوسروں کو اپنے اندر سمو لینے سے زندگی نکھر جاتی ہے۔

خاندان بھر کی بہت ساری لڑکیاں جمع ہو گئی تھیں۔ ان میں ہماری وہ رشتے دار لڑکیاں بھی تھیں جنہیں ہم سب نے بچپن اور لڑکپن میں دیکھا تھا۔ مگر اب وہ سب قد، بت میں پیاری ہو گئی تھیں۔ لڑکیوں میں سب سے زیادہ دوستیاں رامین اور نیلوفر کی تھیں۔ مایوں کے، مہندی کے کپڑے بنائے جا رہے تھے۔ نصرت اور شرمین نے مل کر گھر سنبھال لیا تھا۔ نیلوفر اور رامین مہمانداری دیکھ رہی تھیں۔ امی اور ممانی جان بازار کے پھیروں میں مصروف تھیں۔ ماموں جان نے انتظامی امور سنبھال لئے تھے۔

رہ گیا تھا میں۔ تو میں سچ مچ اس قدر مصروفیات میں بے پناہ خالی تھا۔ سب نے دولہا میاں کے نام پر مجھے علیحدہ کر دیا تھا۔ میں کوئی بھی کام کرنے کی کوشش کرتا۔ مجھے منع کر دیا جاتا۔ ''ارے رہنے دو بھیا۔ ہم کس لئے ہیں۔؟'' نصرت بڑی رسانیت سے مجھے منع کر دیتی۔

ماموں جان کہتے۔ ''ارے میاں چند دن باقی ہیں ہتھکڑی لگنے میں، ابھی تو آپ بیٹھ کر سہانے سپنے دیکھئے، آئندہ زندگی کی پلاننگ کیجئے اور مزے سے لمبی تان کر سوئیے۔!''

لے دے کر ایک اشعر تھا جس سے اُمید تھی۔ مگر اس نے بھی صاف صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔ ''دیکھو بھائی میں اس میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میں تم سے کوئی کام لوں۔ آنٹی کو یا امی کو پتا چل گیا کہ میں تمہیں پریشان کر رہا

ہوں۔ کام بتا رہا ہوں۔ بھاگ دوڑ میں لگا دیا ہے تو سمجھ لو، چندیا گنجی ہو جائے گی میری۔ امی نے کہا کہ ارسل کے سارے کام تم نے کرنے ہیں۔ خبردار جو اس کو ذرا بھی تھکایا۔ دیکھو ذرا کی ذرا میں تمہارے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے وہ۔ اب اس کا وقت ہے۔!''

''پھر میں کیا کروں۔؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''رضیہ بٹ کے ناول پڑھ، خواتین کے افسانے پڑھ، اس سے افاقہ ہوگا۔ لمبے لمبے ڈائیلاگ یاد کر۔ رومانی، رومانی سے۔ آخر کو خواتین لکھتی ہی کیا ہیں۔ ایک سودا سلف کی پرچی یا پھر محبت بھرے افسانے۔'' اچانک اس کی نیلگوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ سسک پڑی۔ آہ میرے ندیم۔۔!'' اشعر نے گفتگو میں کسی فرضی افسانے کا فرضی ڈائیلاگ دوہرایا۔

''خواتین کے ہتھے چڑھ گئے نا تو ایسی دوھنائی کریں گی کہ دن میں تارے نظر آجائیں گے اور سارا حسن زخم زخم ہو جائے گا۔!''

''دیکھا آنے لگے نا ڈائیلاگ، زخم زخم حسن، مہندی لگے ہاتھ، مانگ میری بھر دو سجنا۔!'' وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

''لعنت ہے تم پر کبھی سنجیدہ نہ ہونا۔!'' مجھے غصہ آنے لگا۔

''اچھا تم ایسا کرو کہ میں آرہا ہوں۔ پلاٹ پر سائٹ آفس بنانے کے لئے، تم آجاؤ نا میرے ساتھ، بلکہ اگر ہوسکا تو میں شاہانہ کو بھی لیکر آؤں گا۔!'' اس نے کہا۔ ''پہلے بھی ملوانا تھا لیکن پھر موقع ہی نا ملا۔ امی بھی کہہ رہی ہیں کہ انہیں مبارکباد دینے جانا ہے تمہارے ہاں۔!'' اشعر نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔ اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نے امی کو بتایا۔ تو وہ بولیں۔ ''اگر اشعر خالی آرہا ہے تو کوئی بات نہیں مگر اگر شاہانہ آرہی ہے تو پھر اس کے لئے دعوت کا انتظام کرنا چاہئے۔ آخر وہ ہونے والی بہو ہے اور ویسے بھی منگنی کے بعد میں مبارکباد دینے نہ جاسکی۔ اور اب تو تمہاری مصروفیات آگئیں۔''

''ٹھیک ہے پھر میں کہہ دیتا ہوں اشعر کو۔!'' میں نے کہا۔

''بیٹا اشعر کو نہیں اشعر کی امی کو دعوت دینا ہے۔ تم نمبر ملاؤ میں خود دعوت دوں گی۔ شام سب کھانا یہیں کھائیں۔ اور شاہانہ کو ہی نہیں، شاہانہ کے گھر والوں کو بھی دعوت دینا چاہئے۔ آخر کو یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ ہم ہونیوالی بہو کو تو مدعو کر رہے ہیں مگر اس کے والدین کو چھوڑ رہے ہیں۔!'' امی ہر معاملے کے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھتی تھیں۔

''جی ٹھیک ہے۔!'' میں نے کہا اور اشعر کے گھر کا نمبر ملایا۔

فون اشعر نے ہی اٹھایا۔ ''اب کیا بات ہے بندۂ خدا۔؟'' وہ بولا۔ ''ابھی تو اتنی باتیں کی ہیں جی نہیں بھرا تمہارا۔ یہ میرا نمبر ہے مہوش کا نہیں۔!'' وہ ہنسا۔ قہقہہ مار کر۔

''مجھے تمہاری کوے جیسی کائیں کائیں سننے کا شوق نہیں۔!'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''ہم ایسے ویسوں سے نہیں تمہاری اماں جان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔!''

''کیوں خیریت۔؟'' وہ اچانک سنجیدہ ہوگیا۔''کیا ہوا۔؟''

''بس ڈر گئے۔!'' مجھے ہنسی آگئی۔اس کی تشویش پر۔''امی بات کریں گی۔!'' میں نے کہا۔

اس نے ریسور اپنی ماں کو پکڑایا۔ میں نے ان سے سلام دعا کی اور امی سے بات کروادی۔ امی نے انہیں شام کے کھانے کی نا صرف باضابطہ دعوت دی بلکہ شاہانہ کے گھر والوں کو بھی مدعو کیا۔ وہ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے ان کی طرف سے بھی وعدہ کرلیا کہ سب شام کو ضرور ہی آئیں گے۔

ابھی امی نے فون رکھا ہی تھا کہ طاہر آگیا۔کئی دنوں کے بعد اس کی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ شہزاد رنگ ساز بھی تھا۔ امی اوپر والے پورشن میں رنگ کروانا چاہ رہی تھیں۔ شادی کے بعد اوپر والے پورشن میں انہوں نے مجھے شفٹ کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔صرف کھانا ہم سب نے اکھٹے رکھنا تھا۔ باقی میاں بیوی کی پرائیویسی بالکل الگ تھی۔

میں طاہر اور شہزاد کے ساتھ اوپر آگیا۔شہزاد نے سارے پورشن کا جائزہ لیکر ایک ہفتے میں سارا کام مکمل کر لینے کا وعدہ کیا۔میٹریل لینے کے لئے میں نے کہا کہ میں اس کے ساتھ چلا چلتا ہوں۔مگر طاہر بولا۔''ارسل بھائی میں کس لئے ہوں۔ اماں کا حکم ہے کہ یہ سارے کام میں کراؤں گا۔!'' طاہر نے کہا۔ وہ امی کو بچپن سے اماں ہی کہتا تھا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔!'' میں نے کہا۔

اسی وقت میرے فون پر بیل ہوئی۔ اسکرین پر نمبر مہوش کا تھا۔''ہیلو السلام علیکم۔!''

''وعلیکم السلام۔!'' دوسری طرف سے مہوش کی آواز آئی۔''کیا کر رہے ہیں۔؟''

''تمہارے استقبال کا اہتمام کر رہا ہوں۔!'' میں نے جواب دیا۔''امی جان کا فیصلہ ہے کہ شادی کے بعد ہم لوگ اوپر کے پورشن میں شفٹ ہوجائیں گے تاکہ پرائیویسی برقرار رہے، اس سلسلے میں کلر والے سے بات چیت کر رہا تھا۔!'' میں نے تفصیلاً بتایا۔

''کلر کروا رہے ہیں۔؟'' مہوش نے کہا۔

''بالکل آخر جناب کو رہنا جو ہے۔!'' میں نے کہا۔''تم بھی اپنی کوئی رائے دو۔!''

''لیکن میں دیکھے بغیر کیسے بتا سکتی ہوں۔'' اس نے کہا۔''خصوصاً ٹی وی لاؤنج اور بیڈ روم کے متعلق سب سے زیادہ وقت تو فیملی ممبر یہیں گزارتے ہیں۔!''

''بات تو ٹھیک ہے کہ تم دیکھے بغیر کس طرح مشورہ دے سکتی ہو لیکن تمہارے آنے کے متعلق میں امی سے پوچھ لوں، کیونکہ اب تو تم باضابطہ بہو ہو، اور بہو کو ایک بار ہی آنا چاہئے۔!'' میں نے کہا۔''امی رسم و رواج کی بہت قائل ہیں۔!''

''امی سے اجازت لے لیں۔!'' مہوش نے کہا۔''آپ بات تو کر کے دیکھیں۔!''

''اچھا میں بات کرتا ہوں لیکن تم زیادہ امید مت رکھنا۔!'' میں نے صاف جواب دیا۔

میں نے امی کو بتایا کہ مہوش رنگ کے سلسلے میں کچھ مشورے دینا چاہتی ہے۔اور اگر وہ خود دیکھ لے تو آپ

ناراض تو نہیں ہونگیں۔

امی نے کہا۔ ''اگر اس کی خوشی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، ویسے بھی اب جدید زمانہ آ گیا ہے۔ پرانے رسم و رواج کو کون گھاس ڈالتا ہے۔ بہو کو شادی سے پہلے سسرال لانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ وہ پہلی بار تو جب آئی تھی جب یہ معاملہ باضابطہ نہیں تھا۔ خیر تمہاری مرضی۔!''

میں نے کہا۔ ''امی کسی بات میں بھی میری مرضی نہیں۔ لیکن جب ہم اتنے پیسے خرچ کر رہے ہیں تو اس کی رائے لینے میں کیا حرج۔ پینٹ آج کل کون سا سستا ہوتا ہے۔ ویسے بھی آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وہ خود بھی مصور ہے، آرٹسٹک ٹچ کے ساتھ گھر اور بھی اچھا لگے گا۔!''

امی ہنسنے لگیں۔ ''واقعی ان جملوں کے ساتھ تو کسی نے بھی اپنی ہونے والی بیگم کی وکالت نہیں کی ہوگی۔ چلو بلوالو اس کو۔!'' امی نے کہا۔

میں جھینپ گیا۔

میں نے فون کیا تو وہ گویا فون کی منتظر ہی تھی۔ فوراً ہی ریسو کیا۔ ''کیا کہا امی نے۔؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہی جس کا اندیشہ تھا۔!'' میں نے لہجے میں افسردگی کا رنگ بھرا۔ ''وہ کہتی ہیں کہ۔!''

''چلیں کوئی بات نہیں۔!'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''جیسی امی کی خواہش۔!''

''خواہش تو سن لو جلد باز۔!'' میں نے کہا۔ ''وہ کہتی ہیں کہ ہماری آرٹسٹک بہو کو اجازت ہے۔!''

'سچ۔۔!'' وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

''ارے بابا میرے کان نہ پھاڑو۔!'' میں نے کہا۔

''وہ میں آتی ہوں تھوڑی دیر میں، بلکہ امی بھی آئیں گی۔ وہ فرنیچر کے لئے بھی دیکھ لیں گے۔ اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو۔!''

''یہ تم لوگوں کا مسئلہ ہے، جیسے چاہو سجاؤ، سنوارو۔!''

''ارسل۔۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔

''ہونہہ۔!''

''ہمیشہ ایسے ہی رہنا۔!'' وہ بولی۔ اس کے لہجے میں بہت پیار تھا۔

''میں ہمیشہ ہی ایسا رہنے کی کوشش کروں گا۔!'' میں نے جواب دیا۔ ''مگر میری خواہش ہوگی کہ تم اس گھر کو اسی طرح اپنا لینا جیسے کہ یہ تمہارا گھر ہے۔ نئے لوگوں میں بعض اوقات مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ہماری تعلیم، ہمارا شعور ہماری ذہانت ہمیں ان مسئلوں کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کی طاقت بھی دیتی ہے اور راہ نمائی بھی۔!''

''میں پورے خلوص سے کوشش کروں گی۔!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''وعدہ۔۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پکا وعدہ۔۔۔!'' وہ فوراً بولی۔

''پھر انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔!'' میں نے کہا۔ اور فون بند کر دیا۔ مجھے اچھا لگا مہوش کا اس طرح افہام و تفہیم سے کام لینے کا وعدہ۔ مجھے اپنی ماں اور بہن پر بہت بھروسہ تھا کہ ان کے اندر محبت، پیار، خلوص اور تحمل اور درگزر کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ مگر یہ میں جانتا تھا۔ جوان کے ہاتھوں پلا بڑھا تھا۔ دوسروں کو سمجھنے میں تو وقت لگتا ہے۔

میں نے امی کو بتایا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ ''جاؤ نصرت سے کہو کہ ناشتے پانی کا اچھا انتظام کرے آخر کو ہماری بہو آ رہی ہے۔!''

''بھابھی جان آ رہی ہیں۔؟'' رابعہ خوشی سے اچھلی۔ اور بھاگی باقی سب کو بتانے کے لئے، چند ہی لمحوں میں یوں لگا کہ جیسے کوئی وزیر کی آمد ہو رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب صفائی ستھرائی میں جُت گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یوں لگ رہا تھا کہ جیسے گھر کی کایا ہی پلٹ گئی ہو، حالانکہ گھر صاف ستھرا تو پہلے ہی تھا۔

''اتنا پریشان نہ ہو، اب تو یہ مہمان دار ہی چلتی ہی رہے گی۔!'' امی نے شرمین کو مخاطب کیا۔

''تو کیا ہوا۔ ہم ایسے ہی کریں گے پھوپھی جان آپ بس دیکھتی رہئے۔!'' شرمین نے جواب دیا۔ وہ سب بڑے اشتیاق سے مہوش کا انتظار کر رہی تھیں۔

تقریباً گھنٹے بھر کے بعد فرخندہ آنٹی اور مہوش آ گئیں۔ مہوش نے چادر لی ہوئی تھی۔ فرخندہ آنٹی نے کہا۔ ''میں تو کہہ رہی تھی کہ چادر لو، نئی نویلی دلہن ہو کہیں نظر نہ لگ جائے۔!''

''اللہ حفاظت کرنے والا ہے۔!'' امی مسکرائیں۔

سب ہی مہوش کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ ان سب کی آنکھوں میں مہوش کے لئے پیار بھی تھا اور ستائش بھی۔ ان سب کو مہوش بہت پسند آئی تھی۔ مہوش بھی ان سب سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد دونوں ماں بیٹی اوپر کے پورشن میں چلی گئیں۔ ان کے ساتھ میں نے شہزاد رنگ ساز کو بھی کر دیا۔ تقریباً گھنٹے بھر میں مہوش نے سارے پورشن کی کلر اسکیم اس کو سمجھا دی۔ اس کلر اسکیم میں اس نے اپنے فرنیچر کے کلر کا خاص خیال رکھا تھا۔ جہیز کے متعلق انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کو اوپر کے پورشن کو وہ خود اپنی مرضی سے سیٹ کر دیں گے امی نے خوش دلی سے اجازت دے دی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں چلی گئیں۔ مگر اپنا ایک خوشگوار تاثر چھوڑ گئیں۔

''آپا جان اللہ کرے ان کی جوڑی کو کسی کی نظر نہ لگے۔!'' ممانی جان کو بھی بے حد پسند آئی مہوش۔ لڑکیوں کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ اس کو روک لیں۔ سب ہی نے امی کے انتخاب کو دل بھر کے داد دی۔

''اچھا اب یہ سارے معاملے چھوڑو اور شام کی تیاری کرو۔!'' امی نے کہا۔ ''شام کو بہت اہم مہمان آ رہے ہیں۔ میرے دوسرے بیٹے کی والدہ، والد اور ہونے والی بہو کے گھر والے۔!''

''اشعر بھائی کی شادی طے ہو گئی۔؟'' وہ سب حیرت سے چیخیں۔

''یا اللہ یہ شادیوں کا سیزن ہے کیا۔؟'' شرمین نے شرارت سے کہا۔ ''مگر صرف لڑکوں کا۔!''

''جی نہیں۔تمام لڑکوں کی شادی لڑکیوں سے ہی ہو رہی ہے۔!'' نیلوفر ہنسی۔''مگر غالباً ہم لڑکیاں نہیں۔!''

''کون کہتا ہے کہ تم لڑکیاں نہیں۔تم تو بہت پیاری،بہت خوبصورت ہو۔!'' نصرت نے برا مان کے کہا۔

''خبردار جو اپنے آپ کو ایسا ویسا کہا۔!''

''بالکل نصرت باجی ٹھیک کہتی ہیں نیلوفر آپی۔!'' رابعہ نے کہا۔''آپ صرف خوبصورت ہی نہیں ماشاءاللہ خوف صورت ہیں۔جو دیکھنے آتے ہیں ان کی حیرت اور خوف سے گھگھی بندھ جاتی ہے اور وہ یوں سرپٹ بھاگتے ہیں کہ پھر پلٹ کے نہیں دیکھتے،مبادا کہیں چڑیلیں نہ چمٹ جائیں۔!''

''لعنت ہے پرائیویٹ سکولوں پر۔!'' شرمین نے آہستگی سے کہا مگر رابعہ نے سن لیا۔''کیا کہا۔؟''

''اتنا فری کر دیتے ہیں کہ بچ بھی ایسے بولتی ہیں کہ جیسے کلیجے پر تیر چلا رہی ہوں۔!'' شرمین کا انداز کچھ ایسا تھا کہ سب کی بیساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

''ویسے شرمین تم کیسے شخص سے شادی کرو گی۔؟'' نصرت نے مسکرا کے پوچھا۔

''میں۔۔!'' شرمین نے سوچا اور بولی۔''جس کو امی اور ابو میرے لئے پسند کریں گے۔شادی تو لاٹری ہے۔پھر جب لاٹری ہی کھیلنا ہے تو اپنے بڑوں کی مرضی سے کیوں نا کھیلی جائے۔خدانخواستہ ناکام بھی ہوئے تو حکم عدولی کا گناہ،دل توڑنے کا وبال تو نہیں ہوگا۔؟''

''بھئی میں تو خوب بولنے والے باتونی سے شادی کروں گی۔!'' نیلوفر نے صاف صاف کہا۔''مجھے تو خاموشی سے وحشت ہوتی ہے۔!''

''میں تو پاپا جیسے آدمی سے شادی کروں گی۔!'' رابعہ نے جلدی سے گفتگو میں حصہ لیا۔

''لو ابھی تو تم بہت چھوٹی ہو۔تمہاری باری آتے آتے بہت دیر لگے گی۔!'' نیلوفر نے کہا۔

''تب تک تو دولہا بڈھا ہو جائے گا۔!'' شرمین نے لقمہ دیا۔

''تو کیا ہوا آپ تو جانتی ہی ہیں مجھے پرانی چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے۔!'' رابعہ بھلا کب چوکنے والی تھی۔

پھوپھی جان مسکراتے ہوئے ان کی چٹاخ پٹاخ باتیں سن رہی تھیں۔

ممانی جان نے انہیں ڈانٹا۔''کیا اناپ شناپ بکے جا رہی ہو،کچھ بڑوں کا لحاظ ہے بھی یا نہیں۔!''

''ارے رہنے دیں بھابھی جان،یہ تو ہمارے آنگن کی چڑیاں ہیں۔پتا نہیں کب گھر سونا کر کے چلی جائیں۔ان کی چہکار سے ہی تو زندگی کا احساس ہوتا ہے۔!'' انھوں نے ممانی جان کو انہیں ڈانٹنے سے روکا۔

''ارے بھابھی جان سارا دن اوٹ پٹانگ باتوں سے مغز پچی کرتی رہتی ہیں۔مجال ہے جو ذرا بھی چپ ہو جائیں۔یوں لگتا ہے کہ پورا گھر مچھلی بازار بنا ہوا ہے۔!''

''بھابھی جان انہی کی رونق ہے۔ایک دن ان باتوں کو،ان رونقوں کو ترسیں گے ہم اور یہ نجانے کس دیس میں اپنے میاں بچوں کے ساتھ مگن ہونگیں۔پتا نہیں نئی ذمہ داریوں میں ہمیں یاد بھی رکھ سکیں گے یا نہیں۔!'' امی جان کا لہجہ بے حد افسردہ ہو گیا۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں آپ پھوپھی جان۔ بھلا کوئی آپ جیسی ماؤں کو بھول سکتا ہے۔؟ آپ ہی تو ہیں جو ہمیں
گی کا اعتماد دیتی ہیں بھلا اپنے رکھوالوں کو کوئی بھلا سکتا ہے۔؟'' شرمین نے پیچھے سے آ کر امی کے گلے میں بانہیں
ں دیں۔

''ویسے آپی شرمین کچھ بھولنا یا یاد رکھنا مجھے پرواہ نہیں۔ بس میرے پیسے نہ بھولنا۔!'' رابعہ ہنسی۔ ''ہمیشہ میری
ٹ منی ادھار لیکر دینا بھول جاتی ہو۔!'' رابعہ سب سے چھوٹی سب سے پیاری اور نٹ کھٹ تھی۔

''بری بات ہے رابی۔ ہر وقت سچ نہیں بولتے، اس سے بے عزتی ہوتی ہے۔!'' نیلوفر نے بڑے پیار سے کہا۔

''یہ تم اس کو سمجھا رہی ہو یا میری بے عزتی کر رہی ہو۔؟'' شرمین چنک گئی۔

اچانک دروازے پر بیل ہوئی۔ میں اٹھ کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ شہزاد رنگ ساز اپنے دو تین کاریگروں
پینٹس وغیرہ کے ڈبوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے طاہر تھا۔ میں نے اوپر جانے والے پورشن کا گیٹ
ل دیا۔ وہ سامان لیکر اوپر جانے لگے۔

☆☆☆

شام کو گھر میں بڑا اہتمام تھا۔ سب ہی شاہانہ کو دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ ان سب نے اشعر کو دیکھا ہوا
لامحالہ ان کے خیال میں اشعر کی دلہن کو بھی اس سے کم نہیں ہونا چاہئے تھا۔ پھر انہوں نے مہوش کو بھی دیکھ لیا تھا۔
ں ہی ہونے والی دلہنیں تھیں اور لاشعوری طور پر وہ سب اس کا موازنہ سب سے پہلے اشعر اور پھر مہوش سے کریں
ور جو وہ دیکھیں گی وہ ان کے لئے بے حد شاک پہنچانے والا ہوگا۔ پھر کیا کیا جائے۔؟ میں نے سوچا۔ پھر میرے
یں ایک خیال آیا۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آیا۔

کوئی صوفے پر چڑھی تھی تو کوئی قالین پر پاؤں پسارے بیٹھی تھی۔ رامین نصرت کے ساتھ بڑے دھیان سے
کپڑے دیکھ رہی تھی۔ میں لاؤنج میں داخل ہوا تو وہ سب سیدھی ہو کر، سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''وہ دراصل میں تم سب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔!'' میں نے بات کا آغاز کیا۔ شائد میرا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ وہ
ت آمیز تاثرات کے ساتھ میری طرف کلی طور پر متوجہ ہوگئیں۔

''آپ سب جانتی ہیں کہ شام کو اشعر اور شاہانہ دونوں کے ہی گھر والے آ رہے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ
ں سے کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔!'' میں نے کہا اور ذرا رک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ نہ بولیں۔ بس
ی سے میرے بولنے کی منتظر رہیں۔

''شاہانہ اور اشعر کا موازنہ، نہ کیجئے گا۔ اشعر نے شاہانہ کو پسند کیا۔ اس بات کو دھیان میں رکھئے گا۔ شاہانہ بہت
ہیں، سیرت میں، کردار میں، ان میں ایک نرمی، ایک حلاوت ہے جو آہستہ آہستہ محسوس کی جاسکتی ہے۔ انسان
شکل وصورت سے وقتی طور پر پیارا ہوسکتا ہے مگر سیرت کی روشنی ہمیشہ کے لئے گرویدہ بنا لیتی ہے۔!'' میں کہہ کر
ہوگیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں مزید ان سے کیا کہوں۔

تب ہی رامین نے کہا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمیں تو صرف اشعر بھائی کی خوشی سے سروکار ہونا چاہئے۔ اور

بحیثیت فرد شاہانہ بھی ہمیں اتنی عزیز اور اتنی ہی پیاری ہونگیں جتنی کہ ان کو پیاری ہیں۔!''

''شکریہ۔۔!'' میں نے بے حد ممنویت سے رامین کی طرف دیکھا۔ جب سے رامین آئی تھی پہلی بات تھی جو اس نے مجھ سے کی تھی۔

''شکریئے کی کیا ضرورت۔؟'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''گھر آئے مہمان کا احترام تو سب پر واجب ہے۔!''

اسی وقت امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ان کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔''اچھا تم یہاں بیٹھے ہو، میں تمہارے کمرے کی طرف جارہی تھی۔!''

''جی کہیئے۔!'' میں نے کہا۔''مجھے بلا لیا ہوتا۔۔میں آجاتا۔!''

''یہ میں نے سوچا کہ اشعر اور شاہانہ کے لئے ایک ایک سوٹ خریدوں اور یہ ساتھ میں سونے کا ایک لاکٹ ہے۔ یہ اس کو منگنی کی خوشی میں دیدوں۔!'' امی نے مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ امی ہمیشہ مہمان نوازی کے تمام لوازمات کے لئے مستعد رہتی تھیں۔

''اچھے ہیں۔۔جیسے آپ مناسب سمجھیں۔!'' میں نے جواب دیا اور تھوڑا سا شاہانہ کے متعلق بتایا۔

امی نے صورت حال جان کر کہا۔''بیٹا جوڑے تو اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے۔اور یاد رکھو اس نے ہر انسان کو بہترین صورت میں تخلیق کیا ہے۔وہ خود کہتا ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔لہٰذا ہمیں اپنے پیمانے کی خوبصورتی کو بالائے طاق رکھ کر سوچنا چاہئے۔!'' امی کے انداز میں بے حد ٹھہراؤ اور دلیل تھی۔ایسی باشعور مائیں ہی ملت کی شیرازہ بندی کرتی ہیں۔نسل کی تربیت فقط سکولوں، کالجوں سے نہیں بلکہ ماں کی گود کے پہلے مدرسے سے شروع ہوتی ہے۔

سب ہی شام کا بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔

☆☆☆

ورنہ پھر بھی تو شادی کرنا ہی پڑے گی

بالآخر شام ہوگئی۔تقریباً آٹھ بجے اشعر کے والدین اور شاہانہ اور ان کے والدین کی گاڑیاں آ کر ہمارے گھر کے سامنے رُکیں۔

وہ سب مٹھائی اور تحائف سے بھرے ہوئے آئے تھے۔لیکن یہاں بھی لڑکیوں نے ان کا بھرپور تیاریوں سے سواگت کیا۔شاہانہ اور اشعر کے اوپر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔امی نے آگے بڑھ کر شاہانہ کا استقبال کیا۔اس کے والدین اس سارے عمل سے نہ صرف یہ کہ حیران تھے بلکہ بے حد خوش بھی تھے۔خود اشعر اور اس کے گھر والوں کو بھی اس قسم کے استقبال کی توقع نہیں تھی۔

''ارے اتنا تکلف۔۔!'' اشعر کی امی کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

''تکلف کاہے کا۔میرے دوسرے بیٹے کی دلہن ہے۔اصل استقبال تو تب ہوگا جب یہ شادی کے بعد پہلی بار آئے گی۔!'' امی نے خوشی سے کہا۔

نصرت، رامین وغیرہ بڑے اہتمام سے شاہانہ کو اس کے لئے مخصوص جگہ پر لے گئیں۔شاہانہ کے والد رانا شمشیر جنگ اور نفیس مرزا بہت خوش ہوئے ماموں جان سے مل کر، تھوڑی ہی دیر میں سب یوں گھل مل کر باتیں کرنے لگے کہ جیسے برسوں کی جان پہچان ہو۔نفیس مرزا اور توصیف ماموں جان تو خیر آپس میں پرانے محلے دار اور واقف تھے ہی، شمشیر جنگ بھی اُسی بے تکلفی سے گفتگو کر رہے تھے کہ جیسے برسوں سے ملتے ہوئے آ رہے ہوں۔اس وقت ان کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی کروفر والے افسر ہیں کہ جن کے آگے پیشی سے، بڑوں بڑوں کی جان جاتی ہے۔

تمام لڑکیوں نے شاہانہ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا اور سب اشعر کے سر تھیں کہ آپ نے ہمیں اپنی منگنی میں بلایا کیوں نہیں۔

''اس لئے کہ اشعر بھائی کنجوس ہیں سوچا ہوگا کہ اتنی پیاری سی بیوی ملی ہے لیکن بہنوں کو تو نیگ دینا پڑ جائے گا۔!''

''بہنوں کو نیگ تم ہمارے ہو کر ان کی ہو۔!'' اشعر نے حیرت سے کہا۔

''ان کی۔۔!'' رابعہ نے صاف صاف کہا۔''کتنی پیاری سی آواز ہے ان کی نرم سی، میٹھی سی۔!''

''اور انداز کتنے دھیمے۔!'' نیلوفر نے بھی تعریف کی۔

قدرت نے عورت کے اندر ابتداء سے ہی پرکھنے کی ایک ایسی نگاہ رکھ دی جو کہ لمحوں میں اندر کا کھوج نکال دیتی ہے۔

''ٹھیک ہے پھر شادی میں بھی انہی کی طرف سے ہی آنا۔!'' اشعر نے منہ بسور کر کہا۔

''چلیں رویئے مت، اب اگر آپ ہمیں اچھی سی ٹریٹ دینے کا وعدہ کریں تو آپ کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔!'' شرمین نے کہا۔

''منظور ہے۔!'' اشعر نے کہا۔

''ارے بھئی لڑکیوں کیا دلہن کو صرف باتوں سے ہی بہلاؤں گی یا پھر کچھ کھلاؤ پلاؤ گی بھی۔؟'' اچانک ممانی جان کی آواز آئی۔

وہ ساری کی ساری فوراً ہی اٹھ گئیں۔ ''چلو بھئی ورنہ امی کلاس لے لیں گی۔!'' نیلوفر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ساری لڑکیاں باہر نکل گئیں۔

''کیوں شاہانہ بھابھی ہمارا گھرانہ کیسا لگا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت اچھا۔ سچ پوچھئے تو مجھے لگ ہی نہیں رہا کہ میں پہلی بار آئی ہوں۔ لگتا ہے کہ جیسے برسوں پرانا ناتا ہے۔!'' شاہانہ کے لہجے میں بے حد حیرت تھی۔

''ہمارے پاس بے حد، بے پناہ محبت ہے۔!'' میں نے کہا۔ ''امی نے شروع سے ماحول ہی ایسا دیا ہے کہ ہم لوگ بہت جلدی معاملات کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں۔ اور آپ کا تعلق تو دل سے ہے۔!''

''سچ مچ مجھے بہت ہی اچھا لگا۔!'' شاہانہ نے کہا۔

''دیکھا نا میرا دوست کتنا اچھا ہے۔!'' اشعر بھی بہت مطمئن تھا۔

سب لوگ آپس میں خوب باتیں کر رہے تھے۔ اسی ماحول میں کھانا وغیرہ کھایا گیا۔ اس کے بعد تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ شاہانہ اور اشعر نے اوپر کا پورشن دیکھا۔ وہ بے حد خوش ہوئی اس کو امی اور ممانی جان بہت پسند آئی تھیں۔ ان کی بیٹیاں تو اس کو بے حد ہی اچھی لگی تھیں۔ خصوصاً رامین سے تو اس کی بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ پنکی کے تو مزے آگئے تھے شاہانہ سے اس کی بھی بڑی دوستی ہوگئی تھی۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ سب رخصت ہوئے۔ جاتے ہوئے شاہانہ کے والدین نے امی کو گھر آنے کی بڑے اصرار سے دعوت دی۔ نفیس مرزا نے بھی کہا۔ ''کہ جو بھی کام ہوں اشعر موجود ہے۔ میں موجود ہوں۔ بلا تکلف کہئے گا۔ جیسے اشعر، ویسے ہی ارسل۔'' امی نے اس سب کا شکریہ ادا کیا۔ وہ سب خدا حافظ کہہ کر روانہ ہوگئے۔

''چلئے پھوپھی جان تحفے دیکھیں۔!'' رابعہ نے امی کا ہاتھ پکڑا۔

''ارے یہ کیا۔؟'' شرمین نے اس کو ڈانٹا۔

''تو کیا ہوا۔؟ بچوں کو اشتیاق ہوتا ہے تحائف دیکھنے کا۔ اس میں بھلا ڈانٹنے کی کیا بات۔؟'' امی نے رابعہ کو لپٹا لیا۔

''چلو بیٹا دیکھیں تو سہی کیا ہے۔!''

اشعر کے گھر والے امی ،نصرت ،پنکی اور میرے لئے سوٹ، پرفیومز، کف لنکس، گھڑی لائے تھے۔ اور شاہانہ کے گھر والے بھی تقریباً یہی کچھ لائے تھے۔ پھل، میوے، مٹھائی اس کے علاوہ تھے۔ سب ہی کو تحائف پسند آئے۔

''اچھا بچیوں اب سو جاؤ، صبح ذرا جلدی اٹھنا اور سب کو درزی کے ہاں جانا ہے۔!'' امی نے کہا۔''تم لوگوں کے لئے مہندی اور مایوں کے سوٹ تیار ہونے ہیں۔ ہفتہ ایک تو لگ ہی جائے گا۔ پھر ولیمے اور شادی کے سوٹ بھی وہیں سے پسند کر لینا۔''

''بھئی یہ تو مزا آ گیا۔ ارسل بھائی جان آپ نے پہلے شادی کیوں نہیں کی۔؟'' نیلوفر ہنسی۔

''پھوپھی جان مجھے چوڑیاں اور مہندی بھی لینی ہے۔!'' رابعہ نے فرمائش کی۔

''ضرور میری جان، تم دونوں ہی تو بیٹھو گی گاڑی میں۔'' امی نے بہت پیار سے کہا۔''تم اور پنکی ہی تو چھوٹی ہو پھر سب نے کوئی نا کوئی فرمائش کرنا شروع کر دی، اپنی پھوپھی جان سے، اس وقت وہ اپنی ماں کے آنکھ کے اشارے سے بے نیاز تھیں، مگر امی نے دیکھ لیا۔

''بھابھی جان۔!'' وہ ہنس کر بولیں۔''اب آپ ہم پھوپھی بھتیجوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ ارسل، نصرت، پنکی اور ان بچیوں کے سوا ہے کون جو مجھ سے فرمائشیں کریں۔!''

ممانی جان چپ ہو گئیں۔

رامین امی کے پاؤں دبا رہی تھی۔ نیلوفر چائے بنا کر لے آئی۔ نصرت کے سر کو شرمین سہلا رہی تھی۔ اور پنکی رابعہ کی گود میں سو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے خوشیاں، محبتیں اپنی پوری شدتوں سے اس کوچے پر برس رہی ہوں۔

☆☆☆

کبھی بازار، کبھی سنار، کبھی چوڑیاں، کبھی جوتے، چپلیں۔ لڑکیوں کے ہار سنگھار ختم ہونے والے ہی نا تھے۔ طاہر ڈرائیور، ماموں جان سب ہی مصروف تھے۔ لیکن کام تھے کہ ختم ہی نہیں ہو رہے تھے۔ اور دن سکینڈ کی سوئیوں کی طرح گزر رہے تھے۔

مہندی کی تقریب کا اہتمام گھر کے سامنے پارک میں کیا گیا تھا۔ طے یہ پایا تھا کہ مہندی اور مایوں کی تقریب الگ الگ کرنے کے بجائے ایک ہی دن رکھ لی جائے۔ پہلے مایوں کی رسم ادا کی جائے گی۔ ہم لوگ شام سات بجے پہنچ جائیں گے۔ ساڑھے سات بجے نکاح کے بعد دیگر رسومات ادا کی جائیں گی۔

مہوش کے گھر والوں کی جانب سے بڑے کھلے دل سے پوچھ لیا گیا تھا کہ کتنے مہمان ہمارے طرف سے آئیں گے۔ کم کرتے کرتے اور خاص خاص لوگوں کو شمار کرتے بھی تقریباً پانچ سو لوگ ہو گئے تھے۔ اتنے لوگوں کا اہتمام کرنا، ٹرانسپورٹ کا دھیان رکھنا اور پھر شہر کے حالات کے پیش نظر، طاہر اور اشعر نے ٹھیک ٹھاک انتظامات کر لئے تھے۔ اوپر سے شاہانہ کے والد کا فون بھی بڑا اہم ثابت ہوا۔ انہوں نے اشعر سے کہہ دیا تھا کہ اطمینان سے ساری رسومات کرنا سکیورٹی کے معاملات مجھ پر چھوڑ دو، اس بات سے زیادہ سکون کا سانس امی جان نے ہی لیا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی وجہ سے دل ہی دل میں سخت پریشان تھیں۔

طے یہ پایا تھا کہ بری بھی اس دن جائے گی۔ اس کی نگرانی ماموں جان اور ممانی جان کے ذمے تھی۔ ہر طرف لڑکیوں کا شور تھا کہ ان کی تیاریوں میں ذرا کمی رہ گئی ہے۔ ابھی صبر کریں۔

میرے سارے دوست آ چکے تھے۔ کئی شادی شدہ تھے اور کئی منگنی شدہ۔ بعض دوستوں سے بہت عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ کئی دوست بلکہ تقریباً سارے ہی دوست میرے اور اشعر کے مشترکہ تھے۔

شاہانہ کی فیملی بھی آ چکی تھی۔ امی کے لئے ایک خوشی کی بات یہ بھی تھی کہ نصرت کے سسرال والے بھی آئے تھے۔ غرض یہ کہ دور، نزدیک کے تمام رشتے دار آ گئے تھے۔ حالانکہ صرف مہندی اور نکاح کی مشترکہ تقریب ہی تھی۔ مگر امی نے سب کو دل کھول کر مدعو کیا تھا۔

بمشکل تمام ہم لوگ ساڑھے سات بجے روانہ ہوئے۔ مہوش کے ہاں شاندار استقبال کا اہتمام تھا۔ یہاں سے بھی اشعر نے میوزک گروپ کا اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے بھی میوزک گروپ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ خوب دھوم دھام سے ہمارا استقبال ہوا۔

نکاح کے سارے انتظامات مکمل تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی نکاح خواں صاحب نے قبول و ایجاب کا اہتمام کروایا، دستخط ہوئے، دلہن کے گواہان بھی فارم پر دستخط کروالائے۔ حق مہر دلہن والوں نے سوا لاکھ مقرر کیا تھا۔ جو کہ اسی وقت نقد ادا کیا گیا۔ نکاح کے خطبے کے بعد مبارک و سلامت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا، اس کے ساتھ ہی لڑکیوں کے گانے شروع ہو گئے۔

مہندی لگوائی کے دلہن کی کزنز نے پچیس ہزار روپے وصول کئے۔ دونوں طرف سے ہی خوب نیگ وصول کئے گئے۔ ہلا گلا، شور شرابا، ہنسی مذاق، لطائف، قہقہے، لفظوں کی پھلجڑیاں، ایک دوسرے پر فقرے چست کئے جا رہے تھے۔ سب ہنس رہے تھے۔

''یار تیری شادی میں جتنا ہلا گلا کر رہا ہوں بلکہ کروا رہا ہوں یہی سب میری شادی پر بھی ہونا چاہیے۔'' اشعر نے کہا۔

''فکر مت کرو اس سے زیادہ ہوگا۔!'' میں نے اسے تسلی دی۔

''وہ کیسے۔؟'' اشعر نے بڑے شوق سے پوچھا۔

''تمہارے نکاح کی تقریب مینٹل ہاسپٹل میں رکھ دیں گے۔ وہ اتنا شور کریں گے کہ قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔!'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔

گانوں کے زبردست مقابلے کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ مہوش کے والد مظہر الحق صاحب نے بہترین انتظام کیا ہوا تھا۔ کھانا نہایت لذیز تھا اور وافر بھی، کسی نے، کسی قسم کی شکایت نہ کی اور سب نے بھرپور طریقے سے لطف اٹھایا۔

تقریباً بارہ بج گئے اسی ہنگامے میں۔ پھر امی نے کہا کہ چلنے کی تیاری کی جائے، چنانچہ چلنے کے لئے تیاری شروع ہو گئی۔ بہت سارے لوگ تو وہیں سے چلے گئے تھے۔ یوں تھوڑے ہی لوگ رہ گئے تھے۔ ان سب نے بہت

محبت سے ہمیں رخصت کیا، اور یوں یہ قافلہ تقریباً ڈیڑھ بجے واپس گھر پہنچا۔

سب بری طرح تھکن کا شکار تھے۔ مگر ماموں جان کی طلب اپنی جگہ تھی۔ انہوں نے آتے ہی شرمین سے کہا۔

''بیٹے بس ذرا اچھی سی چائے پلا دو تو ساری تھکن دور ہو جائے۔!''

''ابھی لاتی ہوں۔!'' شرمین نے کہا۔

''جب بنا ہی رہی ہو تو پھر دو چار کپ مزید بنالو۔!'' میں نے بھی فرمائش کی۔ ''کیوں اشعر چائے چلی گی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل چلے گی۔!'' اشعر کچھ حساب کتاب کر رہا تھا۔

''کیا لکھت پڑھت کر رہے ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کل کا حساب دیکھ رہا ہوں دولہا میاں۔ آپ فکر نہ کریں مزے کریں۔!''

ماموں جان ہنسنے لگے۔ ''کر لو میاں مزے۔ اشعر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد تو پھر زندگی ہی بدل جاتی ہے، یوں لگتا ہے کہ جیسے ذمہ داریوں میں جکڑے گئے۔!''

''ماموں جان خوف زدہ نہ کیجئے۔!'' اشعر نے شرارت سے کہا۔ ''ورنہ۔۔!''

''ورنہ کیا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ورنہ پھر بھی تو شادی کرنا ہی پڑے گی۔!'' اشعر نے مسکین سا منہ بنا کر کہا۔ ''اس سے یہ بھی پتا چل گیا کہ لوگ دوسری شادی کیوں کرتے ہیں۔!''

''کیوں بھئی یہ کیسے پتا چلا۔؟'' ماموں جان نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔ اور صوفے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں پھیلائیں۔

''خوف کو دور کرنے کیلئے۔!'' اشعر نے برجستہ جواب دیا۔ ہم سب ہنسنے لگے۔

اتنے میں شرمین چائے لیکر آ گئی۔ اس نے ہم لوگوں کو چائے دی اور چلی گئی۔ غالباً سب لڑکیاں وغیرہ اپنے کپڑے تبدیل کرنے وغیرہ میں مصروف تھیں اس لئے اس طرف کوئی نہیں تھا۔

''وہ تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا۔!'' اشعر نے آہستگی سے کہا۔

''شکریہ۔۔ کس بات کا۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یار تم لوگ شاہانہ سے بہت اچھے طریقے سے ملے، بہت پیار سے ان لوگوں کا استقبال کیا۔ شاہانہ بہت خوش تھی، وہ تھوڑے سے تردد کا شکار تھی۔ لیکن یہاں کسی نے اس کو تقابل کا احساس ہی نہیں ہونے دیا۔ پھر اس کے والدین بھی تم لوگوں سے مل کر بہت متاثر ہوئے، انہوں نے میری بہت تعریف کی کہ میرے دوست کتنے اچھے ہیں۔!'' اشعر کا لہجہ ممنونیت سے بھرپور تھا۔

''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، میرا اور کون بھائی ہے۔ تم خالی دوست ہی نہیں بھائی بھی ہو۔ اور شاہانہ میری بھاوج، پھر امی کا کہنا بھی یہی تھا کہ میرے دوسرے بیٹے کی دلہن آ رہی ہے۔ امی مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں کرتی

ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''وہ میں جانتا ہوں۔ مہوش کتنی خوش قسمت ہے کہ اس کو آنٹی جیسی ساس ملی ہیں۔ اور وہ ان کو ماں سمجھے تو پھر گھر جنت بن جائے گا۔!''

''خیال تو یہی ہے۔!'' میں نے دھیمے سے کہا۔ ''اب تک رویہ بہت اچھا ہے۔ وہ امی کی، نصرت کی بہت قدر کرتی ہے۔!''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔!'' اشعر نے بڑے خلوص سے کہا۔ اور گھڑی دیکھی۔ ''یار میں چلتا ہوں صبح آجاؤں گا۔ تم کسی بھی معاملے میں پریشان نہ ہونا۔ لمبی تان کے سونا، ہر چیز کے مکمل انتظامات ہیں۔'' اس نے جاتے جاتے کہا، اور مجھے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

میں نے ماموں جان کی طرف دیکھا۔ وہ چائے پی کر صوفے پر ہی سو گئے تھے۔ میں بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ تھکن کے مارے برا حال تھا میں بیڈ پر لیٹتے ہی سو گیا۔

☆☆☆

صبح فجر کے وقت میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا، امی جان کھڑی ہوئی تھیں۔

''اسلام علیکم۔!'' میں نے انہیں دیکھ کر سلام کیا۔ ''آیئے اندر آجایئے۔!''

''میں اندر نہیں آرہی بلکہ تم ہی باہر آجاؤ۔!'' انہوں نے کہا۔ ''میں پورچ میں ہوں۔!''

میں کلی کر کے پورچ میں آیا تو وہاں طاہر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو کالے بکرے کھڑے ہوئے تھے۔ ''یہ کیا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے صدقے کے لئے بکرے منگوائے ہیں۔!'' پیچھے سے امی کی آواز آئی۔ ''تم ذرا ان کو ہاتھ لگا دو۔!''

میں نے بکروں پہ ہاتھ پھیرا۔ طاہر نے فوراً ہی آواز لگائی۔ ''آؤ استاد جی۔!''

میں نے دیکھا کہ دو آدمی مین گیٹ سے اندر آ گئے۔

ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بوری تھی۔ ''اسلام وعلیکم جی۔!'' ان میں سے ایک قدرے بھاری شخص نے حلق پر کافی زور دے کر آواز نکال کر سلام کیا۔ اور بکروں کو ہاتھ مارا۔ ''مال تو اچھا ہے۔!''

''بس جلدی سے ذبح کر دو، پھر اس کو تقسیم بھی کرنا ہے۔!'' طاہر نے کہا۔ ''کتنی دیر لگے گی۔؟''

''دو گھنٹے میں مکمل ہو جائے گا سارا کام۔'' استاد جی نے کہا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''آپ ذرا چھری پھیر دو گے۔؟''

''ہاں۔۔ ہاں کیوں نہیں۔!'' میں نے کہا۔ استاد نے بکرے باری باری لٹائے۔ میں نے تکبیر پڑھ کر چھری پھیری اور واپس آ گیا۔ میں نے آ کر وضو کیا اور فجر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ امی اندر داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

''ارے امی آپ چائے لے آئی ہیں۔ مجھے کہا ہوتا میں بنا دیتا۔!'' میں نے ان کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی۔ اور سائٹ ٹیبل پر رکھی۔

''چائے تو طاہر اور قصائی کو بھی دینی تھی۔ دوسرے یہ کہ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

میں نے چائے کا کپ اٹھا کر امی کو دیا اور ایک خود لے لیا۔ چند لمحے ہمارے درمیان خاموشی طاری رہی، پھر امی نے کہنا شروع کیا۔

''آج تمہاری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ زندگی میں ذمہ داری بڑھ رہی ہے۔ میاں بیوی میں محبت بھی ہوتی ہے۔ چپقلش بھی ہوتی ہے۔ لیکن زندگی خوبیاں اپنانے اور خامیاں نظر انداز کرنے سے ہی گزرتی ہے۔ جب میاں بیوی ایک دوسرے کا پردہ رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو موقع دیتے ہیں تو بڑی سے بڑی مشکل گزر جاتی ہے۔ شادی کے ابتدائی دن تو ایک دوسرے کو سمجھنے میں ہی گزر جاتے ہیں۔ اس لئے تحمل بہت ضروری ہے۔ آج تمہارے ابو ہوتے تو شائد مجھے اتنی فکر نہ ہوتی۔ لیکن اب وہ نہیں ہیں تو پھر تم کو اس گھر کا بڑا بننا ہے۔!'' وہ ذرا رکیں اور میری طرف غور سے دیکھا۔ میں نے دیکھا امی کی آنکھیں نم تھیں۔

''تم سن رہے ہو نا۔؟'' انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیکر پوچھا۔

''جی امی۔۔!'' میں نے جواب دیا۔ ''بلکہ آپ کی ایک، ایک بات میرے دل پر نقش ہو رہی ہے۔!''

''بیٹے اولاد کی سعادت مندی ماں کو اچھی لگتی ہے۔ زمانے کو اچھی لگتی ہے، مگر بیوی کو، سسرال والوں کو کم ہی اچھی لگتی ہے۔!'' وہ مسکرائیں۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ واقعی یہ اتنے سامنے کی بات ہے کہ لوگ اکثر اس پر غور ہی نہیں کرتے ہیں۔

''اکثر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ اکلوتی اولاد خصوصاً لڑکے بگڑ جاتے ہیں۔ خودسر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری تربیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ تمہاری شخصیت کا فطری توازن قائم رہے۔!'' امی نے کہا۔ ''میں چاہوں گی کہ اگر مہوش کو کوئی شکایت ہو، کوئی مسئلہ ہو، تو اس کو نرمی سے، پیار سے حل کرنا۔ جو میاں بیوی بیڈ روم کی باتیں ڈرائنگ روم میں شروع کر دیتے ہیں وہ پھر ایک دوسرے کا اعتماد کھونے لگتے ہیں۔ اور دنیا بھی ان کی صورت حال سے مزہ لینے لگتی ہے۔!''

''جی صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔!'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کی تمام باتوں کا دھیان رکھوں گا۔!''

''اللہ تمہیں جیتا رکھے، آباد رکھے۔!'' امی نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر وہ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں۔

امی کو مجھ سے کتنی محبت، کتنا پیار ہے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے کبھی ممتا کے نام پر، ماں کے حق کے حوالے سے مجھ پر نہ کوئی دباؤ ڈالا اور نا ہی کبھی کوئی فرمائش کی۔ مائیں تو بہوؤں کے آنے پر نا جانے کیا کیا جتن کرتی ہیں۔ مگر امی نے تو زیادہ وقت ہی بیوی کی دلجوئی کے لئے باتیں کرنے میں گزارا۔ مجھے اپنی ماں پر بہت پیار آیا۔ میری آنکھوں

میں فرطِ جذبات سے آنسو آ گئے۔

''کیا سوچ رہے ہو راجہ بھیا۔؟'' نصرت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

''میں سوچ رہا تھا کہ ہماری امی کتنی اچھی ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے۔!'' نصرت نے بلا تامل جواب دیا۔ ''ہم تو خوش قسمت ہیں کہ ایک ایسی ماں کے بچے ہیں جس نے ساری زندگی صرف ہم دونوں کے لئے صرف کر دی۔!''

''یہ کیا ہے۔؟'' میں نے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

''آج تم دولہا میاں بن رہے ہو انشاء اللہ۔ میں نے سوچا ذرا صبح صبح اپنے راجہ بھیا کی نظر اتاروں، میں تو تمہیں نظر بھر کے دیکھتی بھی نہیں کہ کہیں میری نظر ہی نا لگ جائے۔ سنا ہے کہ سب سے زیادہ اپنوں کی ہی نظر لگتی ہے۔!'' نصرت نے ہنس کر کہا۔

''اور اپنے ہی نظر اتارتے ہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

اس نے میری نظر اتاری اور ٹرے سائڈ میں رکھ کر بولی۔ ''بھیا ایک بات کہوں اگر برا نہ مانو۔؟''

''ہاں کہو۔۔ بھلا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔؟''

''نہیں پہلے وعدہ کرو۔!'' اس نے اصرار کیا۔

''کیسا وعدہ اور کیوں۔ آخر ایسی کیا بات ہے جو اس طرح وعدے وعید کر رہی ہو۔؟''

''تم ہر بات کی کھال نکالنے نا بیٹھ جایا کرو۔ آخر تم سے بڑی ہوں۔'' وہ ناراض ہونے لگی۔

''اچھا بابا کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر تم بات تو کرو، اتنی لمبی تمہید کی کیا ضرورت ہے۔؟'' میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

نصرت نے کہا۔ ''بات یہ ہے بھیا کہ شادی کے دوران بہت سی رسمیں ہوتی ہیں۔ بعض رسمیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں دلہن کو سات سہاگنیں کھلاتی پلاتی ہیں۔ دلہن کا استقبال کرنے میں بعض بڑی بوڑھیاں کچھ شرطیں لگاتی ہیں۔ دلہن کی گود بھرائی کی رسمیں ہوتی ہیں۔ چھتیس طرح کی شگن کئے جاتے ہیں اور ان تمام رسموں میں دولہا کی بہنیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔!''

''ہاں تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔؟'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''سنو تو سہی۔!'' وہ زچ ہو کر بولی۔ ''بیچ میں بول پڑتے ہو، ان تمام میں جو شریک ہوتی ہیں وہ صرف شادی شدہ ہوتی ہیں۔!''

''ہاں تو اس میں کیا ہرج ہے۔ تم بھی تو شادی شدہ ہو۔!''

''ہاں شادی شدہ۔ مگر بیوہ۔!'' اس نے کہا اور چپ ہو گئی۔

مجھے جھٹکا سا لگا۔ ہم تو کبھی نصرت کے اس رخ پر سوچتے ہی نہیں تھے۔ ''کیا بے تکی باتیں کر رہی ہو۔؟''

دفعتاً مجھے غصہ آنے لگا۔ ''اگر تم بیوہ ہوگئی ہو تو اس میں تمہارا کیا قصور۔؟''

''ہاں لیکن زمانے کی ریتی رواج کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کسی حادثے کو کسی اور کی خوشی کو سبوتاژ کرنے کی وجہ نہیں بنایا جاسکتا۔ تمہارے اور میرے احتجاج سے حقائق نہیں بدل جاتے۔!'' نصرت نے جواب دیا۔

''تم کیا چاہتی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''بس یہی کہ جب بعض رسمیں ہو رہی ہوں، تو بلاوجہ مجھے بلانے مت بیٹھ جانا۔ رسموں کو پورا کرنا۔ کیا سمجھے۔؟''

نصرت نے کہا۔ اور تیزی سے اپنی آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔ میں چپ رہا۔

نصرت نے دوبارہ کہا۔ ''مان لوگے نا میری بات۔؟''

''پتا نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا۔ ''یہ باتیں تم نے کیوں کیں۔ امی بھی تو کہہ سکتی تھیں۔ بڑی تو وہ ہیں۔؟''

''کیسے کہہ دیتیں، ماں ہیں۔ کلیجہ کٹتا ہے ایسی باتوں پر۔!'' نصرت نے کہا۔

اچانک مجھے دروازے پر ایک سایا سا نظر آیا۔

''امی آجایئے۔!'' میں نے کہا۔

امی اندر آگئیں۔ چند لمحے وہ نصرت کو دیکھتی رہیں، پھر اچانک نصرت کے گلے سے لپٹ کر رونے لگیں۔

زندگی کے مسائل کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ اور سماج میں رہنا کس قدر مشکل۔ پتا نہیں کیوں مجھے بھی بے تحاشا رونا آگیا۔

☆☆☆

دراصل ہم کو اپنا آپ اچھا لگتا ہے

ناشتے میں عجیب سی افراتفری تھی۔ حالانکہ سب کچھ طے شدہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سب کو ہی ابھی سے لگ رہا ہے کہ شام چڑھ گئی ہے۔ اشعر کا فون آیا تھا وہ پھولوں والوں کو بھیج رہا تھا اس کے ساتھ آفس کا ایک بندہ تھا۔ اس کے ذمہ دولہا کے کمرے کو سجانے کی ذمہ داری تھی۔ شام کو اشعر کی کمپنی کے کچھ گارڈز بھی آنے تھے۔ لہٰذا گھر کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اشعر نے ایک معروف بیوٹی پارلر سے رابطہ کیا تھا۔ دولہا سجانے کے لئے، تیار کرنے کے لئے۔

''یہ کیا حرکت ہے بھلا میں کوئی لڑکی ہوں۔؟'' میں اشعر کی اس حرکت پر جز بز ہو کر رہ گیا۔

''ارے باؤلے ہو گئے ہو کیا۔ آج کل کے دولہا بیوٹی پارلر سے ہی سجتے ہیں۔ ورنہ دلہن کے آگے ایسے مسکین لگتے ہیں کہ جیسے دولہا نہ ہوں نکاح کے سوکھے چھوارے ہوں۔!''

''لیکن پھر بھی۔!'' میں نے احتجاج کیا۔

''بس زیادہ بک بک نہیں۔!'' اشعر نے کہا۔ ''جو کہہ دیا وہی کرنا پڑے گا۔!''

''اچھا تو پھر ان کو یہیں بلالو۔!'' میں نے کہا۔ ''مجھے بیوٹی پارلر جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔؟''

''جو کہتے ہیں ناں وہ لپک لپک کر بیوٹی پارلر جاتے ہیں۔ ان کی نہ سوچ۔!'' اشعر نے ہنس کر کہا۔ مگر یہ میری بات مان لی کہ ان کا سٹاف گھر آجائے گا۔

تین بجے وہ ساز و سامان کے ساتھ آ گئے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کوئی اس قسم کے معاملہ دیکھا تھا۔ پانچ چار قسم کی تو مشینری تھی ان کے پاس، مختلف انواع کے مساجر کے سامان، ان میں سے ایک جوان کا ہیڈ تھا، اس نے میرے چہرے کا کئی زاویوں سے معائنہ کیا۔ پھر اس نے مجھ سے دو تین تصاویر دیکھنے کے لئے مانگیں۔ تصویریں دیکھ کر اس کے منہ سے ایک سیٹی جیسی آواز نکلی۔ ''یار بڑا فوٹو جینک چہرہ ہے۔ گریٹ اسٹائل۔!''

''آپ کو کوئی خاص لک پسند ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔ ''مجھے بالی کہتے ہیں۔ میں نے اب تک دو ہزار سے زائد گروم کیے ہیں۔!'' اس کے انگریزی بولنے کا انداز بھی قدرے مختلف تھا۔ ''آپ ان سب میں اسمارٹ ہیں۔ گڈ

لکنگ۔!''

''اچھا۔۔!'' مجھے اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں سوجھا۔

''اے وکی دیکھو۔!'' کتنی فریش اسکن ہے لک لائک اے بے بی۔!'' اس نے میرے گالوں کو چھوا۔ میں بے ساختہ پیچھے ہٹا۔ وہ ہنسنے لگا۔

اس کے ساتھ آئے ہوئے دونوں لڑکے بھی مسکرانے لگے۔

''دیکھئے ارسل۔!'' ہالی نے کہا۔''ہمارا فرض ہے کہ آپ کو اتنا خوبصورت، اتنا پیارا بنادیں کہ سب دیکھتے ہی رہ جائیں۔!'' اچانک اس کا لہجہ جیسے تبدیل ہوگیا۔''دراصل ہم کو اپنا آپ اچھا لگتا ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ ہم دوسروں کو کیسے لگتے ہیں اور کیسے لگیں گے۔ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ مگر حسن کی ترتیب و تناسب تو دیکھی جانے والی شئے کا معاملہ ہے نا۔!''

مجھے بے حد حیرت ہوئی کہ اس کی اُردو کتنی شستہ اور انداز کتنا تہذیل ہوگیا تھا۔

''آپ خود کو بہت تیزی سے تبدیل کرلیتے ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''اگر اجنبیت ختم نہ ہو، اور آپ ایزی نہ ہوں تو پھر اعصاب میں کھنچاؤ آجاتا ہے۔ جس کا سب سے زیادہ اثر چہرے کے اعصاب پر پڑتا ہے۔ وہاں دوران خون بڑھ جاتا ہے۔ سرخی بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے میک اپ کی ترتیب اعصاب پرسکون ہوتے ہی غیر متوازن ہوجاتی ہے۔ لہٰذا میک اپ کے لئے پرسکون رہنا بنیادی شرط ہے۔ اور ویسے بھی ہمیں آپ بہتر کرنے کے لئے ہائر کرتے ہیں نا کہ مزید خراب کرنے کے لئے۔!'' وہ ہنسا۔

''آپ کوئی مشروب پسند کرتے ہیں تو وہ منگوالیں۔ اس دوران آپ کو شائد بھوک لگے۔ تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔!''

''تین چار گھنٹے۔؟'' میں نے گھبرا کے کہا۔''یہ تو بہت زیادہ وقت ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آدھے پونے گھنٹے کا کام ہے۔!''

''دو گھنٹے تو فیشل اور مساج کے لئے چاہئیں پھر اس کے بعد بھی تو ٹائم لگتا ہے۔!'' اس نے کہا۔''آپ نے دولہا کا ڈریس منگوایا ہے تو وہ بھی یہیں رکھ لیں تاکہ ہم آپ کو دولہا ہی بنا کر اس کمرے سے باہر نکالیں۔!'' ہالی نے کہا۔

''کیا کچھ وقت کم نہیں ہوسکتا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کوشش کریں گے۔!'' ہالی نے کہا۔''لیکن آپ کیوں پریشان ہورہے ہیں۔!''

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور ماموں جان اندر داخل ہوئے۔''ماشاءاللہ۔!'' انہوں نے ایک ہی نظر میں پھیلے ہوئے سامان کا جائزہ لے لیا۔''تو گویا ہار سنگھار کا بندوبست ہے۔!'' وہ ہنسے۔

''ماموں جان یہ اشعر کا کھڑاک ہے اس نے پھیلایا ہے۔!'' میں نے جلدی سے جواز پیش کیا۔

''چلو کوئی بات نہیں تم اطمینان سے تیار ہوجاؤ، آپا جان کہہ رہی ہیں کہ ارسل سے کہیں کوئی فکر نہ کرے۔!'' انہوں نے کہا۔''بکرے کو سجاؤ بناؤ۔!'' انہوں نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔ اور دروازہ بند کرکے چلے گئے۔

بالی نے کہا۔ ''آپ کے ماموں جان بڑے دلچسپ آدمی ہیں اور بہت کول مائنڈ۔!''

''یہ کیسے اندازہ لگایا آپ نے۔؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''انداز سے، کوئی گھبراہٹ، کوئی الجھن نہیں، ہر معاملے میں ریلکس رہنے کی عادت۔ ایسے لوگوں کا میک اپ بہت اچھا ہوتا ہے۔!'' اس نے کہا۔ مجھے ہنسی آگئی۔

''چلئے تو پھر کام شروع کریں۔!'' بالی نے کھیرے کا پیسٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور میں سرہلا کے کرسی پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

بارات تیار تھی۔ سب ہی آ چکے تھے۔ اشعر، طاہر، ماموں جان تمام لوگوں کو باقاعدگی سے دیکھ رہے تھے۔ میرے کلاس فیلو بھی موجود تھے، سجائی ہوئی گاڑی میں رابعہ اور پنکی بیٹھنے کو بے تاب تھیں۔ آخر خدا خدا کر کے یہ قافلہ روانہ ہوا، تقریباً ایک گھنٹے میں ہم لوگ گریژن کلب پہنچے۔ وہاں ملٹری دھن نے بارات کا استقبال کیا۔ اس کے بعد مہمانوں کو اندر لے جایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دلہن بھی آ گئی۔

سب لوگ ہی ہماری طرف متوجہ تھے۔ نکاح پہلے ہو جانے سے براہ راست سلامی، ملاقات مبارکباد کا مرحلہ ہال پہنچتے ہی شروع ہو گیا تھا۔

ہم دونوں مہمانوں کی کثرت کے باوجود ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ سب ہی ہماری جوڑی کو چاند سورج کی جوڑی گردان رہے تھے۔

مہوش بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ شائد اگر کوئی حور اس دنیا میں آئے تو اس جیسی ہی ہو، ایک تو وہ پہلے ہی بے حد خوبصورت تھی، اوپر سے اس کے دلہن کے روپ نے اس کو اور قیامت بنا دیا تھا۔ جو دیکھتا تھا حیران ہوتا تھا۔

''ماشاء اللہ۔ لگتا ہے کہ دونوں کو ہی اللہ میاں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔!'' کسی نے کہا۔

کوئی بولا۔ ''یوں لگتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے ہی بنے ہیں۔!''

اشعر بولا۔ ''آج تو تم دونوں نے میلہ لوٹ لیا۔!''

میں نے کچھ کہنا چاہا تو وہ بولا۔ ''خبردار زیادہ نہیں بولتے دولہا۔ منہ نہیں کھولتے دولہا۔!''

''کل بھی تو آئے گی۔؟'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''کل تک تو پرانا ہو چکا ہوگا۔!'' وہ ہنسا۔

مہوش بھی مسکرا دی۔

لوگ آتے رہے۔ ملتے رہے، لفافے سلامیاں اکٹھا ہوتی رہیں۔ امی بہت خوش تھیں۔ نصرت شرمین سب ہی بہت چہک رہی تھیں۔

لوگوں نے کھانے کے لئے اٹھنا شروع کر دیا تھا۔ تقریباً گھنٹے بھر میں سب کھانے سے فارغ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد چلنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ قرآن کے سائے اور آنسوؤں اور دعاؤں کی چھاؤں میں ہمیں رخصت کیا گیا۔ ممانی جان اور ماموں جان ہم سے تھوڑی دیر پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے تاکہ دلہن کے استقبال کے لئے گھر پر

موجود رہیں۔

ہم لوگ گھر پہنچے تو وہاں دودھ پلائی کی رسم کی تیاری مکمل تھی۔ قرآن مجید کے سائے میں دلہن کو اتارا گیا اور پھولوں کی برسات میں اندر لایا گیا۔ اس کے بعد دودھ پلائی کی رسم شروع ہوئی۔ جس میں سب نے دل بھر کر شرارتیں کیں۔ اس کے بعد دلہن کو اس کے کمرے میں لے جایا گیا۔

میں باہر ہی رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اشعر شاہانہ وغیرہ سب نے کہا چلیں دولہا میاں ہم آپ کو دروازے تک چھوڑ آئیں۔ سب مجھے لیکر دروازے پر پہنچے تو وہاں ساری لڑکیاں جمع تھیں۔

''دولہا میاں اندر جانے کا ٹکٹ ہوگا۔؟''

''کیسا ٹکٹ۔۔؟''

''ہماری مرضی کا نیگ دیجئے پھر جایئے دلہن دیکھئے۔!'' شرمین نے کہا۔

''بلکہ یہیں بیٹھئے ہمارے پاس اطمینان سے۔ کیا کریں گے جا کر، وہاں تو جانا ہی ہے۔!'' ایک کزن شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹھ جاتے ہیں۔!'' میں دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''لو بھئی یہ دولہا میاں تو بڑے کنجوس ہیں۔!'' کسی نے آواز کسی۔ ''ان سے کچھ نہیں ملنے کا۔!''

''تو ہمیں کون سی جلدی ہے۔!'' دوسری شوخ آواز نے کہا۔

''اے لڑکیوں تنگ مت کرو۔!'' ممانی جان کی آواز آئی۔

''لو ممانی جان آرہی ہیں۔!'' لڑکیوں میں اچانک ہلچل مچ گئی۔ ''جو لینا ہے لے لو، ورنہ کچھ نہ ملنے کا۔!'' کسی نے جلدی سے رائے دی۔

''چلئے دولہا میاں ہمارے نیگ دیجئے اور سدھاریئے اپنی دنیا میں۔!'' شاہدہ نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بغیر دیکھے وہ نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھے جو اشعر نے مجھے پکڑا دیئے تھے۔ اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

میں نے پیچھے مڑ کر دروازے کو لاک کیا، اور کمرے کو غور سے دیکھا۔ یہ وہ کمرہ تو نہیں تھا جس کو میں صبح چھوڑ کر گیا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی کمرہ تھا۔ پھولوں کا گلستان، پھولوں کا چمن، چھت، دیواریں، میز، بیڈ، غرض چاروں طرف پھول ہی پھول تھے۔ سرخ گلاب، کالے گلاب، اور ان میں ہارڈر بنائے گیندے کے پیلے پھول۔ سارا کمرہ مہک رہا تھا۔

کمرے میں براہ راست کوئی روشنی نہیں تھی۔ دیواروں کی سائیڈوں سے مخصوص اطراف میں سے روشنی نکل کر کمرے کو روشن کر رہی تھی۔ اور بیڈ پر بیٹھی دلہن پھولوں کی گٹھری بنی تھی۔

میں آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پاس آ بیٹھا۔ ''مہوش۔۔!'' میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

''ہونہہ۔۔!'' اس کی مدھم سے آواز آئی۔

''لگتا ہی نہیں ہے کہ ہم صرف چند ہفتے پہلے ہی ملے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حصول میں کامیاب ہو گئے

ہیں۔!''

وہ کچھ نہ بولی۔

میں بولتا رہا۔''مجھے اپنے جذبات کا صحیح قرینے سے اظہار نہیں آتا۔لیکن سچ پوچھو تو میں آج بے حد خوش ہوں، مسرور ہوں کہ جس لڑکی کو میں نے پہلی بار دیکھا۔جس کو دل نے محسوس کیا۔جس کو جذبات میں شامل کیا۔آج وہی میری زندگی کی ہم سفر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔!''

''جی۔۔!''

''تم بھی تو کچھ بولو۔!'' میں نے کہا۔''یا میں ہی بولتا رہوں۔؟''

''اچھا لگ رہا ہے آپ کو اس طرح بولتے ،سننا بھی، دیکھنا بھی۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت سے طلائی اور کانچ کی چوڑیوں کی ایک عجیب سی کھنکناہٹ فضا میں گونجی۔

''نہیں تم بھی کچھ کہو۔!'' میں نے اصرار کیا۔

''میں۔۔میں کیا بولوں۔؟'' وہ دھیمے سے بولی۔''آپ مجھے بھی ہر جگہ پائیں گے،اپنے ساتھ،اپنے پاس۔''

''شکریہ۔۔!'' میں نے کہا۔

محبت،ستارے،کہکشاں،روشنی،رنگ،جگنو،احساس،سپاس،نور،نکہت۔کیا نہیں تھا اس رات میں۔

خدا کس قدر مہربان،کس قدر کرم،کس قدر عطا کرنے والا ہے۔یہ ہم بندے نہیں سوچتے۔لیکن وہ منبع محبت ہے جو دلوں میں محبت کا بیج ڈالتا،کونپل اگاتا اور پھر تناور درخت بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ شکر گزاروں کے ساتھ ہے۔ محبت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔خدا کس قدر مہربان ہے۔

☆☆☆

پھر دعوتیں، پھر مری، اسلام آباد کی سیر، پھر ایک ہفتے دبئی کا ٹور، پتا ہی نہیں چلا کہ زندگی کے یہ بیس، پچیس دن کس طرح اور کس تیزی سے گزر گئے۔ دن عید، رات شب رات کا محاورہ سنا تو تھا لیکن سچ اب محسوس کیا۔

جب خوشیاں آپ کے اطراف رقصاں ہوں، بے فکری ہو، محبت، پیار کرنے والوں، خیال رکھنے والوں کا ساتھ ہو تو پھر یوں لگتا ہے کہ زندگی کا سب سے خوبصورت حصہ یہی ہے۔لیکن زندگی کو اعتدال پر تو آنا ہی ہوتا ہے۔

دبئی سے واپسی کے بعد دو تین دن آرام کے بعد میں نے سوچا کہ اب کام کی طرف دھیان دینا چاہئے۔ پلازہ کے متعلق دیکھوں، دیگر معاملات زندگی بھی ہیں۔امی اور نصرت سے ملاقات کس قدر مختصر ہو گئی ہے۔

میں صبح جلدی اٹھ گیا۔ فجر کی نماز کے بعد میں اپنے کمرے سے نکل آیا، اور نیچے کا رخ کیا۔امی فجر کی نماز کے بعد اپنا وظیفہ کر رہی تھیں۔

آہٹ سن کر انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مسکرا کے پھر وظیفے میں مشغول ہو گئیں۔تھوڑی دیر کے بعد وہ وظیفے سے فارغ ہوئیں اور میں نے سر آگے بڑھایا۔ انہوں نے پھونک ماری، دم کیا سر پہ ہاتھ پھیرا۔''بڑی جلدی اٹھ گئے۔؟'' انہوں نے پیار سے کہا۔

''میں نے نماز پڑھ کے نیچے دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہی تھیں تو نیچے آ گیا۔!'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا۔!'' وہ بولیں۔

اسی وقت نصرت نے کمرے سے جھانکا۔ دوپٹہ اس کے سر کے چاروں طرف لپٹا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی کمرے سے نماز پڑھ کر ہی نکلی تھی۔

میں نے اسے سلام کیا۔ وہ جواب دیکر بولی۔ ''راجہ بھیا چائے پیو گے۔۔لاؤں۔؟''

''کیوں نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

اکثر فجر کی نماز کے بعد ہم لوگ اکٹھا چائے پیتے تھے۔ برآمدے میں سرسراتی ہوئی ٹھنڈی ہوا میں چائے پینا بہت اچھا لگتا تھا۔

''میرا بیٹا خوش ہے نا۔؟'' امی نے پوچھا۔

''جی امی۔ یہ سب آپ کی دعائیں ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''اللہ کرے تم لوگ ہمیشہ خوش رہو، آباد رہو۔!'' انہوں نے دعا دی۔

''میں سوچ رہا ہوں آج پلازہ سائٹ پر جاؤں۔!'' میں نے امی سے مشورتاً پوچھا۔

''بالکل جاؤ۔!'' امی نے جواب دیا۔ ''بنیادوں کی کھدائی تو ہو چکی ہے۔ میں نے اس دوران دو تین چکر لگائے تھے۔ جمعے کے دن سے تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔ تمہاری واپسی کا انتظار تھا۔

''اچھا۔۔کام اتنا تیز کیا ہے اشعر نے۔!'' میں نے حیرت سے کہا۔

نصرت چائے لے آئی۔ اس کے ساتھ کچھ بسکٹ، کچھ بادام وغیرہ بھی تھے۔ ''اشعر بہت اچھا لڑکا ہے۔ بہت محنتی بہت خیال کرنے والا۔ تمہاری شادی میں اس نے محسوس ہی نہ ہونے دیا کہ ہمارا کوئی اور بھائی نہیں۔!'' نصرت نے چائے ہمیں تھماتے ہوئے کہا۔

''بیٹا۔زبان کے رشتے نبھانا۔ان کو قائم رکھنا بہت بڑی بات ہے۔ خون کے رشتے تو مجبوری بھی ہوتے ہیں۔ اگر آپ ختم کرنا بھی چاہو تو ختم نہیں ہو سکتے۔ لیکن زبان کے رشتے ہمہ وقت محبت اور توجہ کی آبیاری مانگتے ہیں۔!'' امی نے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ اس کو دنیا جہاں کے سکھ دے۔!''

مجھے بہت اچھا لگا کہ اشعر کی تعریف ہو رہی ہے۔ وہ میرا صرف دوست نہیں رازدار بھائی بھی تھا۔ ایسا بھائی، ایسا دوست کہ جس پر میں آنکھ بند کر کے بھروسہ کر سکتا تھا۔

ہم لوگ چائے پیتے رہے، باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں آٹھ بج گئے۔ دھوپ خاصی نکل آئی تھی۔ امی نے کہا۔ ''جاؤ جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو۔ پھر دلہن کے ساتھ تیار ہو کر نیچے آ جانا۔ سب ناشتا کریں گے اکٹھا۔!''

''جی امی۔۔!'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ امی بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نصرت چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

میں اوپر کمرے میں آ گیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور بند کر کے آہستہ سے بیڈ پر آ گیا۔ مہوش کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کی سیاہ خمدار پلکیں گہری آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ میں محویت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آ گئے آپ۔؟'' وہ آنکھیں بند کئے ہوئے بولی۔

''ارے تم جاگ رہی ہو تو آنکھیں کیوں بند ہیں۔؟'' میں نے ہنس کر پوچھا اور اس کے ماتھے کو چھوا۔ اس نے اسی طرح آنکھیں بند کئے جواب دیا۔

''کیا کروں آنکھیں کھول کر دیکھوں تو آپ نظر ہی نہیں آتے۔؟''

''میں تو یہیں ہوں۔ تمہارے سامنے۔ آنکھیں کھولو گی تو نظر آؤں گا۔!''

آنکھیں کھولیں تھیں۔ آپ نہیں تھے۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ تنہائی تھی۔ بالکنی سے نیچے جھانکا تو آپ امی اور نصرت سے باتیں کر رہے تھے۔ میں تو آپ کو دیکھنا چاہتی تھی مگر نظر ان پر پڑی۔!''

مہوش کا لہجہ کچھ اتنا عجیب تھا کہ میں حیران ہو گیا۔

''میں نماز پڑھ کر نیچے اترا تو امی وہیں تھیں۔ کئی دنوں کے بعد آج ہماری بات چیت ہوئی۔!'' میں نے بتایا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔!'' اس نے اچانک دوسری طرف کروٹ لی اور چپ ہو گئی۔ میں حیران ہو گیا مہوش کو یہ کیا ہوا۔ کیوں اس کا رویہ بدلا ہوا ہے۔؟

''کیا بات ہے آخر۔؟'' میں لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو سامنے لگی گھڑی میں گیارہ بج رہے تھے۔ ''ارے یہ کیا ہوا۔ گیارہ بج گئے۔!'' میں نے دوسری طرف دیکھا۔ مہوش کی جگہ خالی تھی۔ باتھ روم کے شاور سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

مجھے یاد آیا کہ امی نے کہا تھا کہ ناشتا اکٹھا کریں گے۔ میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی اور کہا۔

''مہوش تم جلدی سے فریش ہو کر نیچے آ جاؤ میں نیچے جا رہا ہوں۔!'' میں کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں نیچے اتر آیا۔

پنکی سامنے ہی کھیل رہی تھی۔ آج ہفتہ تھا۔ پنکی کی چھٹی تھی۔

''ماموں آ۔۔!'' وہ بانہیں پھیلا کر میری طرف دوڑی۔ میں نے لپک کر اسے اپنی گود میں بھر لیا۔

''ماموں۔۔ مامی کہاں۔؟'' اس نے پوچھا اور اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

''مامی بھی ابھی آ رہی ہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

میری آواز سن کر نصرت اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ''راجہ بھیا ناشتا لگاؤں۔؟''

''امی نے ناشتا کیا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔۔!'' نصرت نے بتایا۔ ''وہ تمہاری اور بھابھی جان کی منتظر ہیں کچھ کھایا نہیں ابھی۔!'' اس نے بتایا۔

''چلو جب تک چائے ہی پلا دو۔!''

''اچھا لاتی ہوں۔!'' نصرت نے کہا

''ماموں۔۔ ماموں چیز۔۔ باہر۔!'' پنکی نے کہا۔

''ابھی نہیں پنکی، پہلے ماموں ناشتا کریں گے پھر جانا۔!'' نصرت نے پنکی کی آواز سن لی تھی۔

نصرت چند منٹوں میں چائے لے آئی۔ اتنے میں امی بھی کمرے سے آ گئیں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں

نے ادھر ادھر دیکھا مگر کچھ نہیں بولیں۔ میں سمجھ گیا کہ امی مہوش کو دیکھ رہی ہیں۔

''وہ آرہی ہے ابھی۔!'' میں نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔!'' امی نے جواب دیا اور پنکی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

نصرت پراٹھے بنا رہی تھی ان کی خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ میں نے امی سے کہا۔''میرا خیال ہے کہ ایک کام والی رکھ لی جائے۔!''

''صفائی والی تو آتی ہے۔ اگر تمہاری مراد کھانا پکانے والی ہے تو نصرت ہمیشہ سے ہی منع کرتی ہے۔!'' امی نے کہا۔''اس کو کسی اور کے ہاتھ کا بنا کھانا ہی پسند نہیں آتا۔!''

''اور کیا بھیا۔!'' نصرت نے چائے کا کپ واپس لے جاتے ہوئے کہا۔''کھانا پکانے کا کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ آدھا کام تو امی نبٹا دیتی ہیں۔ بلکہ اب تو بھابھی جان آگئیں ہیں۔ ان کی فرمائش پورا کرنے میں مزہ آئے گا۔!'' وہ مسکرا کے چلی گئی۔

ناشتا تیار ہی تھا۔ میں دوبارہ اوپر آیا۔ مہوش ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی تھی۔ اس وقت وہ نکھری نکھری سادہ سادہ سی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

میں محویت سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں۔؟'' وہ آئینے میں مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا پا کے شرما گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کتنا مہربان ہے کہ اس نے تم جیسا پیارا جیون ساتھی دیا۔!''

''وہ تو ہماری امی نے آپ کو پسند کرلیا۔!'' وہ ہنسی۔''ورنہ پھر جناب کیا کرتے۔؟''

''قسمت میں ملنا تھا۔ کسی نہ کسی طور مل ہی جاتے۔!'' میں نے کہا۔

''بہت امید پرست ہیں آپ۔؟''

''امید ہی تو زندہ رہنے کی جستجو دیتی ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔''اچھا چھوڑو، چلو جلدی سے نیچے چلو، امی ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔!'' میں نے چونک کر کہا۔''تم تو ہر چیز بھلا دیتی ہو۔!''

''کہاں۔ امی کے پاس جانا کہاں بھولے آپ۔!'' وہ بولی۔

''کیا مطلب۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

☆☆☆

ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے

''میرا مطلب تھا کہ۔۔کہ۔۔!'' وہ اچانک بات بدل کے بولی۔''میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہم دونوں یہیں بیٹھ کر چائے پیتے، باتیں کرتے۔!''

''ٹھیک ہے ناشتا کر کے آجاتے ہیں۔ چائے یہیں پی لیں گے۔!'' میں نے کہا۔

''تو پھر نیچے ہی چلتے ہیں۔!'' اس نے برش بیڈ پر پھینکا، دوپٹہ اٹھایا۔ گلے میں ڈالا اور بولی۔''چلئے نیچے چلئے۔!''

''مہوش۔۔؟'' میں اس کے اچانک چراغ پا ہونے سے سخت پریشان ہو گیا۔''کیا ہوا تمہیں۔؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور نیچے اتر گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے نیچے اتر آیا۔

وہ امی کو سلام کر کے کچن میں چلی گئی جہاں نصرت چائے دم کر رہی تھی۔

''نصرت باجی چائے مل جائے گی ایک کپ۔!'' اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔؟'' نصرت نے ہنس کر کہا۔''آپ چلئے بھابھی جان میں ابھی بے کر آتی ہوں ناشتا بھی تیار ہے، آپ انڈے فرائی لیتی ہیں، ہاف بوائل یا پھر فل بوائل۔؟'' نصرت نے ساتھ ساتھ دریافت کیا۔

''میں تو بس صبح ایک کپ چائے یا ایک گلاس جوس ہی لیتی ہوں۔ باقی تو کچھ کھانے کی عادت ہی نہیں ہے۔!''

وہ وہیں ایک کچن چیئر پر بیٹھ گئی۔

''مجھے اچھا لگ رہا ہے بھابھی جان کہ آپ یہاں بیٹھی ہیں۔!'' نصرت نے کہا۔''ویسے سیب کا جوس موجود ہے۔ کنو بھی ہیں، مگر تھوڑے کھٹے ہیں اگر آپ کہیں تو ان کا جوس نکال دوں۔؟''

''نہیں رہنے دیں، بس سیب کا جوس ہی کافی ہے۔!'' مہوش نے کہا۔

''چلئے میں ڈائننگ روم میں ناشتا لگا رہی ہوں۔ امی بھی وہیں ہیں۔!'' نصرت نے کہا۔ مہوش اٹھ گئی اور ڈائننگ روم میں آگئی۔ امی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''دلہن کیسی ہو، کیا حال ہے۔؟'' امی نے خوش دلی سے پوچھا۔''کیسی لگی دوبئی کی سیر۔؟''

''دوبئی تو ہم لوگ تین چار بار ہو آئے تھے۔ پاپا بعض اوقات پاکستان آتے جاتے دوبئی اسٹاپ کرتے

ہیں۔!'' مہوش نے بتایا۔

''مامی۔۔۔مامی۔۔آئی۔۔لو۔۔!'' پنکی نے مہوش کا ہاتھ ہلایا۔

''شکریہ بیٹے۔۔!'' مہوش نے پنکی کی گال تھپتھپائے۔ پنکی نے اسے دیکھا۔ پھر وہ مزید کوئی حوصلہ افزائی نا پا کے میری طرف بڑھ آئی۔

''ماموں گود۔۔!'' اس نے کہا۔

''آجاؤ۔۔!'' میں نے کرسی پیچھے کھسکا کر اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

نصرت نے ناشتا لگا دیا۔

''شروع کرو بیٹا۔!'' امی نے کہا۔

''وہ امی دراصل میں نے کچن میں چائے پی لی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو یہ جوس میں اپنے کمرے میں جا کر پی لوں۔؟'' مہوش نے کہا۔

''لیکن ناشتا تو کرلو کچھ۔!'' میں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''کوئی بات نہیں، بیٹا آپ کمرے میں چلیں، نصرت جوس لیکر آتی ہے۔!''

''شکریہ امی۔۔!'' مہوش نے کہا اور اٹھ کر اوپری پورشن کی طرف چل دی۔ میں اس کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

مہوش کے اس طرح ناشتا چھوڑ کے چلے جانے پر ہم تینوں ہی حیران رہ گئے۔ لیکن میں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ شرمندہ بھی تھا۔ مہوش میری بیوی تھی۔ اور ابھی ہماری شادی کو بمشکل مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اتنے مختصر سے دنوں میں مہوش کا یہ رویہ نا صرف سمجھ سے بالاتر تھا۔ بلکہ ہم سب کے لئے ایک دھچکے کا باعث بھی تھا۔

''شائد بھابھی جان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔!'' نصرت نے ماحول کی سنجیدگی کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

''آں۔۔ہاں۔۔شائد یہی بات ہے۔!'' میں نے گڑبڑا کے جواب دیا۔ اور کنکھیوں سے امی کی طرف دیکھا۔ امی کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ اس وقت کیا سوچ رہی ہیں۔

''ارسل بیٹے تمہارا ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔!'' امی نے میری توجہ ناشتے کی طرف دلوائی۔ میں سر جھکا کے ناشتا کرنے لگا۔ نصرت پنکی کو ناشتا کرانے لگی۔ بظاہر سب یہی ظاہر کر رہے تھے کہ جیسے کوئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے گھر میں انہونی ہو چکی ہے۔

☆☆☆

میں سائٹ پر پہنچا تو اشعر وہاں موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ خوشی سے چہکا۔ ''لو بھئی دولہا میاں آ گئے۔!'' وہ اس وقت دو تین لوگوں سے نقشہ ایک بڑی سی میز پر پھیلائے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک دوسری ٹیبل پر آ گیا۔

''کیسے ہو۔؟'' میں نے اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی فون بھی نہیں کیا تم نے۔؟''

''تمہیں فون کر کے ڈسٹرب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سارا معاملہ تو بہت آسانی سے چل رہا ہے، بلاوجہ تمہا
ہنی مون پیریڈ میں مداخلت کرتا تو بھابھی میری کھنچائی کر دیتیں۔!'' اشعر نے ہنس کر مہوش کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے ہنس کر چاروں طرف دیکھا۔ ایک بڑے کنٹینر میں یہ موونگ آفس تھا۔ جس میں تین چار میزیں
ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ کام کر رہے تھے کچھ آجا رہے تھے۔ کھڑکی سے نظر آرہا تھا کہ کچھ لوگ اسٹیل کو مختلف طریقوں
موڑ کر بیم کی شکل میں لا رہے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو۔؟'' اشعر نے پوچھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ یہ کام بھی دلچسپ ہے۔ اس پلازہ سے فارغ ہو کر کیوں نا ہم دونوں ایک کنسٹرکشن
بنالیں۔ اور یہ کام کریں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اچھا خیال ہے۔ لیکن پہلے یہ تو مکمل کرلیں۔ لوگوں کو حق الیقین ہی نہیں، عین الیقین بھی درکار ہوتا ہے۔!'' وہ ہنسا۔

اتنے میں ایک ملازم نے چائے لا کر رکھ دی۔ ہم لوگوں نے چائے پیتے ہوئے مختلف معاملات پر گفتگو شروع
کر دی۔ باتوں باتوں میں دوپہر ہوگئی۔ نصرت کا فون آیا کہ گھر آجاؤ۔ کھانا تیار ہے۔ میں نے اشعر سے کہا کہ کھانا
کھالو گھر چل کر۔ مگر وہ بولا ابھی سیمنٹ آنے والا ہے اور دو تین مزید لوگ آئیں گے۔ اس لئے وہ نہیں چل سکے
گا۔ میں وہاں سے اٹھ آیا۔

گھر پہنچا تو امی اپنے کمرے میں تھیں۔ نصرت نے کہا۔ ''منہ ہاتھ دھولو، میں کھانا لگاتی ہوں۔!''

''مہوش نیچے آئی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں میں گئی تھی۔ بھابھی جان کے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔ میں نے تھوڑا دبایا ہے۔ اب تم کچھ نہ کہنے بیٹھ
جانا۔!'' نصرت نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''دھیمے دھیمے ہی ایک دوسرے سے گھلا ملا جاتا ہے۔!''

''اچھا۔۔!'' میں ایک گہری سانس لیکر بولا۔ اور مزید کوئی بات کئے بغیر اوپر آگیا۔ مہوش اپنے بیڈ پر لیٹی انگلش
میگ دیکھ رہی تھی۔

''کیا حال ہے۔ کیسی طبیعت ہے۔؟'' میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور میگ ہاتھ سے رکھ دیا۔ ''آپ مجھے بتائے بغیر چلے گئے تھے۔ مارے بوریت کے
میرے سر میں درد ہونے لگا۔!''

''میں نے سوچا تم آرام کر رہی ہوگی۔ اس لئے چلا گیا۔ اب سر درد کیسا ہے۔ نصرت نے بتایا تھا مجھے۔!'' میں
نے ہنس کر کہا۔

''اچھا تو بلیٹن جاری ہوگیا، ہماری صحت کا۔!'' وہ مسکرائی۔

''مہوش۔!'' مجھے اس کی بات اچھی نہیں لگی۔ ''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم اس گھر کی فرد بھی اور بہو بھی۔ اگر
تمہاری صحت خراب ہے تو تمہیں نصرت کی فکر کا اس طرح مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔!''

''اوہ سوری۔۔ آپ برا مان گئے۔۔!'' مہوش اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔!''

''مطلب کچھ بھی ہو۔لیکن ہمارے لفظ ہی ہماری سوچ کو ظاہر کرتے ہیں۔گھر میں فرد ہی کتنے ہیں۔اگر ہم اب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں تو یہ ہماری عادت بھی ہے اور تربیت بھی، اور شائد یہ عادت ایسی نہیں کہ جسے بدلنے کی کوشش کی جائے۔!''

''میں۔۔میں نے ایسا کیا کردیا جو آپ ناراض ہونے لگے۔!'' اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''میرا یہاں کون ہے آپ کے سوا، کیا میں اپنی کیفیت کا اظہار بھی نہیں کرسکتی۔؟''

''اچھا آنسو مت بہاؤ، ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے۔!'' میں نے انگلی کے پوروں سے اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو پونچھے۔''چلو منہ ہاتھ دھولو، نیچے کھانے پر سب ہمارا انتظار کررہے ہیں۔!'' میں نے نرمی سے کہا۔

''اچھا۔۔!'' وہ اٹھ گئی اور چند لمحوں میں پانی کے چھپاکے مار کے منہ خشک کر کے آگئی۔اس نے ڈریسنگ میں دیکھ کر بالوں کو برش کیا۔لپ اسٹک کو درست کیا اور بولی۔''چلئے۔آپ کیا کررہے ہیں۔؟''۔

''چلو۔۔!'' میں نے میگزین رکھ دیا۔ہم لوگ نیچے آگئے۔امی ٹی وی لاؤنج میں تھیں۔مہوش کچن میں چلی گئی۔ ذرا ہی دیر میں ان کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔پھر دونوں نے مل کر کھانا لگایا۔ہم لوگ کھانے کے لئے آگئے۔مہوش نے سب سے پہلے امی کے آگے پلیٹیں رکھیں۔

''بیٹا تم بیٹھو۔!'' امی نے ہاتھ پکڑ کے مہوش کو اپنے برابر والی کرسی پر بٹھالیا۔

کھانے کی خوشبو اشتہا بڑھا رہی تھی۔پلاؤ، قورمہ، شامی کباب، چکن کڑھائی، نصرت نے خاصا اہتمام کیا ہوا تھا۔کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔کھانے کے دوران مہوش نے کہا۔''امی اگر آپ اجازت دیں تو میں شام کو تھوڑی دیر کے لئے امی کے ہاں چلی جاؤں۔؟''

''بالکل۔۔!'' امی نے جواب دیا۔''بیٹا ضرور جاؤ، ذرا دل بہل جائے گا۔بلکہ امی کو مدعو بھی کرلو۔کئی دن ہو گئے ہیں ان سے ملاقات ہوئے۔''

''جی میں کہہ دونگی۔!'' مہوش نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد ہم لوگ اوپر آگئے۔میں نے کھانا پیٹ بھر کے کھایا تھا۔مجھے نیند آنے لگی۔میں نے کہا۔ ''مہوش میں تھوڑی دیر سولوں پھر چلتے ہیں۔!''

''کہاں۔۔؟'' مہوش نے پوچھا۔

''تمہاری امی کے گھر تم ہی تو کہہ رہی تھی۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ بھی چلیں گے۔؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔''میں تو امی کے پاس جارہی ہوں۔تھوڑی دیر میں آجاؤں گی ذرا سی گپ شپ کرنے۔!''

''بھئی وہ تو تمہاری امی ہیں میری بھی تو ساس ہیں۔!'' میں نے کہا۔''تھوڑی سلام دعا حال احوال معلوم ہوجائے گا۔!''

''اچھا۔۔!'' وہ نیم دل سے بولی۔''آپ کی نیند خراب ہوگی۔ میں چلی جاتی ہوں شام کو آجاؤنگی۔!''

''امی تمہارا اکیلے جانا پسند نہیں کریں گی شائد۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔ شام کو مجھے بھی کچھ کام ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔!'' وہ خوش ہوگئی۔

مجھے بہت عجیب سا لگا۔لڑکیاں تو شوہر کو میکے لیجانے کے سو سو جتن کرتی ہیں۔مگر شائد مہوش کو میرا گھر جانا پسند نہیں تھا۔

میں سوچنے لگا۔اور پھر سوچتے سوچتے نیند آ گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔میں نے سائڈ لیمپ آن کیا۔شام کے سات بج رہے تھے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کمرے میں کوئی نہیں تھا۔مہوش کہاں چلی گئی۔؟ میں نے سوچا۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہیں وہ اکیلے ہی تو نہیں چلی گئی اپنی امی کے گھر۔؟

میں نے فون اٹھا کر مہوش کے نمبر پنچ کیے۔''ہیلو تم کہاں ہو۔؟'' میں نے سلسلہ ملتے ہی سوال کیا۔

''میں یہاں ہوں، امی کے پاس۔!'' اس نے جواب دیا۔''آپ اٹھ گئے۔؟''

''تم اکیلی ہی چلی گئیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ سو رہے تھے۔ میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ ویسے بھی مجھے ڈرائیونگ آتی ہے۔!'' اس نے ہنس کر جواب دیا۔''اب شہر کے حالات اتنے بھی برے نہیں ہیں کہ کوئی عورت ڈرائیو نہ کر سکے۔!''

''لیکن۔۔!'' میں نے کہنا شروع کیا۔

''ارسل۔۔!'' وہ اچانک میری بات کاٹ کر بولی۔''کیوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر موڈ خراب کرتے ہیں اپنا بھی اور میرا بھی۔ کیا فرد کی آزادی کی کوئی اہمیت نہیں؟ کیا میں اپنی مرضی سے اپنی امی کے گھر بھی نہیں آسکتی؟ میں نے تو آپ کے سامنے ہی آپکی امی سے اجازت لے لی تھی۔!'' اس نے مزید کہا۔''کیوں آپ نے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو بنانا شروع کر دیا ہے۔؟''

میں چپ ہوگیا۔

''اللہ حافظ۔!'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا اور فون بند کر دیا۔

''جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب کڑھنے سے کیا حاصل۔!'' میں نے خود کو سمجھایا۔ مجھے پرسکون رہنا چاہئے۔ اور حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔لیکن اس کے لئے وقت اور مہوش کے تعاون کی ضرورت ہے۔

مجھے شدت سے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔لیکن میں شرمندگی کی وجہ سے نیچے نہیں جا رہا تھا۔مبادا امی یا نصرت پوچھیں کہ مہوش کیسے گئی ہے تو میں کیا جواب دوں گا؟۔

میں ان ہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔اور نصرت اندر آ گئی اس کے ہاتھ میں چائے تھی۔ مجھے بے ساختہ نصرت پر پیار آ گیا۔

''اس وقت چائے کی بڑی طلب ہورہی تھی۔!'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ نصرت نے مجھے چائے کا کپ تھمایا۔اور بڑی لائٹ روشن کردی۔

''کیا بات ہے بڑی چپ، چپ سی ہو۔؟'' میں نے چائے کا ایک گھونٹ لیکر پوچھا۔

''نہیں کوئی خاص بات نہیں۔!'' نصرت نے کہا۔

امی کیا کررہی ہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''امی نماز مغرب کے بعد لیٹ گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ میرے جوڑوں میں پھر سے درد ہونے لگا ہے۔تھوڑا سا لیٹ جاؤں، میں نے دوا بھی دیدی ہے اور تھوڑی سی مالش بھی کردی ہے۔!'' نصرت نے بتایا۔

''اچھا۔۔!'' میں نے کہا اور چائے پینے لگا۔ کمرے میں تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی ہم دونوں ہی بات کہنے سے ڈر رہے تھے۔بعض اوقات ہم اپنے ہی آپ سے ڈرنے لگتے ہیں۔ کچھ رشتوں میں جواب دہی کا احساس بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

''بھیا۔۔!'' نصرت نے کہا۔''اگر تم برا نہ مانو اور اسے اپنے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ سمجھو تو ایک بات کہوں۔؟''

''کہو۔!'' میں نے خالی کپ ایک طرف رکھ دیا۔

''شادی کے ابتدائی دنوں میں ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے میں تھوڑی دشواری ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن کو اگر ضد اور انا کا مسئلہ بنالیا جائے تو پھر گزارا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو حاکم بنایا ہے پھر حاکم کا دل اور ظرف دونوں بڑے ہونا چاہئیں۔ وہ مسکرائی اور میری طرف غور سے دیکھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور نصرت کی طرف دیکھ کر بولا۔''کہیں ہم سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی۔؟''

''کیا مطلب۔۔؟'' نصرت نے بہت تیزی سے پوچھا۔

''یہی کہ ہم نے شائد مہوش کے مزاج کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔؟''

''کیوں اس کے مزاج کو کیا ہوا۔؟'' نصرت نے کہا۔''کتنا نرم لہجہ ہوتا ہے اس کا، ابھی بھی امی کی اجازت سے گئی ہے۔ مجھ سے کہہ گئی ہے کہ تم تھکے ہو۔ اس لئے اس نے اٹھانا مناسب نہیں سمجھا، ویسے بھی وہ یوکے میں ڈرائیونگ کرتی رہی ہے۔ گاڑی چلانا اس کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔!''

میں نصرت کو دیکھ کر رہ گیا۔شائد بعض چیزوں کو، اور خصوصاً میاں بیوی کے رشتوں کے درمیانی معاملات کو کوئی دوسرا سمجھ ہی نہیں سکتا۔

''تم سمجھ رہے ہو کہ میں اس کی طرف داری کررہی ہوں۔ مگر صرف یہی بات نہیں۔ شادی ہوتے ہی تم لوگ گھومنے پھرنے نکل گئے، پھر ابھی واپس آئے ہوئے دن ہی چند ہوئے ہیں۔ ایسے میں گھر والوں سے مناسبت ہونے میں وقت تو لگتا ہے۔ وقتی طور پر ملنا اور ہوتا ہے اور بہو کی حیثیت سے ساتھ رہنا، ملنا، ایک دوسرے کو برتنا بہت مختلف ہوتا ہے۔!'' نصرت نے آہستہ آہستہ مجھے سمجھایا۔

میں نے نصرت کو غور سے دیکھا۔ اس کی گفتگو کا انداز تمام تر امی کا تھا۔ مجھے لگا کہ مجھ سے نصرت نہیں امی باتیں کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں اپنی ماں کی تصویر پر کیوں بن جاتی ہیں۔؟ دفعتاً میری دل میں خیال آیا۔

نصرت نے پوچھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو بھیا۔؟''

''بتاؤں۔۔!'' میں نے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے کہا۔ ''اس وقت تمہاری گفتگو کا انداز بالکل امی جیسا ہے، نرم، دھیما، دلیل آمیز۔ میرے دل میں خیال آیا کہ لڑکیاں اپنی ماں کی اتنی مکمل تصویر کیسے بن جاتی ہیں۔؟''

''پتا نہیں۔!'' نصرت نے کہا۔ ''لیکن لڑکیاں ہمیشہ سے ہی اپنے والدین خصوصاً ماں کو کاپی کرتی ہیں۔ لڑکی اور ماں کے رشتے کو اگر ماں میری سہیلی سے تعبیر کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اور بھیا جی۔۔!'' نصرت نے کہا۔ ''اگر لڑکیاں ماؤں کی تصویر نا بنیں تو خاندانی روایات، تہذیب وتمدن کی امانت کیسے آگے بڑھے گی۔؟ اسی لئے سیانے کہتے ہیں کہ لڑکی ہی نہیں لڑکی کی ماں کو دیکھو۔!''

مجھے بہت پیار آیا نصرت پر۔ اور اپنی بہن پر فخر محسوس ہوا۔ تب میں نے سوچا۔ فخر کے لئے، بلندی کے لئے ضروری نہیں کہ میڈل لئے جائیں۔ ایوارڈز لئے جائیں۔ بلکہ یہ بھی تو ہے کہ تہذیب اور ثقافت کے یہ سفیر کتنی خاموشی اور کتنی محنت، لگن سے اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہتے ہیں اور ہم معاشرے کے ان خاموش عناصر کو دیکھتے ہیں۔ ملتے ہیں۔ ان کے اردگرد رہتے ہیں، مگر ان کو کھل کے تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

''کیا ہوا ہے۔؟ اچانک کہاں گم ہو جاتے ہو۔؟'' نصرت نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔

''کہیں نہیں۔ سوچتا ہوں کہ میری بہن کتنی اچھی، کتنی پیاری ہے۔؟'' میں نے کہا۔

''اچھا تیار ہو جاؤ۔!'' اس نے کہا۔ ''رات ہو رہی ہے جا کر بھابھی جان کو لے آؤ۔!''

''اچھا۔۔!'' میں نے کہا۔

اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی۔ ''میں دیکھتی ہوں۔!'' نصرت نے کہا اور چائے کا کپ لیکر تیزی سے نیچے چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں نیچے سے سلام دعا کی آوازیں آنے لگیں اور ساتھ ہی پنکی کی خوشی ومسرت سے چلانے کی آوازیں۔ شائد نیچے مہمان آئے ہیں میں نے چپل پہن کر نیچے کا رخ کیا۔ ماموں جان، ممانی جان وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔

''ماموں سلام کا جواب دیتے ہوئے بولے۔ ''کیوں دولہا میاں قید ہو گئے نا۔ بڑا ہم سے پوچھا کرتے تھے کہ ماموں جان روز کیوں نہیں آتے۔؟'' وہ ہنسے۔

''جی۔۔!'' مجھے ہنسی آ گئی، ماموں جان میری بچپن کی باتوں کو بھی کتنی جزئیات کیساتھ یاد رکھے ہوئے تھے۔

''بس ماموں جان یہ سب آپ ہی لوگوں کا کیا دھرا ہے۔؟'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''آیئے کمرے میں چلیں امی کے جوڑوں میں درد ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہی لیٹی ہیں۔!'' میں نے کہا۔

رابعہ اور نیلوفر اسی وقت پنکی کو لئے اندر آئیں۔ ''بھابھی جان کہاں ہیں ارسل بھائی۔؟'' نیلوفر نے پوچھا۔

''وہ ذرا اپنی امی سے ملنے گئی ہیں۔!'' میں نے کہا۔''اور بقایا جات کہاں ہیں۔؟''

''اچھا۔!'' نیلوفر ہنسی۔''دوسروں کو پوچھنے کا انداز خوب ہے۔ رامین آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لئے وہ اور شرمین آپی گھر پر ہی رک گئیں ہمارا دل آپ لوگوں سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔ اس لئے ہم آ گئے۔!''

''ضرور آؤ۔!'' میں نے کہا۔''تمہارا ہی گھر ہے۔!''

''بھابھی جان کب آئیں گی۔؟'' رابعہ نے پوچھا۔

''فون آ جائے تو پھر لینے کے لئے جاؤں گا۔!'' میں نے انہیں بتایا۔

ممانی جان نے کہا۔''آپا جان دراصل ہم دعوت دینے آئے تھے کہ آپ لوگ ہمارے ہاں آئیے۔ ہماری بہو بیگم کیا سوچیں گی کہ ابھی تک ان کو سسرال میں دعوت ہی نہیں ملی۔!''

''اس تکلف کی کیا ضرورت ممانی جان آپ جب کہیں گی ہم لوگ آ جائیں گے۔!'' میں نے کہا۔

''نہیں بیٹا۔ پہلی بار بہو کو بڑے اہتمام سے بلایا جاتا ہے۔ اس کو گود بھرائی کی جاتی ہے۔ ان رسموں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آنیوالی کو یہ اندازہ ہو کہ صرف اس کا سسرال ہی نہیں، تمام سسرالی رشتے دار اس سے محبت اور اپنائیت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اور اس کو اہمیت دیتے ہیں۔!'' ممانی جان نے کہا۔''یہ تو ہماری روایات ہیں۔!''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی جان۔۔ ارسل۔!'' امی نے کہا۔''مگر شائد آج کل کی تیز رفتار زندگی میں رسم و رواج کی، تعلق کی اہمیت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر یہی عالم رہا تو ہم دس بیس برس کے بعد صرف ایک کھوکھلی قوم رہ جائیں گے، جو ترقی کے اعتبار سے تو شائد عروج پر ہو، مگر فکر کے اعتبار سے خالی۔!''

باتیں بہت دلچسپ ہو رہی تھیں۔ نصرت اور نیلوفر اتنی دیر میں چائے لے آئیں۔''ماموں جان کھانا کھا کے جایئے گا۔ میں نے قیمہ بھرے کریلے پکائے ہیں۔!'' نصرت نے ماموں جان کو خصوصی طور پر مخاطب کیا۔ ماموں جان کو قیمہ بھرے کریلے بہت پسند تھے۔

''اچھا بھئی تم تو ہماری کمزوری بتا کر کھانے کے لئے روک رہی ہو، چلو ہم رک جاتے ہیں۔!'' ماموں جان نے خوش دلی سے کہا۔

اسی وقت میرے فون پر بیل ہوئی۔ میں نے دیکھا اسکرین پر مہوش کا نمبر تھا۔ میں نے باہر آ کر فون ریسیو کیا۔

''ہیلو اسلام علیکم۔!''۔ میں نے کہا۔''بس میں آ ہی رہا ہوں تمہیں لینے کیلئے۔!'' میں اس کے بولنے سے پہلے ہی کہنے لگا۔

''وہ دراصل مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔!'' مہوش نے آہستگی سے کہا۔

''ہاں کہو۔۔!'' میں نے جواب دیا۔''کیا بات ہے۔؟''

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آج یہیں رک جاؤں۔ دراصل امی کے ایک فرینڈ کے گھر فنکشن ہے۔ وہاں جانا ہے میں نے سوچا کہ آپ سے اجازت لے لوں صبح آ جاؤں گی۔!''

''اچھا۔!'' میں نے جواب دیا۔''ٹھیک ہے تم رک جاؤ۔!'' میں نے کہا۔ اس نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

میں چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر اندر آ گیا۔

میں جیسے ہی اندر آیا۔ امی نے کہا۔ ''بیٹا ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں جا کر دلہن کو لے آؤ۔!''

میں نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر کہا۔ ''امی ابھی مہوش کا ہی فون تھا وہ فرخندہ آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ پوچھ رہی ہے کہ اگر امی کی اجازت ہو تو میں یہاں آج رات رک جاؤں۔؟''

''ضرور۔۔ضرور!'' امی نے بلا تامل کہا۔ ''بلکہ میری طرف سے بھی فرخندہ کو پوچھ لینا۔!''

''ماشاء اللہ کتنی سعادت مند ہے۔'' ممانی جان نے خوشی سے کہا۔ ''آج کل ایسی بہوئیں جو اتنی تابعدار ہوں، قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔!''

''بھابھی جان اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے اتنی تابعدار اولاد عطا فرمائی۔!'' امی جان مسکرائیں۔

ان ہی باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا اور ماموں جان اتوار کی دعوت پر آنے کا وعدہ لیکر رخصت ہو گئے۔

☆☆☆

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

قسمت میں تڑپ کر، جل کر مرنا لکھا ہوتا ہے

کمرے میں، میں تھا، تنہائی تھی۔ مہوش نہیں تھی مگر اس کے وجود کی خوشبو تھی۔ وہ مجھے یاد آنے لگی۔ چند ہی دنوں میں مجھے اس کی عادت پڑ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے محبت ہوئی تھی۔ اور وہ بھی اپنی بیوی سے جس کو میں نے اپنی روح کی گہرائیوں سے پیار کیا، مگر مجھے کبھی کبھی یوں لگتا تھا کہ جیسے مہوش کے اندر شدتوں کی کمی ہے۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایک بار اس نے کہا تھا کہ وہ بہت شدت پسند ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بعض اوقات اس کا رویہ سرد ہو جاتا ہے۔ میں پوچھوں گا اس سے۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں میاں بیوی کے رشتے کو ہر قسم کے شک کے گرد و غبار سے محفوظ رہنا چاہئے۔

شائد وہ بہت طویل عرصے ہمارے معاشرے سے دور رہی ہے۔ اس لئے اسے ان رسومات، تعلقات، معاملات کی نزاکت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں سوچتا رہا اور سوچتے سوچتے نجانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

☆☆☆

وہ آ گئی۔ بے پناہ اداس، بے پناہ غمگین، بہت عرصے بعد دیکھا تھا میں نے اس کو۔

''یہ کیا ہوا تمہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔ ''تم دور، بہت دور ہو گئے ہو۔!''

''تم آتی ہی نہیں ہو۔!'' میں نے کہا۔ ''سارے گلے شکوے بھی مجھ ہی سے ہیں۔!''

''محبت، وفا، جلنا، پگھلنا، شمع کی قسمت میں ہے۔!'' وہ بولی۔

''مگر یہاں شمع کا کیا ذکر۔؟'' میں نے پوچھا اور اس کو غور سے دیکھا۔ اس کی رنگت پھیکی، ہونٹ خشک، نظر میں ویرانی اور انداز میں مردنی سی تھی۔

''عورت بھی تو شمع ہی طرح ہوتی ہے۔ جلتی، پگھلتی رہتی ہے اور اُف نہیں کرتی۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔

''ایسا مت کہو۔ مرد بھی تو پروانہ وار، دیوانہ وار، اس روشنی پر نثار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کی قسمت میں تڑپ کر، جل کر مرنا لکھا ہوتا ہے۔!'

''یہی تو فرق ہے۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔

''مرد تو ایک بار بھڑکتا ہے اور جل مرتا ہے۔ مگر عورت تو دھیمے دھیمے سلگتی ہے۔ دل ہی دل میں جذبوں کی تپش سے اندر سارا جھلس جاتا ہے۔ اتنے جلے ہوئے جھلسے ہوئے بدن اور روح کے ساتھ زندگی گزارنا کس قدر ناممکن سا ہے۔!''

''آج بہت دکھی ہو۔؟''

''یہی شائد مقسوم ہے۔!'' وہ بولی۔ ''تم سے ملنے کو جی چاہا تو چلی آئی۔ تمہیں کون سا میرا انتظار رہتا ہے۔!'' وہ دھیمے سے بولی۔

میں کچھ نہ بولا۔ وہ چپ چاپ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ میری نگاہوں سے معدوم ہوگئی۔

☆☆☆

میری آنکھ کھلی تو نو بج رہے تھے۔ میں واش روم گیا فریش ہو کر نیچے آیا تو امی میری منتظر تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔ ''بیٹا ناشتا کرلو، پھر ذرا یہ چیک تو اشعر کو پہنچا آؤ۔ آج اس نے کچھ پے منٹس کرنی ہیں۔ اور یہ دو چیک بنک میں جمع کروا دینا۔!'' امی نے مجھے ایک لفافہ پکڑایا۔

''یہ کیسے چیک ہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اشعر نے پلازہ کے سلسلے میں ایک تجویز دی تھی کہ اگر ایک فلور پر کسی معروف فوڈ چین کا ریسٹورنٹ کھول لیا جائے یا پھر کوئی بنک کی برانچ کھل جائے تو ان سے بڑی اچھی، کئی برسوں کی ڈیل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اچھی خاصی رقم بھی دے دیتے ہیں۔ اشعر نے اپنے سسر شمشیر جنگ کے ذریعے ایک بنک کی برانچ اور ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کا بندوبست کرلیا ہے۔ مجھے کہا کہ فی الحال ارسل کو نہ بتایئے گا اس کے لئے سرپرائز ہوگا۔!''

''واقعی یہ تو میرے لئے سرپرائز ہے۔!'' میں نے کہا۔ ''اس سے نا صرف یہ کہ لوگوں کی آمد و رفت بڑھ جائے گی، بلکہ ہم جو پیسے لگا رہے ہیں اس میں سے بھی مدد ہو جائے گی۔!''

''یہی اشعر نے کہا تھا۔!'' امی نے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے، اس نے بھائی کی کمی پوری کردی۔!''

''اچھا میں چلتا ہوں۔!'' میں نے کہا۔

''ارے بھیا ناشتا تو کرلو۔!'' نصرت نے کہا۔

''ناشتے کو جی نہیں چاہ رہا۔ بس ایک کپ اچھی سی چائے پلادو۔!'' میں وہیں امی کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں نصرت چائے لے آئی۔ میں چائے پی کر چلنے لگا تو امی نے کہا۔ ''کاموں سے فارغ ہو کر دلہن کی طرف چلے جانا۔ فرخندہ کی مزاج پرسی بھی کرلینا، اور دلہن کو بھی لیتے آنا۔!''

''جی بہتر۔۔!'' میں نے کہا اور سلام کر کے باہر نکل آیا۔ میں نے گیراج سے گاڑی باہر نکالی اور پلازہ سائٹ کا رخ کیا۔ اشعر ابھی نہیں آیا تھا۔ سائٹ سپروائزر نے بتایا کہ وہ کسی کے پاس میٹنگ کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے اشعر کے لئے بنا چیک اس کے سپرد کیا۔ اور بنک چلا گیا۔ اپنے اکاؤنٹ میں چیک جمع کروا کے میں نے گاڑی میں بیٹھ کر مہوش کو فون کیا۔

اس نے فوراً ہی فون ریسو کرلیا۔ ''اسلام علیکم! اب فون کر رہے ہیں۔ کب سے انتظار کر رہی ہوں۔!'' اس نے شکوہ کیا۔

''انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ فون خود کرلیتیں۔!'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اچھا لگ رہا تھا انتظار کرنا۔!'' وہ ہنسی۔ ''کہاں ہیں آپ گھر سے باہر۔؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے سوچا کہ تمہیں لینے آجاؤں۔!'' میں نے کہا۔

''تو آجایئے کس نے روکا ہے۔!'' وہ مسکرائی۔ ''دوپہر کا کھانا یہیں کھایئے گا۔ ویسے بھی ساڑھے بارہ تو ہو رہے ہیں۔!'' وہ بولی۔

''اچھی بات ہے۔!'' میں نے کہا اور فون بند کر کے گاڑی کا رخ مرکزی سڑک کی طرف کر دیا۔

میں مہوش کے گھر پہنچا تو آنٹی فرخندہ اور مہوش نے بڑے پرجوش انداز میں استقبال کیا۔ کھانا تیار ہی تھا۔ ہم لوگ فوراً ہی کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران خوشگوار باتیں چلتی رہیں میں نے انہیں بتایا کہ رات میں ماموں اور ممانی جان آئے تھے ہمیں مدعو کرنے، اور انہوں نے آپ کو بھی مدعو کیا ہے۔

''یہ تو بہت اچھا ہے۔ میں ضرور جاؤں گی تو صیف کے گھر۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے وہ گلی، وہ محلہ دیکھے ہوئے۔ جہاں ہم لوگ پلے بڑھے، جوان ہوئے۔'' فرخندہ آنٹی کے لہجے میں ماضی کی خوشبو تھی۔ جب تن من سے، روح سے بندہ اپنی یادوں سے جڑے تو کیسی دلکش سی مہک آس پاس پھیلنے لگتی ہے۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر، گپ شپ کرتے ہوئے تقریباً تین بج گئے۔ میں نے فرخندہ آنٹی سے اجازت لی، اور گاڑی میں آبیٹھے۔ میں نے بڑی خوبصورت سی غزل لگائی۔

جب سے وہ جلوہ نما ہونے لگے
اہل دل نغمہ سرا ہونے لگے
اے خدائے ذوالجلال اب خیر ہو
تیرے بندے بھی خدا ہونے لگے
حسن کی بے اعتنائی دیکھ کر
با وفا بھی بے وفا ہونے لگے

''بہت ہی اچھا انداز ہے گلے شکوے کا۔!'' مہوش مسکرائی۔

''خدا کا شکر ہے کہ تمہیں سمجھ تو آئی۔!'' میں نے کہا۔ ''کچھ باتیں کہنے کی نہیں، محسوس کرنے کی ہوتی ہیں۔ دل سے، روح سے، جذبے سے۔!''

''محبت میں، حسن ہی یہی ہے کہ بار بار۔۔۔ بار بار کہا جائے۔ اپنی شدتوں کا احساس دلایا جائے۔!'' وہ بولی اور ہنس دی۔

باتوں باتوں میں گھر آگیا۔ ہم بے حد خوشگوار موڈ میں گھر میں داخل ہوئے۔ امی سامنے ہی بیٹھی تھیں۔ مہوش

نے انہیں سلام کیا۔ امی نے سر پر ہاتھ پھیر کے بہت پیار سے دعا دی اور بڑی محبت سے پوچھا۔ ''دلہن فرخندہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ رات تو خراب تھی۔؟''

''امی تو بالکل ٹھیک ہیں۔۔انہیں کیا ہوا۔؟'' مہوش نے حیرت سے پوچھا اور کہا۔ ''بلکہ ہم تو رات ایک فنکشن میں تھے۔!''

امی نے بڑی حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں ان سے نظریں نہ ملا سکا۔ مارے شرمندگی کے مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

☆☆☆

''ارے بھیا۔ ذرا بات سننا۔۔!'' نصرت نے مجھے پیچھے سے آواز دی۔ ''ذرا یہاں تو آؤ۔!'' غالباً وہ کچن کی طرف جا رہی تھی۔

''کیا ہوا۔؟'' میں کہتا ہوا کچن میں داخل ہو گیا۔ اس وقت نصرت کی آواز میرے لئے کسی غیبی امداد سے کم نہیں تھی۔

''کچھ نہیں۔ دراصل میں نے دیکھا کہ تم سے کوئی بات نہیں بن رہی ہے، تو میں نے تمہیں ادھر بلا لیا۔ مگر بات کیا ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔ ''تم تو کہہ رہے تھے کہ فرخندہ آنٹی کی طبیعت خراب ہے۔ اور وہ کہہ رہی ہیں کہ وہ رات کسی تقریب میں تھیں دونوں۔؟'' نصرت کے انداز میں بے حد الجھن تھی۔

''سچ پوچھو تو میں اپنے آپ کو چور محسوس کر رہا ہوں۔ خیر بعد میں بتاتا ہوں۔!'' میں نے آہستہ سے کہا۔ اور نصرت کو حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ امی باہر نہیں تھیں۔ غالباً اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ مہوش بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی اپنے کمرے میں جا چکی ہے۔ میں آہستگی سے اوپر آ گیا۔ مہوش کا پرس اور دوپٹہ بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ بیسن سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ شائد وہ منہ دھو رہی تھی۔ میں بے دم سا بیڈ پر لیٹ گیا۔

آج پہلی بار مجھے امی کے سامنے اپنے جھوٹ پر شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ کیا تھا اگر مہوش کوئی بات بنا دیتی۔ میرے دل نے کہا۔ لیکن اس کو میں نے کچھ بتایا ہی کہاں تھا۔؟ اگر راستے میں، میں اس کو بتا دیتا تو حقیقتاً بات کو سنبھال لیتی۔ بہت ساری سوچیں مجھے چاروں طرف سے گھیر رہی تھیں۔ جب سے شادی ہوئی تھی اور خصوصاً ہنی مون سے واپسی کے بعد یوں لگتا تھا کہ جیسے کر کچھ رہے ہیں اور ہو کچھ رہا ہے۔ کیوں اچانک ہی باتیں اپنا رخ تبدیل کر لیتی ہیں۔ کیوں واقعات انجانا زاویہ اختیار کر لیتے ہیں۔

''کیا بات ہے کہاں گم ہیں۔؟'' مہوش نے میرے برابر بیٹھتے ہوئے کہا ''آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔؟''

''نہیں کوئی خاص بات نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں کوئی بات تو ضرور ہے، ورنہ اس خوبصورت چہرے پر فکر کی پرچھائیاں نہ ہوتیں۔!'' اس نے ہلکے سے میرے گال پر چٹکی لی۔

''یار۔۔!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''کبھی کبھی تم اتنی اچھی، اتنی پیاری، اتنی خیال کرنے والی ہو جاتی ہو کہ جی

چاہتا ہے کہ تم پر مرجاؤں۔!''

''اللہ نہ کرے۔!'' وہ بے ساختہ بولی۔''مریں آپ کے دشمن۔!''

''دشمن مرے تو خوشی نہ کریے، سجناں وی مرجاناں اے۔!'' میں نے کہا۔

مہوش ہنسنے لگی۔''مجھے اُردو اتنی اچھی نہیں آتی تو پنجابی کیا آئے گی۔اس کا مطلب بتادیجئے۔''

''بابا بلھے شاہ پنجابی کے کلاسیکل شاعر ہیں۔ بڑے پتے کی بات کہتے ہیں کہ دشمن بھی اگر مرجائے تو خوشی کا اظہار نہ کرو۔اس لئے کہ موت ایک ایسی چیز ہے کہ دشمن کے ساتھ ساتھ محبوب پر بھی آتی ہے۔ جو دکھ دشمن اور محبوب پر یکساں گزرے اس کو منانے سے کیا حاصل۔؟''

''کتنی بڑی بات ہے اور کتنی اہم حقیقت کی طرف اشارہ۔!'' مہوش نے کہا۔''لیکن اصل بات تو درمیان میں ہی رہ گئی کہ آپ پریشان کیوں ہیں۔؟''

''اصل میں کل تمہارا فون آیا تھا۔اس وقت ماموں جان اور ممانی جان دونوں ہی موجود تھے۔اور ان کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ تم اکیلی گئی ہو اور پھر رات وہیں رکنے کا اچانک ارادہ کرلیا ہے۔اس لئے میں نے بہانہ بنادیا کہ آنٹی کی طبیعت اچھی نہیں، اس لئے تم رک رہی ہو۔ کیونکہ تم کو ایک تقریب میں جانا تھا اور اصولاً تقریب میں میاں بیوی دونوں ہی مدعو ہوتے ہیں اس لئے میں نے بات بنادی تھی۔!''

''لیکن یہ تو جھوٹ ہوا۔آپ کو اسی سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔اور ویسے بھی کیا شادی کے بعد میاں اور بیوی کی انفرادی حیثیت اور مقام ختم ہوجاتا ہے۔ یہ کیسی عجیب سی روایات ہیں۔؟'' وہ جز بز ہوکر بولی۔

میں خاموش اس کا منہ دیکھتا رہا۔

''آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔ زندگی تو بہت لمبی ہے۔ ایسی کتنی ہی باتیں ہونگیں۔کن کن باتوں پر جھوٹ بولیں گے یا مفاہمت کریں گے۔!'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''رشتے سنبھالنے کے لئے ،دلوں کی نزاکت کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام، آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا۔!''

'کیا بات ہے۔ ہر بات پر شاعری کا نزول ہورہا ہے۔!'' وہ ہنسی۔

''تم نہیں سمجھو گی۔!'' میں نے آہستہ سے کہا۔اور کروٹ بدلی۔

''کیا بات ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔''کیا خالی یہی بات ہے۔؟''

''بس ذرا سر میں درد ہورہا ہے۔!'' میں نے کہا۔ سچ مچ میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''میں دبا دیتی ہوں۔!'' اس نے اپنی مخروطی انگلیوں سے میرا سر دبانا شروع کردیا۔ مجھے سکون محسوس ہوا۔ اس کے نرم ٹھنڈے ہاتھوں کی انگلیوں اور ہتھیلی کے لمس نے مجھے پرسکون کرنا شروع کردیا۔

''چائے بنالاؤں۔؟'' اس نے پوچھا۔ میں نے اشارے سے ہاں کہا۔ وہ بولی۔''اگر ایک الیکٹرک کیٹل اور چائے کا سامان یہاں رکھ لیں تو کیسا رہے۔؟ بعض اوقات چائے وغیرہ کا جی چاہے تو فٹافٹ بنالیں۔!''

''ارے ایسے ہی ٹھیک ہے، تم نصرت کو آواز دے کر کہہ دو، وہ لے آئے گی۔!'' میں نے اچانک کسی اندیشے سے خوف زدہ ہو کر کہا۔

''نصرت باجی سے کیوں کہوں؟ میں خود اپنے ہاتھوں سے بنا لاتی ہوں آپ کے لئے چائے۔!'' اس کے لہجے میں، انداز میں بہت پیار تھا۔

وہ نیچے چائے بنانے چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ چائے لیکر آئی تو چپ چپ سی تھی۔ ''کیا بات ہے۔؟'' میں نے اس کے ہاتھوں سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔!'' وہ بولی۔ ''آپ چائے پی کر دیکھیں کیسی بنائی ہے۔؟''

''تمہاری طرح اچھی ہوگی۔!'' چائے واقعی خوش ذائقہ تھی۔ میں نے کہا۔ ''چائے تو بہت اچھی ہے۔ کھانا کب کھلاؤ گی اپنے ہاتھوں کا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کھانا کیا خاک پکاؤں گی، یہاں تو چائے بنانے پر پابندی ہے۔!'' وہ جیسے اچانک پھٹ پڑی۔ ''کیا مصیبت ہے یہاں رہنا۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو، ایسا مت کرو، ابھی مت کرو، کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں میں۔!''

میں نے کپ ہاتھ سے رکھ دیا۔ وہ اچانک ہاتھوں میں منہ چھپا کے رونے لگی۔ میں تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ تھام کے چہرے پر سے ہٹائے۔ ''ابھی تو تم مجھے کہہ رہی تھیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتے۔ اب خود پریشان ہو رہی ہو۔ بتاؤ کیا بات ہے۔؟''

''وہ میں چائے بنانے کے لئے پتیلی رکھ ہی رہی تھی کہ نصرت باجی آ گئیں۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کے بولیں۔ بھابھی آپ رہنے دیجئے۔ ابھی تو آپ کی رسم ہی نہیں ہوئی۔ ابھی آپ کیسے کچھ پکا سکتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہ میرا گھر، اور دوسری طرف یہ کہ میں اپنے ہی گھر میں چائے تک نہیں بنا سکتی۔!''

مجھے اس کی روداد سن کر ہنسی آ گئی۔

وہ تنک کر بولی۔ ''اس بے وقت موقع پر ہنسی کا کیا تک۔ بیوی کی بے عزتی پر ہنس رہے ہیں۔!''

''دراصل بات کا تم پتنگو بنا رہی ہو۔ ہمارے ہاں نئی دلہن سے جب تک کچھ نہیں کرواتے یا کام میں ہاتھ لگواتے۔ جب تک اس کی کھیر پکائی کی رسم نا ہو جائے۔!''

''یہ کیا ہوتی ہے۔؟'' وہ بولی۔ ''میں نے تو اس کے متعلق نہیں سنا۔!''

''چلو بات چھڑ ہی گئی ہے تو پھر ہم دونوں باتیں کر لیں ذرا کھل کے۔!'' میں نے کہا۔

''بالکل بتائیے۔!'' اس نے میرے قریب ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جو میں کہہ رہا ہوں اس کو ٹھنڈے دل اور تحمل سے سننا۔!'' میں نے کہنا شروع کیا۔ ''واقعہ یہ ہے کہ تمہاری پیدائش انگلینڈ میں ہوئی، کچھ یہ کہ تم اپنے کلچر، اپنی روایات سے دور رہیں۔ شادیاں وہاں بھی ہوتی ہیں۔ مگر وہاں یہ کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اب یہ کلچر ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ اپنے رسم و رواج، اپنی ثقافت، اپنے تمدن سے بعض لوگ بہت شدتوں سے جڑے ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے معاشرے کی جڑوں کو پانی ملتا رہتا ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے زمین کے کسی کونے سے پانی نکلنا شروع ہوجائے اور آس پاس پھیل کر چشمہ بنادے اور اس سے لوگ سیراب ہونا شروع ہوجائیں، یہ رسمیں، یہ رواج ہمارے سماج کو نا صرف خوبصورتی دیتے ہیں بلکہ فرد کو مرکز مان کر اہمیت بھی دیتے ہیں۔!''

میں نے ذرا ٹھہر کے اسے دیکھا۔ وہ بڑے غور سے میری باتیں سن رہی تھی۔

میں نے پھر کہا۔'' کچھ باتیں جھوٹ ہونے کے باوجود جھوٹ نہیں ہوتی ہیں۔ میں اپنے گھر کا ماحول تم سے بہتر جانتا ہوں جبکہ تم ابھی نئی ہو۔ اور ہم سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ جبکہ میں ان ہی کا بیٹا ہوں۔ میں اپنی بہن، اپنی ماں کے مزاج کو جانتا ہوں۔ وہ تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔ مگر ان کی یہ بھی توقع ہوگی کہ میں تمہیں اس گھر کے قاعدے قرینے سکھا رہا ہوں گا۔ مگر اس میں شائد میری کوتاہی ہے، میں تمہیں نہیں سمجھا پا رہا۔ اور تم اس کو اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت سمجھ رہی ہو۔!'' میں چپ ہوگیا۔

وہ تھوڑی دیر مجھے دیکھتی رہی پھر دھیمے سے بولی۔'' سوری ارسل۔ شائد میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ اصل میں جلد باز اور شدت پسند ہوں۔ بچپن سے میں نے اپنی مرضی سے زندگی گزاری ہے۔ امی نے کبھی مجھ پر پابندی نہیں لگائی ہے۔ جو میں نے چاہا تھا، جو سوچا تھا، وہ ہوا۔ جو مانگا وہ ملا۔ میں امی کی بیٹی بھی ہوں اور بیٹا بھی۔ دوسرے جس ماحول میں میری پرورش ہوئی اس ماحول میں جھوٹ کی عموماً گنجائش نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اتنی زیادہ کسی سے قربت ہوتی ہے کہ انسان اس کے لئے جھوٹ بولے۔ وہاں طرزِ زندگی بہت حد تک دوٹوک انداز میں گزرتے ہیں۔ لگی لپٹی رکھے بغیر۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اگر کوئی غلطی کردوں تو مجھے معاف کردیجئے گا۔ مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ اپنے آپ کو بدلوں۔ مگر میں جبر برداشت نہیں کرسکتی۔!'' وہ چپ ہوگئی اور میری طرف دیکھنے لگی۔

''تم پر کوئی جبر نہیں۔!'' میں نے کہا۔'' تم ایسا مت سوچو، تمہیں سب پیار کرتے ہیں۔!''

''شدت کا پیار بھی جبر کی ایک صورت ہی ہوتا ہے۔!'' وہ ہنسنے لگی۔ مگر جو بات کہنا چاہتی تھی وہ کہہ گئی۔ میں چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ وہ اپنے اخروٹی بالوں کی لٹ سے کھیلنے لگی۔

☆☆☆

ماموں جان اور ممانی جان نے بڑا پرتپاک استقبال کیا تھا ہمارا۔ پنج رنگی مٹھائی، سات قسم کے اناج، اور سات قسم کی ہی پھلوں سے انہوں نے مہوش کی گود بھرائی کی تھی۔ جب اس کا دامن پھیلا کر اس کی گود میں یہ ساری چیزیں رکھی گئیں تو وہ بے حد خوش ہوئی۔

''بھابھی جان کے چہرے سے لگ رہا ہے کہ بھابھی کو یہ رسم اچھی لگی۔!'' رامین نے کہا۔

'ہاں۔' اچھی تو لگ رہی ہے مگر اس کا مطلب کیا ہے۔؟'' مہوش نے حیرانگی سے پوچھا۔

اس کی بات سن کر سب لڑکیاں ہی کیا امی، بھائی جان، نصرت اور خود فرخندہ آنٹی بھی ہنسنے لگیں۔

''اے دلہن اس کا مطلب ہے کہ تمہارے آنگن میں جلدی سے ایک پھول کھلے، ننھے کی قلقاریاں گونجیں، ہماری نسل آگے بڑھے۔!'' ممانی جان نے بڑی محبت سے بتایا۔

''لیکن۔۔!'' مہوش نے کچھ کہنا چاہا۔

''مہوش بیٹا تمہیں یہ سوٹ کیسا لگا۔؟'' اچانک ہی فرخندہ آنٹی نے اس کی توجہ دوسری طرف مبذول کروادی۔ جہاں ممانی جان نے تحفے کیلئے سوٹ وغیرہ منگوا کے رکھے ہوئے تھے۔

''اچھے ہیں۔۔!'' مہوش نے کہا۔

''لگتا ہے بھابھی جان تھک گئی ہیں۔!'' شرمین نے کہا۔ ''چلیں تھوڑا آرام کرلیں۔!''

''ہاں یہ ٹھیک ہے رامین بیٹا، تم دلہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔!'' امی نے کہا۔

رامین، شرمین وغیرہ مہوش کو اپنے کمرے میں لے گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں کھانا وغیرہ کھایا گیا اور ہم لوگ ایک بھرپور شام گزار کے گھر واپس آ گئے۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ مہوش کا موڈ اچھا نہیں۔ میں نے اس کی کیفیت کو تھکن پر محمول کیا اور چپ رہا۔

نصرت، امی اور چچی آپس میں باتیں کرتے رہے، فرخندہ آنٹی وہیں سے واپس چلی گئی تھیں۔ ہم واپس آ گئے۔ کافی رات ہوگئی تھی وہاں باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

امی اور نصرت کو خدا حافظ کہہ کر ہم اوپر اپنے کمرے میں آ گئے۔ مہوش نے چوڑیاں اتاریں میک اپ صاف کیا اور لیٹ گئی۔

''کیا بات ہے، کیا بہت تھک گئی ہو۔؟'' میں نے سائڈ لیمپ آن کیا۔

''ہاں مجھے نیند آرہی ہے۔!'' مہوش نے ہاتھ موڑا آنکھوں پر رکھ لیا۔

''خالی نیند کی بات تو نہیں ہے، مجھے تو لگتا ہے کہ تمہارا موڈ آف ہے۔ کیا بات ہے، مجھے نہیں بتاؤ گی۔؟'' میں نے دھیمے سے اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا۔

وہ چند لمحے میری آنکھیں کھول کر مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ہنس پڑی۔ میں چپ چاپ اس کو دیکھتا رہا۔

''شائد مجھے پاگل سمجھ رہے ہو تم۔؟'' وہ کہنے لگی۔ ''واقعی میں پاگل ہوں۔!''

''میں کیا کہوں۔؟'' میں نے اپنے اعصاب کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک کسی چیز کو سمجھ نہ لوں۔ اپنی رائے کا کیا اظہار کروں۔؟''

''یہ جو رسم ہے گود بھرائی کی۔ ارسل کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ زبردستی کا ایک مسئلہ ہے۔ جبر ہے۔ بچہ تو انتہائی ذاتی معاملہ ہے، میاں اور بیوی کا۔ بچے کی پیدائش کا فیصلہ ان دونوں نے ہی کرنا ہوتا ہے۔ پھر اتنی ذاتی بات میں خاندان والوں کی زبردستی، اصرار اور خواہشوں کا وزن کیوں پڑنے لگتا ہے۔؟''

میں حیرت سے اس کو دیکھ کے رہ گیا۔ کیا کیا سوچتی تھی وہ، کیسے اور کس رنگ میں۔؟

''جواب نہیں دیا میری بات کا۔؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا میں غلط ہوں۔؟''

''تم غلط نہیں ہو، مگر معاملے کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں پارہی ہو۔ آرزوئیں، محبتیں، خواہشیں ان ہی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ جن سے توقعات ہوتی ہیں۔ جن پر کوئی حق ہوتا ہے۔ جن پر کوئی استحقاق جتایا جاسکتا ہے۔ یہ جو بڑے

بوڑھے ہوتے ہیں نا۔ یہ مالی ہوتے ہیں۔ اور اولاد کو درخت کی طرح برگ و بار سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ رسمیں ان ہی خواہشات کا ایک کومل روپ ہوتی ہیں۔ اگر سمجھا جائے تو۔!''

''ارسل آپ بہت پیارے، بہت نرم، بہت سجل ہو، بالکل ریشم کی طرح۔ جس طریقے سے، جس طرف سے بھی چھوؤ، نرمی کا، گداز کا احساس ہوتا ہے۔ مگر زندگی تلخ بھی ہے۔ خواہشات اور آرزوئیں اگر کسی ایک کو بے چین کرتی ہیں، تو دوسرے کے لئے وہ پریشانی کا باعث بھی ہوسکتی ہیں۔ یہاں یہ بات نہیں سمجھتے لوگ۔!'' اس نے کہا۔

''بہت اچھی اُردو بولنے لگی ہو۔!'' میں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''یہ مما کا ذوق ہے۔ انہیں کتابیں پڑھنے کا شوق ہے، اس طرح مجھے بھی عادت پڑ گئی۔!'' وہ ہنسی۔

''ان خوبصورت لفظوں کے پیچھے جذبات ہوتے ہیں۔ احساسات۔!'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کے کہا۔ ''لفظوں کی روح میں اتروگی تو پھر جذبات سمجھ لوگی۔!''

''ارسل۔۔!''

''ہونہہ۔۔!''

''ایک بات پوچھوں۔؟'' اس نے کہا۔ ''مگر سچ سچ بتایئے گا۔!''

''پوچھو تم سے کچھ چھپانے کے لئے میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

''کیا میں ہی آپ کی زندگی کی پہلی لڑکی ہوں۔؟'' وہ بولی۔

''کیا مطلب۔۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''میں اس سوال کا مقصد نہیں سمجھا۔!''

''کیا آپ کو کبھی کوئی اور میرے علاوہ اچھی نہیں لگی۔؟'' وہ اپنے سوال پر اصرار کرنے لگی۔

''نہیں۔ اس سے پہلے یعنی کہ آپ جناب سے پہلے کوئی لڑکی میری زندگی میں آئی ہی نہیں۔ اور نہ ہی میری کسی سے کوئی ایسی دوستی ہوئی کہ جسے کسی خاص جذبے کا نام دیا جاسکے۔!''

''کیوں۔۔؟'' اس کے لہجے میں بے پناہ حیرت آمیز شک تھا۔ ''آپ اتنے خوبصورت، دلکش، پرکشش ہیں پھر کسی لڑکی نے آپ کی طرف دلچسپی کیوں نہیں لی۔ آپ تو مزاجاً بہت اچھے ہیں۔ ہنس مکھ، اچھی گفتگو کرنے والے۔!''

''اب میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ شائد اس طرف سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔!'' میں نے جواب دیا۔

''پھر آپ نے مجھ میں کیا دیکھا، کیوں دلچسپی لی۔؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور دوزانو بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگی۔

''سچ بولوں۔؟''

☆☆☆

خوبصورت عورت کی طاقت کا کہنا ہی کیا

''ہاں۔۔ہاں۔۔۔!''

''وہ آئی۔اس نے دیکھا اور پھر فتح کرلیا۔۔!'' میں ہنسنے لگا۔

''ارسل مذاق نہیں۔۔!'' وہ سنجیدگی سے بولی۔''میں جذبات کو، احساسات کو سمجھنا چاہتی ہوں۔شادی کا فیصلہ معمولی نہیں ہوتا۔دوافراد کا زندگی بھر ساتھ نبھانے کا فیصلہ ہوتا ہے۔بہت رسک ہوتا ہے اس میں۔!''

''رسک۔۔؟'' میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔''میں سمجھا نہیں، شادی کے فیصلے میں کیسا رسک ہوتا ہے۔؟''

''بتاتی ہوں۔پہلے آپ تو بتایئے۔؟'' وہ مجھے کبھی تم کبھی آپ کہتی تو بہت پیاری لگتی۔

''جب امی اور نصرت نے تمہیں فرخندہ آنٹی کے ساتھ مارکیٹ میں دیکھا تو ان دونوں کو یہ اپنا وعدہ یاد آ گیا۔ انہوں نے گھر آ کر تمہاری بہت تعریف کی، اور جب میں نے تمہیں دیکھا تو تم اچھی لگیں۔تمہاری دلکشی نے تمہارے اعتماد نے مجھے متاثر کیا۔اور جب امی نے کہا تو میں نے ہاں کردی۔ناہجر کے قصے، نافراق کی داستانیں، ناظالم سماج آیا درمیان میں اور نہ طبقاتی اونچ نیچ اور ہنسی خوشی یہ شادی ہوگئی۔تمہیں پا کے مجھے یہ احساس ہوا کہ امی کی پسند لاجواب ہے۔اور اس بات پر میرا یقین پختہ ہو گیا کہ بڑے اپنے بچوں کے لئے جو فیصلہ کرتے ہیں۔وہ بہتر ہوتا ہے۔!''

اور آپ اسی تجربے کو آگے بڑھائیں گے۔؟'' وہ بولی۔

''کیا مطلب۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کیا ہم اپنے بچوں کو بھی اس تجربے کی بھینٹ چڑھائیں گے، کہ ہم تم سے جہاں اور جس طرح کہیں جس سے کہیں اس سے شادی کرلو۔؟'' وہ بولی۔اس کا لہجہ بہت عجیب تھا۔

''لیکن اس میں زبردستی کہاں ہے۔کیا آنٹی نے تمہارے ساتھ زبردستی کی۔کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔؟''

''اگر میں آپ کی توقعات کے خلاف ہوتی تو آپ کیا کرتے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''میں پھر بھی نباہ کرنے کی پوری کوشش کرتا۔کیونکہ میں شادی جیسے مقدس بندھن کو توڑنے کے حق میں نہیں

ہوں۔شادی تو ایک اٹوٹ بندھن ہے جو نکاح کے دن سے شروع ہو کر موت تک ساتھ ساتھ چلتا ہے۔!''

''لیکن اگر یہی سوال اگر میں تم سے کروں۔اگر میں تمہاری توقعات پر پورا نہیں اترتا تو تم کیا کرتیں۔؟'' میں نے بھی اس سے سوال کیا۔

''میں۔۔!'' وہ گڑبڑا گئی۔''میں نے سوچا نہیں۔!''

''اچھا۔۔چلو یہ بتاؤ کہ تم اس شادی کے لئے کیسے تیار ہوگئیں۔تم بھی تو اپنی ماں کے فیصلے پر راضی ہوگئی ہو۔!''

''میں۔۔۔!'' وہ ہنسی۔پھر بڑے اعتماد سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی۔''میں نے ہمیشہ چیلنج قبول کئے ہیں۔میرا خیال تھا کہ اگر آپ مجھے مل گئے تو میں آپ کو اپنی مرضی میں ڈھال لوں گی۔آپ تو جانتے ہیں عورت میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور پھر خوبصورت عورت کی طاقت کا کہنا ہی کیا۔؟'' اس کے انداز میں بڑا تفاخر تھا۔

''طاقت عورت میں نہیں، کمزوری مرد میں ہوتی ہے اور تبدیل خوبصورتی نہیں محبت کرتی ہے۔وفا کرتی ہے۔ مہوش تم زندگی کو بہت سطحی نگاہ سے دیکھ رہی ہو،تعلق کو خریدا اور روندا نہیں جاسکتا۔یہ تو بے مول ہوتا ہے۔انا،تکبر اور خوف سے بے نیاز۔!'' میں نے دھیمے سے کہا۔

وہ چپ ہوگئی۔ہمارے درمیان خاموشی کی چادر پھیلنے لگی۔میں نے اٹھ کر پانی پیا، اور لیٹ گیا۔''سوجاؤ مہوش۔صبح باتیں کریں گے۔رات بہت ہوگئی۔!'' میں نے اپنی طرف کا سائڈ لیمپ آف کردیا۔اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔آنکھوں میں سے نیند جیسے اڑ گئی تھی۔حلق میں عجیب سی کڑواہٹ بھر گئی تھی۔کیا کہیں کوئی بڑے ہی خلوص سے غلط فیصلہ ہوگیا تھا۔

☆☆☆

پلازہ کی بنیاد رکھنے والے دن بڑی گہما گہمی تھی۔تعمیر کا باقاعدہ آغاز ہوگیا تھا۔بنیاد کے آغاز والے دن ہی کئی ایسی کمپنیوں کے نمائندے شریک تھے جنہیں رضوان بھائی نے بلایا تھا۔ان میں مختلف اشیاء اور خدمات فراہم کرنے والی کمپنیاں تھیں۔بہت خوبصورت پنڈال لگوایا تھا اشعر نے، وہ انتظامی کاموں کا بڑا ماہر ثابت ہورہا تھا۔نفیس مرزا اپنے بیٹے کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔خوش تو اس کے سسر بھی تھے۔سب ہی اکٹھا تھے۔

پنڈال میں پارٹی ہورہی تھی۔کھانے کی میز پر میں، شاہانہ بھابھی، اشعر اور مہوش اکٹھا ہی تھے۔شاہانہ کا چہرہ بڑا کھلا کھلا سا تھا وہ اشعر کے ساتھ بہت چہک رہی تھی۔

''کیا بات ہے شاہانہ بھابھی آپ خوش ہیں۔لگتا ہے اشعر باقاعدگی سے ڈیٹ پر لے جارہا ہے۔!'' میں نے انہیں چھیڑا۔

''ارے یہ کہاں ہاتھ لگتے ہیں، ہمارا سارا وقت تو آپ کا پلازہ کھا جاتا ہے۔!'' وہ ہنسی۔''آپ لوگ سنائیں کہاں کہاں گھوم آئے۔!'' اس نے جواب دیتے ہوئے ہم سے پوچھا۔

''ہم تو گھوم گھام کے واپس آگئے اپنی جگہ پر، دنیا گول ہے۔!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مہوش بڑی چپ چپ ہیں آپ، کوئی بات کیجئے۔؟'' شاہانہ نے مہوش کو مخاطب کیا۔

''میں تو آپ لوگوں کی گفتگو سے محظوظ ہورہی ہوں۔!'' مہوش نے جواب دیا۔اور اشعر سے پوچھا۔''اس کی انٹیریئر ڈیزائننگ کون کررہا ہے۔؟'' اس کا اشارہ پلازہ کی طرف تھا۔

''آرائش والوں سے ایگریمنٹ ہوا ہے۔آپ اگر کوئی مشور دینا چاہیں تو ضرور دیجئے گا۔کل ان کے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ان سے آپ کی ملاقات ہوسکتی ہے۔!''

''ارے نہیں آپ لوگوں نے اچھا ہی کیا ہوگا۔!'' مہوش نے فوراً ہی کہا۔''میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔!''

''ایک اور بھی انکشاف کردوں میں۔!'' میں نے درمیان میں مداخلت کی۔''آپ لوگوں کے لئے یہ اطلاع بھی باعث مسرت ہوگی کہ مہوش بہت اچھی مصور ہے۔اور اس نے کئی پرائز بھی لئے ہیں۔!''

''سچ۔۔!'' شاہانہ نے بے یقینی سے کہا۔''یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔مہوش بھابھی اگر آپ چاہیں تو آپ کی تصویروں کی نمائش ہوسکتی ہے۔میں آرٹس کونسل کی ایگزیکٹو باڈی میں ہوں۔وہاں کریں گے نمائش۔!''

''ارے نہیں میری اتنی تصویریں کہاں۔!'' مہوش نے انکار کرتے ہوئے کہا۔''چند ہی تصویریں بنائی تھیں اور وہ بھی یہاں نہیں ہیں۔مانچسٹر میں ہی چھوڑ آئی ہوں۔!''

اتنی دیر میں سائٹ سپروائز نے آکر اشعر کے کان میں کچھ کہا۔وہ اٹھ کر معذرت کرتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ہم لوگ کھانا کھاتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔پھر اشعر نے مجھے بلوایا اور میں اس کے ساتھ لوگوں سے ملنے ملانے میں مصروف ہوگیا۔تھوڑی ہی دیر میں شاہانہ بھی اٹھ کر ہماری طرف آگئی، کچھ لوگ اس کے بھی جاننے والے نکل آئے تھے۔ہم لوگ مصروف ہوگئے کچھ لوگ مختلف مصنوعات کے حوالے سے بات کرنا چاہتے تھے۔کچھ بلڈنگ میٹریل کے حوالے سے بات کرنا چاہتے تھے۔دو ایک بار میں نے دیکھا تو مہوش ٹیبل پر ہی بیٹھی تھی اور ڈرنکس کے گھونٹ لے رہی تھی۔میں نے اشارے سے بلایا مگر وہ نظرانداز کر کے بیٹھی رہی۔میں خاموش ہی رہا۔پھر لوگوں سے باتوں میں مصروف ہوگیا۔

تھوڑی دیر میں مجھے فون پر میسج ٹیون ملی۔میں نے دیکھا مہوش کا پیغام تھا۔میں گھر جارہی ہوں مجھے بوریت ہورہی ہے۔میں نے دیکھا تو مہوش کا ٹیبل خالی تھا۔

اسی وقت شاہانہ نے پوچھا۔''مہوش بھابھی کہاں ہیں۔؟''

''اس کے سر میں درد تھا۔اس لئے چلی گئی۔!'' میں نے کہا۔شاہانہ نے اشارے سے اچھا کہا اور پلٹ گئی۔اس کے والد شمشیر جنگ اسے بلا رہے تھے۔

تقریباً ایک بجے فنکشن ختم ہوا۔اور ہم لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔اشعر بہت خوش تھا۔''دیکھ لو ارسل، تمہارا پلازہ مکمل ہونے سے پہلے ہی مقبول ہوگیا۔!''

''تمہارا نہیں۔ہمارا۔!'' میں نے کہا۔''اور یہ سب تمہاری محنت کا نتیجہ ہے۔!''

''اچھا بڑے میاں خدا حافظ۔!'' وہ ہنسنے لگا اور گاڑی نکال کے آگے لے گیا۔میں بھی گھر آگیا۔

امی جاگ رہی تھیں اور میری منتظر بھی تھیں۔مجھے دیکھ کر وہ بڑی خوش ہوئیں۔''کیسی رہی تقریب۔؟'' انہوں

نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ شریک تو انہوں نے بھی ہونا تھا، مگر جوڑوں کی تکلیف کی وجہ سے وہ نہیں جا سکی تھیں۔

''آپ کی دعاؤں سے بہت اچھی۔!'' میں سچ مچ بہت خوش تھا۔

''مہوش اوپر ہے۔؟'' میں وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گیا اور جوتے اتارنے لگا۔

''ہاں دلہن تو کافی دیر پہلے آ گئی تھیں، مگر ان کے سر میں درد تھا۔ اس لئے میں نے زیادہ باتیں کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بس یہی کہا کہ آرام کرلو، جاتی سردیاں ہیں، کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔!'' امی نے بتایا۔

''اچھا تو میں بتاتا ہوں آپ کو تفصیل سے۔!'' میں نے ان سے کہا۔

''اچھا تو اماں بیٹا اکیلے اکیلے باتیں کریں گے بغیر ہمیں شریک کئے۔!'' نصرت کی آواز آئی۔

''ارے تم جاگ رہی ہو۔ آؤ بیٹھو۔!'' میں نے کہا۔

''امی ماشاء اللہ ہمارے بھیا بڑے خوش لگ رہے ہیں۔!'' نصرت نے کہا۔ ''میں بھی انتظار کر رہی تھی کہ تم سے سنوں، پنکی کو بخار نہ ہوتا تو میں بھی چلتی۔!''

''ارے پنکی کو بخار ہے۔ دوا دی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا۔!'' میں نے پریشانی سے کہا۔

''ارے بھیا یہ کون سی نئی بات ہے۔ بچے تو بیمار ہوتے رہتے ہیں۔!'' نصرت نے کہا پھر بولی۔ ''اگر چائے کا موڈ ہے تو چائے لے آؤں۔!''

''لے آؤں ابھی سونے کا جی نہیں چاہ رہا۔!'' میں نے جواب دیا۔

نصرت چائے بنانے چلی گئی۔ میں اور امی باتیں کرنے لگے۔ جب تک وہ چائے لاتی میں امی کو کافی تفصیلات سے آگاہ کر چکا تھا۔ چائے کے دوران نصرت کو بھی بتایا۔ ہم لوگ بہت خوش تھے۔

باتوں باتوں میں تین بج گئے۔ میں امی اور نصرت کو خدا حافظ کہہ کر اوپر آیا تو مہوش بے خبر سو رہی تھی۔ سوتے ہوئے وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ میں چند لمحے اس کو دیکھتا رہا۔ پھر سائڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ چند ہی لمحوں میں میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور میں سو گیا۔

☆☆☆

صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا مہوش تیار تھی۔

''کہیں جا رہی ہو صبح ہی صبح۔!'' میں نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ میری آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔ شائد نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

''صبح صبح۔۔!'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''ذرا گھڑی دیکھئے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔!''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہاری کہاں کی تیاری ہے۔؟'' میں نے ذرا اٹھ کر تکیئے کی ٹیک لگالی۔

''امی کے ہاں جا رہی ہوں۔ دس پندرہ دن کے لئے۔ اصل میں رات فون آیا تھا امی کا۔ بتانا ہی یاد نہ رہا آپ لو، پھر آپ مصروف ہو گئے۔ مانچسٹر میں ہماری ایک پراپرٹی کا مسئلہ ہے۔ وہ میرے نام ہے۔ اس کے کچھ قانونی معاملات ہیں۔ لون وغیرہ کلیئر کرنا ہے۔ اس لئے کل کی فلائٹ سے ہم دونوں جا رہے ہیں۔!'' اس نے بڑی بے

نیازی سے پیکنگ کرتے ہوئے بتایا۔

''کیا امی سے پوچھ لیا۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔''اتنی دور جانے کا فیصلہ اکیلے ہی اکیلے۔؟''

''جانا تو پڑے گا ہی۔اب اگر امی اجازت نہ دیں تو پھر معاملات لٹکے رہنے دیں کیا۔؟'' اس نے تنک کر پوچھا۔

''یہ تم کس قسم کی بات کر رہی ہو اور کس لہجے میں۔؟'' مجھے اس کے انداز پر افسوس ہوا۔

''امی جان کا مجھے معلوم ہے کہ وہ اجازت دے دیں گی، پھر اُن سے پوچھنے میں کیا حرج ہے۔؟'' میں نے اسے سمجھایا۔

''ہر سانس بھی اجازت کی طلب گار ہے یہاں۔!'' وہ جھنجھلاہٹ سے بولی۔

میں چپ رہا۔ میں کیا کہوں کس طرح سمجھاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جائیں۔۔!'' میں نے کہا۔

نصرت دروازہ کھول کر اندر آئی۔''ناشتا تیار ہے آپ لوگ تشریف لائیں۔!'' وہ خوش دلی سے بولی۔

میں اٹھ کر واش روم چلا گیا۔

''بھابھی جان کیا گھر جانے کی تیاری ہے۔؟'' نصرت نے اُسے پیکنگ کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''باجی۔۔!'' مہوش نے نصرت کو مخاطب کیا۔''کیا خالی بھابھی کہنے سے گزارا نہیں ہوسکتا۔ بہت عجیب سا لگتا ہے ہر رشتے کے ساتھ جان ملاتے ہوئے۔کیوں آپ کو نہیں لگتا۔؟''

''جی بھابھی جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔؟'' نصرت کو حیرت ہوئی۔

''وہی جو کہنا چاہیے۔!'' وہ بے اعتنائی سے بولی۔''لوگ رشتوں کو آسان بنانے کے بجائے ان کو بوجھ کیوں بنا دیتے ہیں۔اور پھر انسان ساری عمر اس بوجھ تلے سسکتا رہتا ہے۔!''

''جی۔۔!'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔''آپ پریشان نہ ہوں۔آئندہ خیال رکھوں گی۔!''

میں اپنی جگہ سن سا رہ گیا۔مہوش سے اس قسم کی گفتگو کی توقع نہیں تھی مجھے۔

چند ہی لمحوں میں دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ غالباً نصرت چلی گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھے اپنا کیا ردعمل ظاہر کرنا چاہیۓ۔ اس وقت کچھ کہتا تو مہوش کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کوئی بات سننے کے لئے روا دار نہیں ہے۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہیۓ۔؟ میں نے اپنی حکمت عملی مرتب کرنے کی کوشش کی۔مگر میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ سب کچھ وقت کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہیۓ۔میں نے فی الحال یہی مناسب سمجھا۔اور منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر باہر نکل آیا۔مہوش میری منتظر بیٹھی تھی۔

''مجھے چھوڑنے چلیں گے آپ۔؟'' اس نے پوچھا۔

''اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دیتیں تو میں اس کا خیال رکھتا۔مگر اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ رات میں ایک میٹنگ طے

ہوگئی تھی۔ وہاں جانا ضروری ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اپنی گاڑی میں چلی جاؤ۔!'' میں نے جواب دیا۔

''ناراض ہو گئے ہیں۔!'' وہ بڑے ناز سے بولی۔

''نہیں رشتوں کو بوجھ بنانے کے بجائے سہل بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔!'' میں نے فوراً ہی کہا۔

وہ مجھے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر اس کی شفاف آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔''اس طرح طنز نہ کیجئے۔ میں نے تو صرف ایک بات کہی تھی۔!''

''لفظ ہی جذبات میں تلاطم پیدا کرتے ہیں۔ لفظوں سے ہی طنز کا احساس ہوتا ہے۔ اور لفظوں سے ہی رشتوں کو چوٹ پہنچائی جاتی ہے۔ وہ رشتے جو دل سے پھوٹتے ہیں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ بہنیں اپنے بھائیوں کے لئے کیسے کیسے خواب بنتی ہیں اور بھابھی کو وہ اپنا کیوں اٹوٹ انگ سمجھتی ہیں۔ جانتی ہو کیوں۔؟''

وہ کچھ بولی نہیں۔ میری طرف دیکھتی رہی۔

''لاشعوری طور پر وہ سمجھتی ہیں کہ والدین کے بعد میکہ بھائی اور بھابھی سے ہی آباد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ پوری ذہنی اور دلی قوت کے ساتھ اس رشتے میں محبت، اعتماد اور پیار بھرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر۔!'' میں نے رک کر اسے دیکھا اور کہا۔''اگر کوئی اسے سمجھنا چاہے تو۔!''

وہ خاموش رہی۔

''ناشتا کرنے کے لئے نیچے آجاؤ۔!'' میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھے بغیر نیچے اُتر آیا۔

ناشتا تیار تھا۔ امی نے میری طرف دیکھا۔''کیا بات ہے کچھ پریشان ہو۔؟''

''ارے نہیں۔ دراصل رات دیر سے سوئے پھر سر میں تھوڑا درد محسوس ہو رہا ہے۔!'' میں نے بہانہ بنایا۔

''اچھا۔!'' امی نے کہا۔''دلہن آرہی ہیں ناشتا کرنے۔؟''

''جی۔۔!'' میں نے مختصر جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد کہا۔''مہوش کی کچھ پراپرٹی کا مسئلہ ہے یوکے میں، اس کے والد نے اسے بلایا ہے۔ کچھ لون وغیرہ کلیئر کرنے ہیں۔ جس کے لئے اس کا وہاں جانا ضروری ہے۔ وہ آٹھ دس دن کے لئے جانا چاہتی ہے۔!''

''اچھی بات ہے۔!'' امی نے کہا۔''قانونی معاملات کو بروقت مکمل کر لینا چاہئے۔!''

''مگر وہ آپ کی اجازت چاہتی ہے۔!'' میں امی کی طرف دیکھا۔''اگر آپ جازت دے دیں۔!''

''ضرور جائے۔ شادی کا مطلب یہ تو نہیں کہ تمام معاملات، تمام عمر کے لئے بندی ہو گئے۔!'' امی نے مسکرا کے کہا۔

مجھے خوشی ہوئی۔ امی بہت معاملہ فہم صلح جو اور نرم مزاج تھیں۔ مہوش نے ہم سب کے مزاج سمجھنے میں روایتی بہو والی جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''شکریہ امی۔!'' میں نے ممنونیت سے کہا۔

امی ہنس دیں۔

نصرت نے چائے کی کیتلی میز پر رکھتے ہوئے امی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔''ارسل نے صبح ہی صبح کیا خبر سنادی جو آپ خوش ہو رہی ہیں۔؟''

''میں دیکھ رہی ہوں کہ اب یہ میرا شکریہ بھی ادا کرنے لگا ہے۔!''امی نے ہنس کر کہا۔''کافی سمجھ دار ہو گیا ہے۔!'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''تھوڑی دیر میں مہوش آ گئی۔ اس نے امی کو سلام کر کے اپنی کرسی سنبھال لی۔ اور گلاس میں جوس انڈیل کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

''امی نے پوچھا۔''دلہن کب جا رہی ہو۔؟''

''آج امی کے ہاں جاؤں گی۔کل رات کی فلائٹ ہے۔ اصل میں جانا بہت ضروری ہے۔ کچھ لیگل میٹرز ہیں جو میرے جائے بغیر حل نہیں ہو سکتے۔ مگر یہاں کوئی سمجھتا ہی نہیں۔!'' وہ اپنی رو میں بولے چلی گئی۔

''مہوش۔۔!'' میں نے اسے ٹوکنے کی کوشش کی۔''امی نے تو کہا ہے کہ۔۔۔!''

''ارسل کبھی آپ میرا دل رکھتے ہیں۔ کبھی امی کا، کبھی نصرت باجی کے لئے پریشان ہوتے ہیں۔ انسان تو دو کشتیوں میں سوار نہیں ہو پاتا۔ آپ تین تین کشتیوں کی سواری کا شوق کر رہے ہیں۔!''

اس نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

میں اور نصرت مہوش کو بولتا دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ یہ وہ مہوش تو نہیں تھی۔ جس کے لئے ہم سب نے دیدہ و دل فرش راہ کئے تھے۔ یہ تو کوئی اور مہوش تھی۔ ضدی، ہٹ دھرم، انا پرست، جلد باز۔

''دلہن بیٹا شائد آپ پریشان ہیں۔!'' امی نے بہت رسانیت سے کہا۔''ہم لوگ بھی قانونی مسائل اور ان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے میں نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی ارسل کو اجازت دے دی تھی کہ آپ ضرور جائیں۔ مگر آپ نے ارسل کی پوری بات ہی نہیں سنی۔!''

''جی۔۔؟'' مہوش کی حیرت دیدنی تھی۔

''بدقسمتی صرف اتنی سی ہے کہ تم ہمیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی ہو۔!'' میں نے مہوش کو غور سے دیکھ کر کہا۔

وہ پریشان سی ہو گئی۔ اس نے ہماری طرف دیکھا۔ کوئی بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اپنی انگلیاں مروڑتی رہی پھر بولی۔

''سوری۔۔۔!''

''کوئی بات نہیں۔ دلہن۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر تیاریاں کیجئے۔!''

''جی۔۔!'' وہ اٹھ گئی۔ اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''میں معذرت کرتا ہوں امی۔۔!'' میں نے مہوش کے جانے کے بعد کہا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔گھروں میں ایسی باتیں ہوجاتی ہیں۔!'' امی نے آہستہ سے کہا اور چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔تھوڑی دیر پہلے کا خوشگوار ماحول اچانک جیسے بھاری بھرکم سا ہوکر ہمیں افسردہ کرنے لگا تھا۔ میں نے اپنی امی کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہاں پریشانی اور تفکر کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

امی کے کہنے پر میں مہوش کو تو چھوڑ آیا،مگر فرخندہ آنٹی سے رسمی سلام و دعا کے بعد میں باہر ہی سے پلٹ آیا تھا۔ مہوش سے راستے بھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ہم دونوں ہی خاموش رہے تھے۔نا اس نے مجھ سے کچھ کہا۔نا میں اس کو کچھ کہہ سکا۔بعض اوقات اپنائیت کے درمیان اجنبیت اتنی تیزی سے اپنی جگہ بنالیتی ہے کہ ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں اور پھر اجنبیت کی دیواریں ہمیں جدا کردیتی ہیں۔اور ہم کچھ کہنے، کچھ کرنے کے باوجود پتھر کی طرح دیکھتے تو رہتے ہیں مگر حرکت نہیں کرسکتے۔

☆☆☆

مہوش کے جانے کے بعد میں پوری طرح پلازہ کے معاملات میں اشعر کے ساتھ مصروف ہوگیا۔صبح، دوپہر، شام کا کچھ پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ پلازہ تکمیل کے مراحل تیزی سے طے کررہا تھا۔تب مجھے احساس ہوا کہ کسی بھی منصوبے کے لئے فرد، سرمائے اور صلاحیت کی تکون کس قدر ضروری ہوتی ہے۔میں گھر آیا تو امی کہیں جانے کے لئے تیار تھیں۔ میں نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

''کہاں جارہی ہیں امی۔؟''

''میں ذرا تمہارے ماموں جان کے ہاں جارہی ہوں۔فون آیا تھا بھابھی جان کا۔بتا رہی تھیں کہ رامین کی طبیعت خراب ہے۔اسے دیکھ آؤں۔!'' امی نے بتایا۔

''اچھا مجھے نہیں معلوم ہوا۔کیا ہوا رامین کو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔لیکن کئی دنوں سے گئی جو نہیں ہوں۔چلو اس بہانے مل آتی ہوں۔!'' وہ مسکرائیں۔

''چلئے میں چلتا ہوں۔!'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے نہیں تم آرام کرو۔ میں نے ٹیکسی منگوائی ہے تھکے ہوئے آئے ہو سارا دن کے۔!'' امی نے بڑے پیار سے کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے۔لیکن میں لینے آجاؤں گا۔آپ مجھے فون کردیجئے گا۔!'' میں نے ان کی تائید کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔!'' انہوں نے کہا اور بیرونی دروازے کا رخ کیا۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ جب سے مہوش گئی تھی میں اپنے نیچے والے کمرے میں ہی سو رہا تھا۔اوپر کے خالی

کمرے میں مجھے وحشت ہوتی تھی۔ مہوش کو گئے ہوئے آج آٹھواں دن تھا۔ اس دوران میری اس سے ایک دوبار بات ہوئی تھی۔ فون میں نے ہی کیا تھا۔ وہ وہاں بہت مصروف تھی۔ ارسل میں آپ کو بعد میں تفصیل سے فون کرتی ہوں۔ اس نے یہ کہہ کو فون بند کر دیا تھا۔ میں اس کے فون کا منظر ہی رہا۔ مگر اس کا فون نہیں آیا۔

☆☆☆

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

اَن چھوئی محبت

کیا ہو رہا ہے ہمارے درمیان۔؟ میں نے سوچا۔مگر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ مہوش کے مزاج میں ایک ایسی تلخی تھی جو بظاہر تو محسوس نہیں ہوتی تھی۔مگر چند دنوں کی قربت سے یہ تلخی اپنا سفاک وجود، بڑی بے دردی سے محسوس کروا دیتی تھی۔اس کی تنہائی، لاڈلا پن، اکلوتا ہونا کئی رخوں نے مل کر اس کی شخصیت کی تشکیل کی تھی۔ ہم سب اس کو سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ گزارا کرنا چاہتے تھے۔خوشگواری اور امید کے ساتھ، مگر نجانے کیوں وہ ہمیں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اسی ادھیڑ بُن میں نجانے کب مجھے نیند آ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو باہر سے امی اور نصرت کی آوازیں آ رہی تھیں۔میں نے گھڑی کی طرف دیکھا ساڑھے دس بجے رہے تھے۔ میں باہر نکلا تو امی سامنے ہی بیٹھی نصرت سے باتیں کر رہی تھیں۔

''امی آپ نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔؟'' میں ان کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔

''میں نے نصرت کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ تم بے خبر سو رہے ہو۔توصیف نے کہا میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔وہ مجھے چھوڑنے آ گیا۔!'' امی نے بتایا۔

''اچھا۔۔!'' میں نے کہا۔

''کھانا لاؤں۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''میں تو کھانا کھا کے آئی ہوں۔انہوں نے آنے ہی نہیں دیا بغیر کھائے، تم لوگ کھا لو۔!'' امی نے کہا۔

''ارے ہاں وہ رامین کی طبیعت کیسی ہے۔کیا ہوا اس کو۔؟'' میں نے امی سے پوچھا۔

''بخار تھا بہت کمزور اور دبلی ہو گئی ہے۔پتا نہیں پھول سی بچی کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔!'' امی نے بڑی فکر مندی سے کہا۔

مجھے ایسا لگا کہ جیسے رامین ابھی تک اس شاک سے نہیں نکل پائی ہے۔ میں اسے دیکھنے ضرور جاؤں گا۔میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔؟'' نصرت نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔''سوچ رہا ہوں کہ کسی وقت میں بھی رامین کو دیکھ آؤں گا۔!''

''اچھی بات ہے۔!'' امی نے کہا۔''سب تمہیں اور دلہن کو پوچھ رہے تھے۔ دلہن کا فون آیا کوئی۔؟'' امی نے کہتے ہوئے سوال پوچھ لیا۔

''دو ایک بار ہی فون آیا تھا۔ بہت مصروف تھی۔ کہہ رہی تھی کہ بعد میں تفصیل سے فون کروں گی۔!'' میں نے امی کو بتایا۔

''اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو پورا فرمائے۔!'' امی نے بڑے خلوص سے کہا۔''میں ذرا عشاء پڑھ لوں پھر لیٹوں گی۔!'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

ہم دونوں بھی اٹھ آئے۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔نصرت کچن کی طرف چلی گئی۔تھوڑی ہی دیر میں وہ کھانے کی ٹرے لئے میری کمرے میں آ گئی۔

''کیا پکایا ہے بڑی خوشبو آ رہی ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہاری بنائی ہے۔کئی دن ہو گئے تھے امی کا دل چاہ رہا تھا۔!'' نصرت نے ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے کھانا کھالیا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں پنکی کو کھلانے کے ساتھ ہی میں نے کھالیا تھا۔!'' نصرت نے جواب دیا اور میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ میں نے کھانا شروع کر دیا۔کھانے کے دوران میں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں تھی۔

''کیا بات ہے کچھ پریشان ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں پریشان تو نہیں ہوں۔مگر مجھے بڑی فکر ہے۔!'' اس نے جواب دیا۔

''کس بات کی۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں اپنی بات کر رہی ہوں۔!'' نصرت نے کہا۔''میں تمہارے اور مہوش کے درمیان وجہ نزاع نہیں بننا چاہتی۔اگر میری وجہ سے کوئی مسئلہ پیدا ہو رہا ہے تو مجھے بتا دو، میں تمہاری خوشگوار ازدواجی زندگی کو قطعاً متاثر نہیں کرنا چاہتی۔!''

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔؟'' میں نے پریشانی سے کہا۔''اور کس بات سے تم نے محسوس کیا کہ تمہاری وجہ سے ہماری زندگی میں مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔؟'' میں نے اس کو غور سے دیکھا۔

''خدا کو آنکھوں سے نہیں، عقل سے ،نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے۔فرد کا رویہ ہی اس بات کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔شائد بھابھی جان کو میری ذات سے کوئی شکایت ہو۔!''

''بے تکی بات ہے۔ابھی چند ہی دنوں میں ایسا کیا معاملہ اور کونسا واقعہ پیش آیا ہے کہ جس سے یہ احساس ہوا ہے تمہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔شائد میرا حساس ہو۔ میں بالکل بھی نہیں چاہتی کہ بھابھی کو ذرا بھی شکایت ہو۔!'' نصرت نے دھیمے سے کہا۔''میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی شدہ زندگی متاثر نہ ہو۔کسی بھی قیمت پر، میں ہمیشہ یہ چاہوں گی کہ تم دونوں ہی خوش رہو۔!''

''اکیلے خوش نہیں ہوا جاتا۔ خوش رہنے اور خوش رکھنے کے لئے انسانوں کے درمیان رہنا ضروری ہے۔ جب ہم اپنے گھر والوں کے احساسات ہی نہیں سمجھ سکتے تو پھر دنیا بھر کے معاملات کو کس طرح سمجھ سکیں گے۔؟''

''مجھے دنیا سے نہیں اپنی اس چھوٹی سے دنیا سے پیار ہے۔ جس میں ہم اور آپ زندہ ہیں۔ باقی کیا ہوتا ہے مجھے ناپرواہ ہے ناڈر۔!'' نصرت نے جواب دیا۔

''بہت سنجیدہ سنجیدہ سی باتیں نہیں کر رہے ہم۔؟'' میں نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''شترمرغ کی طرح آنکھیں بند کرنے سے خطرہ ٹل نہیں جاتا۔ ہمیں کھل کے بات کرنا چاہئے۔!'' نصرت نے کہا۔ ''میں نے سسرال دیکھا ہے۔ بہو کی کیفیت سے گزری ہوں۔ نند، بھاوج کے رشتے کو سمجھتی ہوں اس لئے اگر میری وجہ سے پرابلم پیدا ہوگی تو میں۔۔!'' وہ چپ ہوگئی۔

''کیا کروگی۔ گھر چھوڑ دوگی۔ کہاں جاؤ گی۔؟'' مجھے غصہ آگیا۔ ''تم مجھے اتنا ہی بے مروت اور بے شرم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں تنہا ہونے دوں گا۔ اب تو یہ سوچا ہے۔ آئندہ سوچنا بھی نہیں۔ جو مشکل وقت میں رشتے نہیں نبھا سکتے۔ انہیں تعلق رکھنے کا حق بھی نہیں۔!''

وہ رونے لگی۔ کمرے میں عجیب سی یاسیت چھا گئی۔

☆☆☆

مہوش کو گئے ہوئے پندرہ دن کے بجائے مہینہ بھر ہو رہا تھا۔ مگر اس کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔

فرخندہ آنٹی سے ایک مرتبہ بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں کے معاملات سمیٹ کر جلد ہی آجائیں گی۔ رسمی گفتگو کے علاوہ کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

عجیب ہی مسئلہ ہوگیا تھا۔ اچھی خاصی شادی کے بعد عجیب، نا سمجھ میں آنے والی صورت حال بن گئی تھی۔ نصرت نے اس دن کے بعد خاموشی اختیار کر لی تھی۔ امی بھی اس صورت حال سے پریشان تھیں۔ مگر شائد وہ مہوش کی طرف سے کسی بات کا انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے اس کے فون کے متعلق ایک دو بار کے سوا نہیں پوچھا تھا۔

البتہ اشعر نے ضرور کہا تھا کہ یار اتنی اچھی شادی ہوئی ہے کیا مسئلہ ہے تم دونوں کے بیچ۔؟ مگر میں اس کو کچھ بھی نہیں بتا سکا تھا۔ بعض باتیں کہی نہیں جاسکتی ہیں۔ خصوصاً رویئے تو بس محسوس ہی کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔؟

میں پلازہ سائٹ پر تھا کہ اچانک میرے فون پر بیل ہوئی۔ میں اس وقت سائٹ سپروائزر کے ساتھ ایک اہم میٹنگ کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں فون ریسیو کرتا، فون بند ہوگیا۔ میں سپروائزر کے ساتھ باتیں کرتا کرتا تھرڈ فلور پر چلا گیا۔ جہاں لفٹ کی بیم کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کو دیکھتے، جانچتے دو گھنٹے گزر گئے۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا اس پر مہوش کی کئی مس کالز تھیں۔

اس وقت کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے بعد بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ اتفاق سے کوئی فون بھی نہیں آیا جو کہ فون کی طرف توجہ جاتی۔ گھر واپس جاتے ہوئے فون پر میسج ٹیون ہوئی۔

میں نے پڑھا۔مہوش کا میسج تھا۔''کہاں ہیں آپ بات کرنی ہے آپ سے۔!''

پتا نہیں کیوں اچانک میرے اندر ایک لاتعلقی کا زہر پھیل گیا۔شائد جن سے ہم تعلق کی ،گرمجوشی کی توقع رکھتے ہیں۔ جب ان کے رویئے ہم پر ظاہر ہو جائیں تو پھر ہمارے اندر کی ہوائیں بدل جاتی ہیں۔موسم بدل جاتے ہیں۔

گھر پہنچ کر میں نے کپڑے بدلے اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ میں فون سے کھیل رہا تھا۔مگر مہوش کو فون نہیں کر رہا تھا۔ کیوں؟ میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔شائد میں اس سے ناراض ہوں۔اس کی بے رُخی کا جواب دے رہا ہوں۔شائد میں اس سے بدلہ لے رہا ہوں۔ بہت سارے خیالات میرے اندر چکرا رہے تھے۔

امی عشاء کی نماز میں مصروف تھیں۔نصرت پنکی کو سلا رہی تھی۔ ہر فرد اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔فون پر پھر میسج ٹیون گنگنائی۔ میں نے میسج پڑھا۔''آپ ناراض ہیں۔میں جانتی ہوں لیکن بہت ساری باتیں ہیں جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔!''

ادھورا سا میسج تھا۔اس کے چند ہی لمحوں کے بعد فون بیل ہوئی۔''ہیلو۔۔۔!'' میں نے فون ریسیو کر لیا۔

''اسلام علیکم۔کیا بات ہے۔فون، میسج کچھ بھی ریسیو نہیں کر رہے تھے آپ۔؟'' دوسری طرف سے مہوش نے پوچھا۔

''اصل میں مصروف ہی اتنا رہا۔!'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔!'' وہ بولی۔''آپ مجھے وقت دیں۔!''

''ہم باتیں تو ہی کر رہے ہیں۔!'' میں نے کہا۔

''ایسے نہیں۔۔!'' وہ بولی۔''آمنے سامنے بیٹھ کر، اطمینان سے،سکون سے۔!'' اس کا لہجہ بڑا ٹھہرا ہوا تھا۔

''تم کب آ رہی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کہاں۔۔؟'' اس نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔

''یہاں پاکستان اور کہاں۔؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''گھر نہیں کہا آپ نے۔؟'' وہ اچانک بولی۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ شائد کچھ غلط ہونے والا ہے۔واقعی میں نے گھر کیوں نہیں کہا۔؟

''سچ بتا دوں۔؟'' میں نے جواب دیا۔

''ہاں کہئے۔!'' وہ رسانیت سے بولی۔

''مجھے [illegible] ہے تمہارے فیصلے سے۔!''

وہ [illegible] چپ [illegible]۔بعض باتیں [illegible] ان کہی ہوتی ہیں۔ [illegible] بھی سمجھ لی جاتی ہیں۔

''[illegible] آئے ہوئے تین چار دن ہو گئے ہیں۔!'' اس نے بتایا۔

میرا ڈر شدید ہونے لگا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔کل شام آپ مجھے ملیں۔ میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔!''

''کیسی باتیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنی باتیں۔اپنے معاملات،اپنے خوف، سچ۔سب۔!'' وہ بولی۔''آپ آئیں گے نا۔؟''

''تمہارے گھر۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں باہر۔!'' اس نے کہا۔'' آپ کو تاج پسند ہے۔ وہیں آجایئے گا۔ میں شام کو انتظار کروں گی۔!'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

کیا ہونے والا ہے۔؟ میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ مجھے ڈر کیوں لگ رہا ہے۔اور یہ ڈر کیا ہے۔؟ کیا مہوش سے بچھڑنے کا ڈر ہے۔ مجھے جواب نہیں ملا۔

☆☆☆

تاج کا ماحول حسب معمول بہت پرسکون تھا۔ دھیمی دھیمی موسیقی ماحول میں ہلکورے لے رہی تھی۔ میں پہنچا تو مہوش میرا منتظر تھی۔ میں اس کے سامنے جا بیٹھا۔ ہمارے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ وہ اچھی لگ رہی تھی۔

''کیسے ہیں آپ۔؟'' وہ دھیمے سے بولی۔

''تم کیسی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔!'' وہ آہستہ سے بولی۔

''وہ کون سی باتیں ہیں جو تم کرنا چاہتی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ ناراض تو نہیں ہونگے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''ناراضگی اور خوشی سے نا تو حقیقتیں تبدیل ہوتی ہیں۔اور نا ہی فیصلے تبدیل ہوتے ہیں۔ اس لئے رسمی باتوں کا کیا کہنا، کیا کرنا۔؟'' میں نے جواب دیا۔

''میں جان بوجھ کر باہر زیادہ رہی۔!'' اس نے دھیمے سے کہا۔''میں سمجھنا چاہتی تھی کہ میرے اور آپ کے درمیان گرمجوشی، تعلق، محبت کس درجے ہے۔ کیا میں آپ کے لئے خود کو بدل سکتی ہوں۔ کیا میں آپ جیسے خوبصورت روایتی گھرانے میں موزوں بھی ہوں یا نہیں۔!'' وہ کہتے کہتے ذرا رکی۔ اور میری طرف غور سے دیکھا۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میرا خیال تھا کہ میں آپ کو بدل لوں گی۔ کچھ عرصے کے بعد ہم یوکے شفٹ ہو جائیں گے۔ رشتے تو سب ہی کے ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی ایک دن سب چھوٹ جاتے ہیں۔ اپنے اپنے گھروں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مگر شائد آپ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ آپ سب بہت شدتوں کے ساتھ روایتوں سے جڑے ہیں۔ وہ روایات جو بہت خوبصورت، بہت معنی آمیز ہیں۔ مگر ارسل یہ بھی تو ضروری نہیں کہ سب ایک طرح سے ہی سوچتے ہوں۔ میں پاکستانی ہوں۔ مگر وہ پاکستانی جن کی جڑیں معلق ہو چکی ہیں۔ جنہیں اس زمین میں کہیں بھی لگائیں گے۔ وہ سرسبز نہیں ہو سکیں گی۔ کیونکہ وہ خشک ہو چکی ہیں۔!''

وہ بہت بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

''میں جس آزاد ماحول میں، جس رکھ رکھاؤ کی عادی ہوں۔ وہ آپ لوگوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اور پھر میں جبر کر بھی لوں تو اندر سے تلخ ہو جاؤں گی۔ لڑوں گی۔ غصہ کروں گی۔ ایک دوسرے سے بے وجہ الجھوں گی۔ کیونکہ

میں ذہنی طور پر تو مطابقت پیدا کروں گی، اور لاشعوری طور پر سب کو برا بھلا کہوں گی۔ اور آپ سب پریشان رہیں گے۔ پھر ہمارے بچے ایک ذہنی طور پر بکھری ہوئی ماں سے کیا سیکھ سکیں گے۔؟''

وہ کہتی رہی۔ میں سنتا رہا۔

''اور پھر ایک بات اور بھی ہے۔!'' وہ بولی۔ ''ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے سے محبت نہیں۔!''

'وہ کیسے۔؟'' میں بولے بغیر نہیں رہ سکا۔

''وہ ایسے کہ آپ اتنے نرم و گداز دل والے ہیں کہ اگر میں آپ کو یہ سب بھی نہ بتاتی اور آپ سے الجھتی رہتی، تب بھی آپ تعلق نبھانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کرتے۔ کیونکہ آپ روایات کے خلاف نہیں جاسکتے۔ کیوں صحیح کہہ رہی ہوں نا۔؟''

''پتا نہیں۔ شائد ہماری کیفیت کا دوسرا بہتر تجزیہ کرسکتا ہے۔!'' میں نے جواب دیا۔

وہ مسکرائی۔ اور بولی۔ ''آپ نے کہا تھا کہ مجھے ڈر لگتا ہے تمہارے فیصلے سے، ڈر اور محبت الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں بھی اپنی فطرت کے خلاف ٹوٹ کر محبت نہیں کرسکتی۔ اور نہ ہی اپنی تربیت کے باعث کسی کو توڑ سکتی ہوں۔ پھر کیوں نا ہم خوش اسلوبی سے اپنے اپنے راستے الگ کرلیں۔ بجائے اس کے کہ ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ ساتھ چلتے رہیں مگر کبھی اکٹھا نہ ہو پائیں۔ اور پانی جیسا ڈھیلا رشتہ بے وجہ ہمیں جوڑے رکھے۔!''

''تم سمجھتی ہو کہ فرخندہ آنٹی تمہارے فیصلے کو قبول کرلیں گی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک بات کہوں آپ سے۔؟'' اس نے کہا۔

''کہو۔۔!''

''آپ نے ماما کا نام لیا۔ امی کا نہیں، کہیں آپ سب میرے فیصلے کا انتظار تو نہیں کررہے تھے۔؟''

''ہم رشتوں کو جوڑنے کے لئے انتظار کے قائل ہیں۔ اور ویسے بھی کوئی رشتہ زبردستی تو نہیں نبھایا جاسکتا۔!'' نجانے کیوں میں نے کہا۔ شائد میں سچائی کو تسلیم کرنے لگا تھا۔

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔ ماما نے آپ سے زیادہ بات نہیں کی۔ وہ بہت شرمندگی محسوس کررہی ہیں۔ پاپا بھی بہت پریشان ہیں۔ کیونکہ اس رشتے کو توڑنے کا کوئی جواز نہیں، کوئی دلیل نہیں۔!''

''پھر۔۔؟'' میں نے پوچھا۔ اور اس کی طرف دیکھا۔

''اس لئے کہ میں اس رشتے میں خود کو ٹھیک محسوس نہیں کررہی۔ مجھے لگتا ہے کہ جس محبت، تعلق، تحمل، روایت کی پاسداری کرنے والی بہو کی آپ لوگوں کو آرزو ہے۔ وہ میں نہیں ہوں۔ مجھے تسلیم کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں آپ سب کی توقعات پر پوری نہیں اُترتی۔ میں چیزوں کو ایک حد سے زیادہ محسوس نہیں کرسکتی، یا پھر ان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم ایک ایسے راستے پر چلنے کے بجائے اپنا راستہ جدا کرلیں۔ وقتی تکلیف اٹھالیں۔ مگر پھر اس کے بعد زندگی کو نئی ڈگر پر چلالیں۔ زخم تو مندمل ہو ہی جاتے ہیں۔!''

''سارے فیصلے تم خود ہی کررہی ہو۔!'' میں نے دھیمے سے کہا۔

''آپ نے بھی اختلاف کہاں کیا۔؟'' وہ برجستہ بولی۔ میں چپ ہی رہا۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میں آپ سب سے شرمندہ ہوں۔!'' اس نے آہستگی سے کہا۔

میں خاموش اس کو دیکھتا رہا۔ اس لمحے میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔لیکن نہ تو میرے پاس الفاظ تھے۔نا احساسات۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں اس کے پاس بالکل خالی خالی سا بیٹھا ہوا ہوں۔

''کیا آپ اتنے ناراض ہیں کہ مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتے۔؟'' اس نے اپنی بے پناہ شفاف آنکھیں میرے چہرے پر مرتکز کیں۔ اس کی آنکھوں میں نمکین پانی بھرا ہوا تھا۔ اور پلکیں لرز رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے۔ اس کے بدن پر ایک مرتعش کیفیت طاری تھی۔

''مہوش۔۔۔!'' میں نے اس کے سپید ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھیرے سے رکھا۔ اس کا ہاتھ بے پناہ سرد تھا۔''تم بہت بہت اونچی جگہ ہو۔!'' میں چپ ہو گیا۔ میری آواز میں، حلق میں در آنے والا پانی پھنس گیا۔

''ارے نہیں۔!'' وہ دھیمے سے ہنس دی۔''میں تو جلد باز سی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ فیصلہ مجھے سکون دے گا ،یا دکھی کر دے گا۔ مگر میں ایک موہوم امید کے سہارے اتنے سارے لوگوں کو دکھی نہیں رکھ سکتی۔ اگر ہم کسی کو خوشی نہ دے سکیں تو پھر ہمیں ان کو دکھ دینے کا بھی کوئی اختیار نہیں۔!''

میں نے اس کو دیکھا۔ اس کی سفید گلابی رنگت میں حدت کی آمیزش تھی۔ وہ بظاہر اپنے آپ کو جلد باز اور ناموزوں کہہ رہی تھی۔مگر وہ بہت بڑی تھی۔

''جو لوگ اپنی ذات کی نفی کر دیں۔ وہ بہت بلند ہو جاتے ہیں۔مہوش۔!'' میں نے کہا۔''تمہیں نہیں معلوم کہ تم کیا ہو۔؟''

''ارسل ہم کیوں نہ دوسری باتیں کریں۔!'' اس نے ہمیشہ کی طرح اچانک ہی موضوع بدل دیا۔''ان ہی باتوں میں الجھے رہے تو پھر کہیں جذباتی ہو کر غلط فیصلے نہ کر جائیں۔!''

''کیسا غلط فیصلہ۔؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''اکھٹا رہنے کا۔!'' وہ بے ساختہ بولی بھی اور ہنسی بھی۔ اس کی نقرئی ہنسی کی جھنکار، پھوار کی طرح فضا میں پھیل گئی۔

''میں ایک بات کہوں۔؟'' میں نے کہا۔

وہ پوری طرح میری سمت متوجہ ہو گئی۔

''تمہاری جیسی جرأت اور ہمت شائد یہاں کی لڑکی اپنے کسی فیصلے میں نہ لے سکے۔ یہ بہر حال تمہارے کردار اور سوچ کی بلندی ہے۔!''

''ارسل میں منافقت نہیں کر سکتی۔!'' وہ مسکرائی اور بڑی خوبی سے منہ پھیر کر آنسوؤں کو انگلیوں کے پوروں سے صاف کیا۔

''کیا اچھا سا ڈنر نہیں کراؤ گے۔؟'' وہ بولی۔''اور کوئی خوبصورت شعر۔!''

''لکھنے والا تو اور ہے کوئی۔ میں عذاب و ثواب کیا لکھتا۔'' میں نے کہا۔ وہ مسکرا دی۔

''ڈنر لوگی یا بوفے۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم کیا لو گے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''بوفے۔۔ کیونکہ اس میں انتخاب بہت وسیع ہے۔!'' میں نے کہا وہ ہنس دی۔ ہم ڈنر کے لئے اٹھ گئے۔ کھانا

کھاتے ہوئے ہم نے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ایک بہت اچھے دوست کی طرح۔ شائد ہم اچھے دوست بن سکتے تھے۔میاں بیوی نہیں۔

☆☆☆

وہ رات عجیب سی تھی۔ بے کیف، پھیکی مگر کھلی کھلی سی رات۔کبھی ہم اپنی کیفیات کو سمجھنے میں ناکام ہوجاتے ہیں۔اور کبھی فیصلے غلط کر جاتے ہیں۔مگر وہ جو کہتے ہیں کہ خلوص سے کئے گئے فیصلے چاہے غلط ہی کیوں نا ہوں۔ان میں سے بھی کوئی خیر کا پہلو نکل ہی آتا ہے۔اس فیصلے نے ہمیں افسردہ تو کیا تھا۔مگر دکھی اور پشیمان نہیں۔ میں رات بہت دیر تک جاگتا رہا۔اور سوچتا رہا۔کیا میرا دل خالی ہوگیا ہے۔؟ کیا میں نفی ہوگیا ہوں۔کیا میں محبت کے عنصر کو محسوس نہیں کرسکتا۔کیا الوہی جذبے مجھ پر اپنی شدتوں سے اترتے نہیں۔کہاں کوئی کمی، کوئی خامی ہے۔کیا میرے اندر ہی کوئی ایسا سقم ہے کہ میں جس کے باعث جذبوں کی حرارت کو تپش میں، شعلوں میں، آگ میں نہیں ڈھال سکتا۔؟

مگر جواب نہیں ملا۔

ذات کے خالی گنبد میں سوالوں کے بگولے چکراتے رہے۔اور پھر انہوں نے مجھے بے حال کردیا۔اور میں دنیا و مافیہا سے بےخبر ہوگیا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو تقریباً دس بج رہے تھے۔ میں منہ ہاتھ دھوکر کمرے سے باہر نکلا تو امی اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھی میری ہی منتظر تھیں۔ میں سلام کر کے ان کے پاس جا بیٹھا۔ وہ چند لمحے میری طرف غور سے دیکھتی رہی۔ پھر بولیں۔''رات مہوش سے ملاقات ہوئی۔؟''

''جی۔۔۔!'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''فرخندہ کا فون آیا تھا۔اس نے بہت معذرت کی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ وہ بہت شرمندہ ہے۔اور مہوش کی طرف سے بھی معافی مانگ رہی تھی۔!''

''کس بات کی معافی۔؟'' میں نے پوچھا۔''مہوش نے آخر ایسا کیا کیا ہے۔سوائے اس کے کہ اس نے جرأت سے کام لیکر، ہم سب کو مستقل ذہنی اذیتوں سے بچالیا۔تعلیم اور شعور کا یہ تو فائدہ ہوا۔؟'' میں نے کہا اور ہنسنے لگا۔

مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیوں ہنسی آگئی۔شائد شدت کی بے بسی، بے اختیار ہنسنے پر مجبور کردیتی ہے۔

''مجھے تمہاری کیفیت کا احساس ہے۔ مجھ سے فیصلے میں غلطی ہوئی۔!'' امی نے آہستگی سے کہا۔

''ایسا مت کہئے۔!'' میں نے بے اختیار ان کے پیروں میں بیٹھتے ہوئے کہا۔''واقعاتی اعتبار سے یہ ایک مثالی جوڑا تھا۔شادی تھی۔لیکن روحوں کا بندھن تو کہیں ہوتا ہے۔!'' میں نے امی کے گھٹنوں سے سر ٹکا دیا۔

''میرے بچے۔!'' امی نے میرے سر میں ہاتھ پھیرا۔''میں جانتی ہوں۔لیکن یہ تو ہے نا کہ سعادت مندی میں تم نے کوئی کمی نہیں چھوڑی اور پھر نہ کوئی گلہ، نا کوئی بات، ایک حرف شکایت نہیں۔!''

''کیوں کر رہی ہیں ایسی باتیں۔آپ کی خواہش میں میری مرضی بھی تو شامل ہوگئی تھی۔ پھر ویسے بھی بیتے ہوئے کا یاد کرنے سے کیا حاصل ہے۔ جو بیت گیا۔سو بیت گیا۔!''

''صحیح کہتے ہو بیٹا۔ ماضی کی کرچیاں سنبھالنے کے بجائے اگر ایک طرف سمیٹ دی جائیں تو پھر نہ تو زخمی ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی راستہ تنگ رہنے کا خوف۔نئی صبح رات کے بعد ہوتی ہے۔!''

میں کچھ نہ بولا۔امی میرے سر کو ہولے ہولے سہلاتی رہیں۔

☆☆☆

کچھ چیزیں بہت تیزی سے بدل جاتی ہیں۔سردیوں کی دھوپ کی طرح۔آئیں اور گئیں۔لیکن اس کے پیچھے قدرت کی سکھانے والی طاقتیں کام کر رہی ہوتی ہیں۔نا آسودہ آرزوئیں، بے خواب آنکھیں، بے ثمر زندگی۔اچانک کسی فرد سے رنگین ہوجاتی ہے۔تب احساس ہوتا ہے کہ ہماری اصل منزل تو یہ تھی۔

☆☆☆

''تم آگئیں۔!''

''ہاں میں آگئی۔!'' وہ بے پناہ خوش تھی۔اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔

اس کا ریشمی آنچل میرے چہرے پر پھسل رہا تھا۔اس کی کومل سجل انگلیاں میری آنکھوں، میرے ماتھے، میرے بالوں میں محو حرکت تھیں۔

''کتنا انتظار کرواتی ہو۔اور پھر چلی جاتی ہو۔!'' میں نے کہا اور اس کو دیکھا۔اس کا چاند چہرہ جیسے دھند میں سے واضح ہو رہا تھا۔

''اب نہیں جاؤں گی۔!'' وہ مسکرائی۔''برسوں کے انتظار کے بعد روح اور بدن کی تمام شدتوں سے، دعاؤں کی ہر کیفیت میں صرف تمہاری طلب کی ہے۔ ہر سانس، ہر لمحہ تمہارے انتظار سے عبارت ہے۔ ہر شب تمہاری یاد کی شمعوں سے روشن رہی۔ پھر اب کیسے جاؤں گی۔؟''

''ہر بار کہتی ہو مگر ہر بار چلی جاتی ہو۔!'' میں نے کہا۔اس کا ایک ایک لفظ میری روح، میرے ذہن پر روشنی کی طرح، صحیفۂ محبت کی طرح وارد ہو رہا تھا۔''میں نے بھی ہمیشہ صرف تمہارا ہی انتظار کیا ہے۔!'' میں نے کہا۔''کیوں خواب بنتی ہو میرے لئے۔اور پھر اسی خواب جال میں پھڑ پھڑاتا چھوڑ جاتی ہو۔!''

''اب خواب نہیں زندگی ہوگی۔میری، تمہاری، ہماری زندگی۔!''

''تم کون ہو۔نام تو بتاؤ۔!''

''تمہاری رامین۔۔۔۔!'' اس نے کہا۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ مہک رہا تھا۔اور وہ جو ساری زندگی مجھے خواب کی طرح محسوس ہوتی رہی۔ میرے پاس تھی۔رامین۔۔جس کی

خاموش محبت نے مجھے بالآخر اس کے حضور لا کھڑا کیا تھا۔

"تو یہ ہے محبت۔!" میں نے سوچا۔ اور مجھے روح کی تمام تر شدتوں کے ساتھ اس پر پیار آ گیا۔ زندگی ہم تمہارے ہیں۔ زندگی ہماری ہے۔ روح، بدن، ذہن کی حقیقتوں کی ہم آہنگی کے ساتھ۔۔۔!

☆☆☆

Pakistanipoint
Waqar Azeem